سلسلہ مطبوعات: ۸۴

ہماری دعوت: اتباع قرآن وسنت

اسلام میں سنت کا مقام

تالیف

(ڈاکٹر) محمد لقمان السلفی

ترجمہ

نور الاسلام مدنی

أستاذ جامعہ امام ابن تیمیہ، ہند

ناشر

دار الداعی للنشر والتوزیع
ریاض۔ سعودی عرب

مرکز علامہ ابن باز برائے دراسات اسلامیہ
مدینۃ السلام، بہار، ہند

بسم اللہ الرحمن الرحیم

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب ....

- عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد آپ لوڈ (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹو کاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات نشرواشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

☆ تنبیہ ☆

- کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔
- ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی وشرعی جرم ہے۔

﴿اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں﴾

- نشرواشاعت، کتب کی خرید وفروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں۔

kitabosunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

ہماری دعوت: اتباع قرآن و سنت

سلسلۂ مطبوعات: ۸۴

اسلام میں سنت کا مقام

تالیف
(ڈاکٹر) محمد لقمان السلفی

ترجمہ
نور الاسلام مدنی
اُستاذ جامعہ امام ابن تیمیہ، ہند

ناشر

دار الداعی للنشر والتوزیع
ریاض۔ سعودی عرب

مرکز علامہ ابن باز برائے دراسات اسلامیہ
مدینۃ السلام، بہار، ہند

بار اوّل

شوال ۱۴۳۲ھ - ستمبر ۲۰۱۱ء

دار الداعی

پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز

پوسٹ بکس نمبر: 34248 ریاض: 11468 مملکت سعودی عرب

ٹیلی فیکس: 01/4039449، موبائل: 0505415722

ای میل: Dr.Salafi@hotmail.com

مرکز علامہ ابن باز برائے دراسات اسلامیہ

مولانا ابوالکلام آزاد سنٹرل لائبریری بلڈنگ

جامعۃ امام ابن تیمیہ، مدینۃ السلام-845312 مشرقی چمپارن، بہار، ہند

موبائل: 0091/9661003794/943103273

ای میل: ibnebaz123@yahoo.com

پیش لفظ

ساری تعریفیں اور تمام حمد وشکر اللہ رب العالمین کے لئے ہیں کہ اس نے ہمیں اسلام جیسی عظیم تر نعمت سے نوازا اور اس کے ذریعہ دنیا ودین کی تمام نعمتوں کو ہم پر تمام کیا۔

اور بے حساب صلاۃ وسلام ہو ہمارے آقا وحبیب اور رسولِ خاتم النبیین پر، جن کے ذریعہ اللہ عز وجل نے ہم تک اپنا آخری پیغام ''دین اسلام'' اور اپنی آخری کتاب ''قرآن کریم'' پہنچائی، اگر ہمارے اللہ کی ہم پر یہ کرم فرمائی نہ ہوئی ہوتی، تو ہم بھی (بے حد وحساب بار خدانخواستہ) بتوں کے پجاری اور اللہ کے سوا غیروں کے زینوں پر جبہ سائی کر رہے ہوتے۔

اور جن کی احادیث اور سنتوں کو ہماری رہنمائی کے لئے قرآن کریم کی شرح اور دین متین کا (قرآن کریم کے بعد) دوسرا مصدر (Source) قرار دیا، کہ اس کے بغیر دینِ اسلام کی نہ تکمیل ہو سکتی تھی، نہ ہم قرآن کریم کو سمجھ سکتے تھے، اور نہ ہی اسلام اللہ تعالی کا آخری دین بن سکتا تھا۔

اور پھر ہزاروں اور لاکھوں رحمتیں نازل فرمائے رب العالمین اُن قدُوسی روحوں پر جنہیں ہم ''محدثین کرام'' کے نام سے جانتے ہیں جن کی ابتدا اصحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ہوئی، اور پھر تابعین، تبع تابعین اور ان حضرات کے شاگردوں کے ذریعہ ''علم حدیث'' پروان چڑھتا گیا، اور چوتھی صدی کے نصف تک دودھ کا دودھ اور پانی پانی کر کے نبی کریم ﷺ کی تمام احادیث مبارکہ جمع کر دی گئیں۔

مجھے اِس وقت حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ کا وہ واقعہ یاد آ رہا ہے کہ ایک بار بغداد کی جامع مسجد کے ایک گوشہ میں بیٹھے کچھ یاد کر رہے تھے، حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے اُن کی خوب گاڑھی چھنتی تھی، جب وہ اُن کے پاس جاتے تو اُن اوراق کو چھپا لیتے جن کی مدد سے وہ کچھ یاد کر رہے تھے، جب انہوں نے کئی بار ایسا کیا تو امام احمد نے باصرار پوچھا کہ آپ کیا یاد کر رہے ہیں جسے بار بار مجھ سے چھپانے کی کوشش کر رہے ہیں؟ انہوں نے بتایا کہ میں جھوٹی حدیثیں یاد کر رہا ہوں (ساری صحیح حدیثیں تو پہلے سے یاد کر چکا ہوں) تاکہ اگر کوئی کاذب ومفتری رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کر کے کوئی جھوٹی حدیث سنائے تو اس کا پردہ فاش کر سکوں۔

اللہ اکبر، ہمارے محدثین عظام کا اس راہ کی بے مثال کوششوں کے بیان کا یہ مختصر مقدمہ متحمل نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالی نے حق پرستوں کی اس ستودہ صفات خصوصی جماعت کو اپنے نبی ﷺ کی احادیث نبویہ کی حفاظت کے لئے پیدا کیا تھا، اور ان سے جاں گسل محنت اور جد وجہد کروائی تاکہ دین متین کا یہ عظیم سرمایہ ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو جائے چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ نبی کریم ﷺ کی تمام صحیح اَحادیث مبارکہ محفوظ ہو گئیں، اُن کو اب زمانے کی نظر نہیں لگ سکتی۔

اسی لئے تو اس ''ذخیرۂ حدیث'' کو نقصان پہنچانے کے لئے فارس کے مجوسی اور یہود و نصاریٰ اور ملحدین نے ہر دور میں انتھک کوششیں کیں، لیکن وہ عظیم ذخیرہ محدثین کی کوششوں سے مزید نکھر کر اور صاف و شفاف بن کر امت کے سامنے آتا گیا۔

میری یہ کتاب بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ اس کتاب میں شریعتِ اسلامیہ میں سنت کا جو عظیم مقام ہے، اسے قرآن کریم کی آیاتِ مبارکہ اور صحیح احادیث کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے، اور واضح کیا گیا ہے کہ جس طرح قرآن کریم دینِ اسلام کے بنیادی عقائد اور شرائعِ اسلامیہ کو جاننے کا پہلا ذریعہ ہے، اسی طرح نبی کریم ﷺ کی احادیث کریمہ دوسرا ذریعہ اور (Source) ہیں، اِن کے بغیر اسلام کی تکمیل کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے: ﴿وَ مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝﴾ (یعنی ہمارے نبی اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کہتے، اُن کی ہر بات ہماری طرف سے بھیجی گئی وحی ہوتی ہے) یعنی نبی کریم ﷺ کی حدیث قرآن کریم کی تشریح و تفسیر ہے۔

اس اہم مسئلہ پر روشنی ڈالنے کے بعد حدیث فہمی کے لئے محدثین کرام کے بعض علمی اصطلاحات پر روشنی ڈالی گئی ہے، تاکہ قارئینِ کرام اُن سے استفادہ کریں۔

اِس کے بعد تاریخی حوالہ جات کی مدد لیتے ہوئے سنت کی جمع و تدوین پر روشنی ڈالی گئی ہے، اور محدثین عظام کی اُن کوششوں کو اُجاگر کیا گیا ہے جن کے نتیجہ میں یہ علم شریعت بحفاظت تمام اکٹھا کر دیا گیا، اور جیسا کہ پہلے کہا گیا ''دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ الگ کر کے سب کے سامنے رکھ دیا گیا''۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ ''علم حدیث'' وہ علم ہے جسے اتنا پکایا گیا کہ جل کر اور ہر نوع کے زنگ اور ہر آلودگی سے چھن کر صاف و شفاف لعل و جوہر بن گیا۔

اِن تمام تر تاریخی شواہد و حقائق کے باوجود دشمنانِ دین (مستشرقین اور ان کے شاگردان) کسی دور میں بھی اپنی سازشوں سے باز نہ آئے، اور سنت کی صحت و صداقت کا انکار کرتے رہے، اور لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کوشش کرتے رہے، لیکن جیسے ہی کسی ''فتنۂ انکارِ حدیث'' نے سر اٹھایا، امتِ مسلمہ کے مخلص علمائے کرام نے اس کا سر کچل دیا۔

ادھر کئی سالوں سے مجھ سے یہ مطالبہ ہوتا رہا ہے کہ میں اپنی اس کتاب (اسلام میں سنت کا مقام) کا اردو ترجمہ قارئینِ اردو کے لئے تیار کروں، تاکہ محدثین کرام کی ان مبارک کوششوں اور ان کے نتائج کا انہیں بھی علم ہو، اور اُن کے ایمان و یقین میں اضافہ ہو کہ اللہ تعالیٰ نے واقعی جس طرح قرآن کریم کی ہر دور میں حفاظت فرمائی ہے، اسی طرح حدیث نبوی کی بھی حفاظت فرمائی ہے۔ اب وہ مطلوب ترجمہ قارئین کرام کی خدمت میں حاضر ہے۔ امید کرتا ہوں کہ احباب و اخوان اس سے خوب خوب استفادہ کریں گے۔ وصلى الله على نبينا محمد وعلى آله وصحبه وسلّم تسليمًا كثيرًا.

(ڈاکٹر) محمد لقمان السلفي

۲۵/شوال ۱۴۳۲ھ

عرضِ مترجم

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسّلام على سيّد المرسلين وعلى آله الطيّبين وأصحابه الطاهرين ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين، أمّا بعد :

رسول اکرم ﷺ کی بعثت سے قبل معاشرہ میں جب بگاڑ پیدا ہوتا، دین الٰہی کا دامن چھوڑ کر عقل ونفس کی اتباع میں لوگ حد سے گزر جایا کرتے اور قوم اپنی اصلیت گم کر کے غیر فطری وغیر انسانی راہ ورسم اپنا لیتی تھی تو اللہ تعالیٰ ایسے نازک وقت میں اُن کی ہدایت ونجات کے لئے اپنی رحمت خاص سے نبی اور رسول بھیج دیتے تھے. مگر بعثتِ رسول ﷺ کے بعد اللہ نے یہ سلسلہ بند کر دیا، کیونکہ اُن کا آخری اور پسندیدہ دین اسلام اپنی تمام خوبیوں سمیت تا قیامت کے لئے اتر چکا تھا. اب کسی رسول کی ضرورت باقی نہیں رہی تھی. لیکن اس بار اللہ نے اپنے دینِ محبوب کی حفاظت و پاسبانی کی ذمہ داری اپنے سر لے لیا اور اس کی حفاظت کا انتظام یہ کیا کہ ہر زمانے میں مختلف صلاحیتوں اور اعلیٰ ذہنیت کے حامل افراد پر مشتمل علماء کی ایک جماعت تیار کرتے رہے.

اس ربانی جماعت نے ہر محاذ پر اسلام کا دفاع کیا، جب بھی دین مخالف ہوائیں چلیں تو اس سے اس کی حفاظت کی، اس کے خلاف سر اٹھانے والوں کا سر قلم تو کیا ہی، ضرورت پڑنے پر اپنا سر بھی کٹا دیا. اس طرح اللہ تعالیٰ کا محبوب ترین دین خارجی وداخلی دشمنوں کی ریشہ دوانیوں سے محفوظ رہا. ابتدائے اسلام سے لے کر آج تک ہر زمانے میں قرآن وسنت پر حملے ہوتے رہے، اسلام کے صاف وشفاف چہرے کو غبار آلود بنانے کے لئے اس کے دشمنوں نے اپنے ترکش کے تمام تیر خرچ کر لئے مگر وعدۂ الٰہی کو پورا ہونا تھا سو ہو کر رہا. اللہ تعالیٰ نے اس کے دشمنوں کو کھل کھیلنے کا موقع نہیں دیا.

دور حاضر میں سنت نبویہ کے دفاع کے لئے عالم اسلام کے جن چند افراد نے دشمنانِ اسلام سے پنجہ آزمائی کی ہے، ان میں ڈاکٹر محمد السّلفی مؤسس ورئیس جامعہ امام ابن تیمیہ کا اسم گرامی سرفہرست ہے. ہمیں یہاں نہ ان کی شخصیت کے متعلق کچھ کہنا ہے اور نہ ہی ان کی خدمات اور کارناموں کی تفصیل پیش کرنی ہے، کیونکہ ان امور سے دنیائے اسلام اچھی طرح واقف ہے. نیز ان کی قابل قدر شخصیت، اللہ کی دی ہوئی صلاحیتوں ان کی بیش بہا و بے شمار قومی خدمات ورفاہی کارناموں اور ان کی دعوتی وتصنیفی سرگرمیوں کی تفصیل جاننے کے لئے یہ چند سطور نہیں بلکہ کئی سو صفحات درکار ہیں جو فی الحال ہمیں میسر نہیں ہیں.

البتہ ہم اس نکتہ کی وضاحت کرنا ضرور چاہیں گے کہ سنت نبویہ سے انہیں اس قدر محبت کیوں ہے اور وہ کون سے محرکات ہیں جو ان کے میدان سنت میں کود پڑنے کا سبب بنے ہیں؟

زیر نظر کتاب کے مقدمہ میں اس موضوع کو اختیار کرنے کے اسباب گناتے ہوئے انہوں نے جو کچھ لکھا ہے اس کے ذریعہ سنت سے ان کی والہانہ محبت، سلف صالحین اور علماء امت کے تئیں ان کے دل میں موجزن جذبۂ احترام وعقیدت کی بھرپور عکاسی ہو جاتی ہے. لکھتے ہیں: ''جب میں نے سنت محمدیہ کی روشنی سے اپنے دل کو منور پایا، اس کی خوشبوؤں کو محسوس کیا اور میرے دل میں حدیثِ رسول کی محبت جاگزیں ہوگئی تو مجھے یقین ہو چلا کہ یہی قرآن کی اصل تفسیر ہے، اسی کے ذریعہ اچھے وبُرے میں تمیز کی جاسکتی ہے، یہی وہ علم ہے جو صاحب علم کو امن وسلامتی کی راہ دکھاتا اور اسے باب جنت تک پہنچاتا ہے، اس سے پہلوتہی اختیار کرکے لوگوں کے آراء، فلاسفہ کے قیل وقال اور ملحدین کے شکوک وشبہات کی طرف جو بھی قدم بڑھاتا ہے اس کے لئے ذلت ورسوائی ہے...... میں نے یہ بھی محسوس کیا کہ الحاد وارتداد اور زندیقیت کے اس پرآشوب دور میں سنت محمدیہ کے خلاف ان لوگوں کی صفوں میں تندوتیز ہوائیں چل رہی ہیں جو خود کو مسلمان باور کراتے ہیں، لیکن حقیقتاً منافق ہیں...... جب میں نے ان چیزوں کا بغور جائزہ لیا تو میرے دل میں یہ خواہش مچلنے لگی کہ سنت نبویہ کی حمایت میں اکابر علماء مسلمین کے ساتھ میرا بھی کوئی رول ہونا چاہئے......''

آپ نے ملاحظہ کیا کہ مذکورہ بالا عبارتوں میں استعمال ہونے والا ہر ہر لفظ حدیث رسول سے ان کی والہانہ محبت ووابستگی کی شہادت دے رہا ہے. اس کے علاوہ ان عبارتوں سے ہم اس بات کا بھی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ دشمنان سنت کے خلاف اکابر علماء مسلمین کے جہاد میں شمولیت کے لئے ان کی نیت کتنی خالص اور ان کا قلب وجگر کس قدر مضطرب ہے.

سنت نبویہ سے گہری وابستگی کی ایک وجہ اور بھی ہے اور وہ یہ کہ ان کی پیدائش خالص موحّد گھرانے میں ہوئی ہے جس کا حدیث رسول سے ایک خاص تعلق تھا. ان کے آباء واجداد ہندوستان میں برپا ہونے والی پہلی اسلامی تحریک میں پیش پیش رہے ہیں. ان کے دادا محترم خاک وخون کے کھیل میں سید احمد شہید واسماعیل شہید کے ہم رکاب تھے. سید صاحب کے عقیدت مندوں اور ان کے نقش قدم پر چل کر گھر بار لٹانے والوں کے قافلہ میں ان کے دادا بھی شریک تھے. اب ان کا ہونہار پوتا اپنے دادا کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ایک طرف سنت کے محاذ پر جہاد کرتا ہوا نظر آتا ہے تو دوسری طرف امت مسلمہ کے خوابیدہ جسم میں روح پھونکنے، اس سے جہالت کو دور کرنے اور اس کا کھویا

ہوا مقام واپس دلانے میں مصروف عمل ہے.

آپ نے اپنے نصب العین تک پہنچنے کے لئے ''جامعہ امام ابن تیمیہ'' کے نام سے ایک تعلیمی ودعوتی مرکز قائم کیا ہے جو ان کی آبائی بستی چندنبارہ سے متصل خود ان کے اپنے بسائے ہوئے ''مدینۃ السلام'' نام سے موسوم شہر میں واقع ہے.

اس کتاب کی اہمیت وافادیت کا اندازہ قارئین اس وقت کرسکیں گے جب اس کا مطالعہ کریں گے لیکن میں اتنا ضرور کہوں گا کہ حجیت سنت کے اثبات اور منکرین سنت ومستشرقین کی تردید میں اب تک جتنی بھی کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں ڈاکٹر موصوف کی یہ کتاب «مكانة السنة في التشريع الإسلامي» ایک بڑی اہم تصنیف ہے. اس کتاب میں مصنف نے حجیت سنت کو ثابت کرنے اور مستشرقین ومنکرین سنت کے اعتراضات کا شافی وکافی جواب دینے کے لئے مدلل وشگفتہ اندازِ بیاں، ناقابل تردید شواہد، سبک ورواں اسلوب نگارش مؤثر ودل نشیں طرز استدلال سے بھرپور استفادہ کیا ہے، اور مستشرقین ومنکرین سنت کے تمام مکائد ومطاعن اور شبہات واوہام اور ان کے مکر وفریب کا پردہ پوری طرح چاک کردیا ہے. بسا اوقات ایسے زبردست الزامی اعتراضات وارد کئے ہیں جن کا جواب دینا ناممکن نظر آتا ہے. ان خوبیوں کے یکجا جمع ہوجانے سے اگر میں اس کتاب کو یگانۂ روزگار کہوں تو بے جا نہ ہوگا.

جہاں تک پیش نظر ترجمہ کا تعلق ہے تو ترجمہ سلیس ورواں کیا گیا ہے، از ابتدا تا انتہائے کتاب ہماری یہ بھرپور کوشش رہی ہے کہ ترجمہ میں میرا قلم مصنف کی غایت ومنشاً کا اظہار مکمل طور سے کرے اور جو لفظی اور معنوی خوبیاں اصل کتاب میں ہے ان کا عکس ترجمہ میں بھی دکھائی دے. اس طرح کی علمی کتابوں کے ترجمہ میں یہی اسلوب مؤثر ومقبول بھی ہے. اللہ تعالیٰ ہم سب کی کوششوں کو قبول فرمائے. آمین.

نور الاسلام مدنی

مدرس جامعہ امام ابن تیمیہ
مدینۃ السلام، بہار، ہند

مقدمہ

تمام تعریفیں اس رب العالمین کے لئے خاص ہیں جس نے ہمیں اسلام کی نعمت سے سرفراز کیا، اور درود وسلام ہو رسول عربی محمد ﷺ پر جنھوں نے پوری انسانیت کو کفر وشرک کے گھٹا ٹوپ اندھیرے سے نکالا اور جن کے ذریعہ ہم نے اللہ کے دین اور قرآن کریم کو جانا، جن کے اقوال وافعال اور تقریرات کے ذریعہ شریعت اور اس کی تفاصیل کا علم حاصل کیا، اور اللہ تعالیٰ ان صحابۂ کرام سے راضی ہو جنھوں نے آپ سے سنت کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد اسے تابعین تک پہنچایا، ان گرامی قدر صحابۂ کرام کی توصیف وتوثیق کے لئے اللہ تعالیٰ کا قول: ﴿رَّضِيَ اللهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ﴾ ہی بس کرتا ہے. اللہ تعالیٰ ان علماء ومحدثین اور ائمہ دین سے بھی راضی ہو جنھوں نے ان کی مکمل پیروی کی، جن کی عظیم قربانیوں اور بے لوث خدمتوں نے سنت صحیحہ کو کذب وافتراء اور دجل وفریب سے الگ کر دکھایا.

امابعد:

جب میں نے سنت محمدیہ کی روشنی سے اپنے دل کو منور پایا، اس کی خوشبوؤں کو محسوس کیا، اور میرے دل میں حدیث رسول ﷺ کی محبت جاگزیں ہوگئی تو مجھے یہ یقین ہو چلا کہ یہی قرآن کی اصل تفسیر ہے، اسی کے ذریعہ اچھے اور برے میں تمیز کی جاسکتی ہے، اور یہی وہ علم ہے جو صاحب علم کو امن وسلامتی کی راہ دکھاتا اور اسے باب جنت تک پہنچاتا ہے، اور اسے چھوڑ کر لوگوں کے آراء، فلاسفہ کے قیل وقال اور ملحدین کے شکوک وشبہات کی طرف جو بھی قدم بڑھاتا ہے اس کے لئے ذلت ورسوائی ہے. میں نے یہ بھی پایا کہ جس دن عمارتِ اسلام میں اختلاف کا شگاف پڑا اسی دن سے لوگوں میں دو فریق پائے جاتے رہے. ایک فریق دین کی اصل ثانی (سنت) کو منہدم کر کے اس کو تہس نہس کر دینے میں لگا رہا، اور دوسرا فریق اس کے لئے طرح طرح کی قربانیاں پیش کرتا رہا. اور جب بھی اعداءِ دین کی جانب سے اس پر حملے کئے گئے تو ان مفسدین کی گردنیں توڑنے اور ان کی بہکی زبانیں کاٹ ڈالنے کے لئے کچھ مقدس ہستیاں وجود میں آتی رہیں.

میں نے یہ بھی محسوس کیا کہ الحاد وارتداد کے اس پر آشوب دور میں سنتِ محمدیہ کے خلاف ان لوگوں کے ذریعہ تند وتیز ہوائیں چل رہی ہیں جو اپنے کو مسلمان کہتے ہیں مگر حقیقت میں وہ منافق ہیں، یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے نور کو بجھا دینے کے درپے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ وہ اپنے نور کو مکمل کر کے رہے گا.

جب میں نے ان چیزوں کا بغور جائزہ لیا تو میرے دل میں بھی یہ خواہش مچلنے لگی کہ سنت نبویہ کی حمایت میں

ان علماء مخلصین کے ساتھ جنہیں اللہ تعالیٰ نے سنت کی حمایت ومدافعت کے لئے چُن لیا ہے میرا بھی کوئی رول ہو، چنانچہ میں نے اللہ تعالیٰ کی رضا وخوشنودی کو مقدم رکھتے ہوئے ریاض کے «المعهد العالي للقضاء» سے ''ایم،اے'' کی ڈگری حاصل کرنے کے لئے یہ علمی کتاب مرتب کی.

یہ کتاب ایک مقدمہ، چار ابواب اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے.

مقدمہ:

اس میں دو فصلیں ہیں:

پہلی فصل: سنت کی تعریف

دوسری فصل: شریعت اسلامی کی تشکیل میں سنت کا مقام

پہلا باب:

حجیت سنت کا اثبات، اس میں تین فصلیں ہیں:

فصل اوّل: قرآن کریم سے حجیتِ سنت کی تائید وتوثیق

دوسری فصل: احادیث نبویہ سے حجیتِ سنت کی تائید وتوثیق

تیسری فصل: اجماع امت کے ذریعہ حجیتِ سنت کی تائید

دوسرا باب:

قرآن کریم کے بعد سنت نبویہ کا مقام ومرتبہ

اس میں دو بحثیں ہیں:

پہلی بحث: حُجیت واستدلال کے اعتبار سے سنت کا مقام

دوسری بحث: سنت قرآن کریم کی تشریح ہے

تیسرا باب:

حدیث کے بعض اقسام پر ایک نظر:

اوّل: خبر واحد

دوم: حدیث مرسل

سوم: روایت بالمعنی

چوتھا باب:

فتنہ انکار سنت، منکرین کے شبہات اوران کی تردید:

اس باب میں مندرجہ ذیل امور زیر بحث آئے ہیں:

اوّل: تدوین حدیث پر ایک طائرانہ نظر.

دوم: فتنہ انکار سنت، اس میں تین فصلیں ہیں:

پہلی فصل: دوسری صدی میں انکار سنت کا فتنہ.

دوسری فصل: احادیثِ نبویہ کی صحت میں مستشرقین کے پیدا کردہ شکوک وشبہات.

تیسری فصل: چودھویں صدی کے بعض نام نہاد مسلمانوں کی سنت دشمنی.

خاتمہ: اس میں اس کا خلاصہ اور اس بحث کے نتائج وفوائد بیان کئے گئے ہیں.

آخر میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میری اس حقیر کوشش کو قبول فرمائے. اور اس سے عام مسلمانوں کو فائدہ پہنچائے. وصلی اللہ علی نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ أجمعین.

(ڈاکٹر) محمد السلفی
مؤسس ورئیس جامعہ امام ابن تیمیہ
مدینۃ السلام، بہار، ہند

مقدمہ

اس میں دو فصلیں ہیں:

پہلی فصل: سنت کی تعریف

دوسری فصل: شریعت اسلامی کی تشکیل میں سنت کا مقام

پہلی فصل

سنت کی تعریف

سنت کا لغوی معنی:

سنت فُعلہ کے وزن پر مفعولہ کے معنی میں ہے اور «سَنّ الإبلَ» سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہوتا ہے اونٹ کو بہترین چارہ دینا اور اس کی اچھی طرح نگرانی کرنا.

ایک قول کے مطابق سنت «سَنَّ الماءَ» سے ماخوذ ہے، جو لگاتار پانی گرانے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے.

کچھ لوگوں کے بقول «سَنَنْتُ النصلَ» سے ماخوذ ہے جو نیزے کو تیز کرنے اور اس کی صفائی کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے.

رسول اللہ ﷺ نے جس فعل پر مداومت برتی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے اس کا حد درجہ اہتمام کیا ہے، لہذا وہ آپ کی سنت ٹھہری.

اس طرح صیقل گر جب نیزے کی صفائی کرتا ہے تو اسے زنگ وآلودگی سے پاک وصاف بنادیتا ہے. محدثین کرام نے بھی آپ کی تمام حدیثوں کو ہر طرح کی آمیزش سے پاک وصاف بنادیا ہے، چنانچہ وہ آپ کی سنت قرار پائیں.

لغت میں سنت کا استعمال ''طریقہ'' کے معنی میں بھی ہوا ہے خواہ وہ طریقہ اچھا ہو یا برا.

خالد بن عتبہ ہذلی کا شعر ہے:

فلا تجزعن من سيرة أنت سرتها فأوّل راض سنة من يسيرها

رسول اللہ ﷺ کی حدیث بھی اس معنی میں آئی ہے، آپ ﷺ فرماتے ہیں: «من سنّ سنّة حسنة فله أجرها وأجر من عمل بها، ومن سنّ سنّة سيئة فعليه وزرها ووزر من عمل بها»[1] (جس نے کسی اچھے طریہ کو رواج دیا، اسے اُس کا اجر ملے گا، اور اس شخص کا بھی اجر اُسے ملے گا جو اُسے اپنائے گا، اور جس نے کسی برے طریقہ کو رواج دیا، اسے اس کا گناہ ملے گا، اور اُسے اُس کا بھی گناہ ملے گا جو اُس پر چلے گا).

دوسری روایت میں آپ ﷺ نے فرمایا: «لتتبعن سنن من قبلكم شبرًا بشبرٍ وذراعًا بذراع»[2] (یعنی تم گزشتہ قوموں کے طریقہ کو پوری طرح اختیار کرلوگے).

(۱) مسلم: کتاب الزکاۃ، ص:۶۹، کتاب العلم، ص:۱۵، نسائی کتاب الزکاۃ، ص:۶۴، دارمی مقدمہ، ص:۴۴، احمد، ج:۴، ص:۲۵۷، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱. ابن ماجہ مقدمہ، ص:۱۴، ترمذی کتاب العلم، ص:۱۵، (ان کے علاوہ اور بھی محدثین نے روایت کی ہے).

(۲) بخاری، الاعتصام:۱۴، الانبیاء:۵۰، مسلم، کتاب العلم:۶.

کوئی بھی شخص ابتدا میں کوئی کام انجام دیتا ہے اور بعد میں لوگ اس کو اختیار کر لیتے ہیں تو کہا جاتا ہے کہ یہ فلاں شخص کی سنت (طریقہ) ہے.

نصیب نے کہا ہے:

كأني سننت الحب أوّل عاشق   من الناس إذ أحببت من بينهم وحدي (۱)

حدیث میں سنت اور اس کے مشتقات کا ذکر کئی مقام پر آیا ہے جو طریقہ اور سیرت کے معنی میں استعمال ہوئے ہیں.

سنت کا اصطلاحی معنی:

علمائے اسلام اپنے اپنے فن اور تخصص کے اعتبار سے سنت کی تعریف کرتے ہیں اس لئے ان کے مابین اختلاف نظر آتا ہے. مثال کے طور پر علمائے اصول کے یہاں سنت کی جو تعریف پائی جاتی ہے وہ محدثین وفقہاء کے یہاں نہیں ملتی (اور محدثین وفقہاء سنت کی جو تعریف کرتے ہیں وہ اہل اصول کے یہاں نہیں پائی جاتی) ہم ان کی کتابوں اور ان میں موجود مباحث کے ذریعہ سنت کے معنی ومدلول کو اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں.

(ا) اہل اصول بجز قرآن آپ ﷺ سے صادر ہر قول وفعل اور تقریر کو سنت سے تعبیر کرتے ہیں. اس تعریف کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ جو دوسروں سے صادر ہوا ہے چاہے وہ رسول سے ہو یا غیر رسول سے وہ دائرہ سنت میں داخل نہیں ہیں. اس طرح بعثت سے پہلے آپ نے جو کچھ فرمایا ہے وہ بھی سنت میں شامل نہیں ہے. ''بجز قرآن'' کی قید سے قرآن کریم دائرہ سنت سے نکل جاتا ہے. چونکہ ''صدور'' ظہور کے معنی میں آتا ہے لہٰذا سنت کی اس تعریف میں حدیث قدسی بھی شامل ہو جاتی ہے. عرف واصطلاح میں ''اشارہ'' کو فعل کہا جاتا ہے. «همّ» بھی افعال قلوب میں سے ایک فعل ہے اور تعریف مذکور میں عام فعل استعمال کیا گیا ہے لہذا اشارہ اور «همّ» دونوں سنت میں داخل ہو جاتے ہیں.

اس تعریف سے اہلِ اصول کا مقصد یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے بحیثیت شارع بحث کیا جائے جو اپنے بعد کے مجتہدین کے لئے قواعد واصول بناتے ہیں اور لوگوں کے لئے نظامِ حیات پیش کرتے ہیں. اسی بنا پر اہلِ اصول نے آپ کے ان اقوال وافعال اور تقریرات کا حددرجہ اہتمام کیا ہے جن سے احکام ثابت ہوتے ہیں.

(ب) فقہاء کے یہاں سنت واجب کے مقابل میں ہے، یعنی سنت اس فعل سے عبارت ہے جس کی ادائیگی کے سلسلہ میں بغیر تاکید وجزم خطاب وارد ہو. اب اس تعریف کا جو لازمی نتیجہ ہے وہی ان کے یہاں سنت ہے،

(۱) لسان العرب، مادۃ ''سنن''.

چنانچہ فرماتے ہیں کہ سنت وہ ہے جس کے فاعل کو ثواب ہو اور اس کے تارک کو عقاب نہ ہو.
یعنی سنت سے مراد مندوب، مستحب، تطوّع اور نفل ہے. ان الفاظ کے معنی و مدلول میں فرق کرنا بعض فقہاء کی خاص اصطلاح ہے[۱].

کبھی فقہاء سنت کا استعمال بدعت کے مقابلہ میں بھی کرتے ہیں، جیسا کہ ان کا یہ کہنا «طلاق السنة كذا و طلاق البدعة كذا» "سنی طلاق یہ ہے اور بدعی طلاق یہ ہے"، حاصل کلام یہ کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی ذات سے متعلق بحث کی جن کے افعال احکام شرعیہ کے لئے دلیل بنتے ہیں.

(ج) محدثین کرام بالخصوص محدثین متاخرین کی عام رائے یہ ہے کہ حدیث و سنت دونوں مترادف الفاظ ہیں، اور ان میں سے ایک کو دوسرے کی جگہ پر استعمال کیا جاسکتا ہے.

شیخ الاسلام ابن تیمیہ[۲] کا یہ قول بھی اسی معنی کی تائید کرتا ہے، فرماتے ہیں: "حدیث نبوی کا اطلاق عام طور سے رسول اللہ ﷺ سے مروی بعد از نبوت کے اقوال و افعال اور تقریرات پر ہوتا ہے. آپ کی سنت ان تینوں وجوہ سے ثابت ہے. آپ ﷺ نے جو کچھ فرمایا ہے اگر وہ خبر ہے تو اس کی تصدیق واجب ہے. اگر واجب یا حرام یا مباح کی صورت میں کوئی شرعی حکم ہے تو اس میں ان کی اطاعت واجب ہے". اس کے بعد فرماتے ہیں: "حاصل کلام یہ کہ جب "حدیث رسول" بولا جاتا ہے تو اس میں بعد از نبوت کے تمام اقوال و افعال داخل ہو جاتے ہیں. آپ کے وہ تمام افعال جن پر آپ کاربند رہے ہیں حجت ہیں، جب آپ اس کے اتباع کا حکم دیں تو اس کی حجیت میں مزید پختگی پیدا ہو جاتی ہے. مثال کے طور پر آپ ﷺ کا یہ ارشاد گرامی: «صَلُّوا كما رأيتموني أصَلّي» "تم لوگ نماز اُسی طرح پڑھو جس طرح مجھے پڑھتا ہوا دیکھتے ہو"[۳]. اور «لتأخذوا عني مناسككم» "احکام حج مجھ سے حاصل کرو"[۴].

اس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے جو کچھ حلال کیا ہے وہ تمام امت کے لئے حلال ہے تا آنکہ تخصیص کی کوئی دلیل نہ ظاہر ہو. چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى

---

(۱) اصول فقہ، شیخ طہ دسوقی، ص: ۹۹

(۲) شیخ الاسلام تقی الدین ابو العباس احمد بن عبد الحلیم بن عبد السلام بن تیمیہ رحمہ اللہ حران میں ۶۶۱ھ میں پیدا ہوئے. آپ ایسی صفات کے مالک تھے جن میں آپ کے عہد میں آپ کا کوئی ہمسر نہ تھا. آپ ایک غیرت مند مصلح، اپنے زمانہ کے مجدد دین اور اللہ کے راستہ کے بے مثال مجاہد تھے. تمام دینی علوم و فنون پر دسترس حاصل تھا. آپ کی شخصیت میں رعب و جلال اور طبیعت میں استقلال پایا جاتا تھا. آپ اجتہاد کے اعلیٰ درجہ پر فائز تھے. آپ کے تمام سوانح نگاروں کا اتفاق ہے کہ استنباط اور تفریع مسائل میں آپ حیرت انگیز قدرت کے مالک تھے.

(۳) بخاری، کتاب الأذان: ۱۸، کتاب الأدب: ۲۸، دارمی کتاب الصلاۃ، ص: ۴۲، مسند أحمد: ۵ / ۵۳.

(۴) مسلم: کتاب الحج: ۳۱۰، ابوداؤد، کتاب المناسک: ۷۷، مسند أحمد: ۲ / ۲۳-۳۷۸.

الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِيَاۗىِٕهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ۭ﴾ (پس جب زید نے اس سے اپنی ضرورت پوری کرلی، تو ہم نے اس سے آپ کی شادی کردی، تاکہ مومنوں کے لئے ان کے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں سے شادی کرنے میں کوئی حرج باقی نہ رہے، جب وہ منہ بولے بیٹے ان بیویوں سے اپنی ضرورت پوری کرلیں)(۱).

اور جب اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی صحابیہ کو آپ کے لئے حلال قرار دیا جس نے اپنے آپ کو رسول اللہ ﷺ کے لئے ہبہ کردیا تو یہ کہا: ﴿وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا ۤ خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ﴾ (اور اس مسلمان عورت کو بھی جو اپنے آپ کو نبی کے لئے ہبہ کردے، اگر نبی اس سے شادی کرنا چاہیں، یہ حکم آپ کے لئے خاص ہے، عام مسلمانوں کے لئے نہیں ہے)(۲).

اس کے بعد شیخ الاسلام فرماتے ہیں: "حدیث کے معنی میں جو چیزیں داخل ہیں ان میں سے ایک وہ بھی ہے جس کی تائید آپ ﷺ نے کی ہے جیسے مضاربہ (خرید و فروخت کی ایک قسم) کا تائید جس کے لوگ عادی تھے(۳)، عائشہ رضی اللہ عنہا کا بچیوں کے ساتھ کھیلنے پر آپ ﷺ کی تائید(۴) خوشی کے مواقع پر بعض رسموں کی تائید، جیسے دو بچیوں کو گانے کی اجازت دینا(۵)، مسجد میں حبشیوں کے کھیلنے پر آپ ﷺ کی خاموشی(۶)، آپ ﷺ کے دسترخوان پر گوہ کا

---

(۱) سورۃ الأحزاب: آیت/ ۳۷.

(۲) سورۃ الأحزاب: آیت/ ۵۰.

(۳) امام احمد نے عمرو بن دینار کے طریق سے ابو المنہال سے روایت کی ہے کہ زید بن ارقم اور براء بن عازب دونوں کاروباری پارٹنر (شریک) تھے، دونوں نے نقدی اور اُدھار چاندی خریدی. جب یہ خبر رسول اللہ ﷺ تک پہنچی تو آپ نے ان دونوں کو حکم دیا کہ جو نقدی خریدا ہے اسے رکھ لو اور جو اُدھار خریدا ہے اسے واپس کردو. ابو داؤد، نسائی، ابن ماجہ اور حاکم نے سائب بن یزید سے روایت کی ہے کہ وہ اور رسول اللہ ﷺ ابتدائے اسلام میں کاروباری پارٹنر (شریک) تھے. فتح مکہ کے موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا: "خوش آمدید میرے بھائی اور میرے شریک جس کا معاملہ بہت ہی صاف ستھرا ہوتا تھا". حدیث کے الفاظ حاکم کے ہیں اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے (تلخیص الحبیر: ۳/ ۴۹).

(۴) عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے یہاں بچیوں کے ساتھ کھیلا کرتی تھیں. آپ فرماتی ہیں کہ جب میری سہیلیاں میرے پاس آتی تھیں تو رسول اللہ ﷺ سے چھپتی تھیں. اور رسول اللہ ﷺ ان بچیوں کی وجہ سے بہت خوش ہوتے تھے (البخاری، الأدب: ۸۱، مسلم: فضائل الصحابہ: ۸۱، ابو داؤد: کتاب الأدب: ۵۴، احمد، ج: ۶، ص: ۵۷، ۲۳۳، ۲۳۴، نسائی کتاب النکاح: ۸۷، ابن ماجہ: کتاب النکاح: ۵۰، لفظ حدیث مسلم کا ہے).

(۵) عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ ان کے پاس آئے اس وقت دو بچیاں دف بجا رہی تھیں. یہ دیکھ کر ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ان دونوں کو ڈانٹا، اس پر رسول اللہ ﷺ نے آپ سے فرمایا: "انہیں چھوڑ دو (انہیں بجانے دو) ہر قوم میں خوشی کا ایک دن ہوتا ہے".
(نسائی، کتاب العیدین: ۳۶).

(۶) عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ مجھے اپنی چادر سے چھپا لیتے تھے اور میں مسجد میں کھیلنے والے حبشیوں کی طرف دیکھتی رہتی تھی یہاں تک کہ میرا جی بھی بھر جاتا تھا. (بخاری کتاب النکاح، ص: ۱۱۵، نسائی: کتاب الصلاۃ: ۲۸۶). =

کھایا جانا اور اس پر آپ کی خاموشی [۱] اس کے علاوہ اور بھی بہت سی مثالیں ہیں، اور یہ سب حدیث کی تعریف میں داخل ہیں، کبھی قبل از نبوت کے بعض اخبار وسیر کو بھی سنت میں شامل کر دیا جاتا ہے" [۲] اس بیان کے مطابق محدثین کی اصطلاح میں سنت رسول ﷺ کے قول وفعل وتقریر یا آپ کے جبلی یا اخلاقی صفات یا قبل از نبوت یا مابعد کی سیرت مبارکہ کو کہتے ہیں.

جن حضرات نے حدیث وسنت میں فرق کیا ہے، انہوں نے ان دونوں لفظوں کے لغوی معنی کو مدنظر رکھا ہے، چنانچہ ان کا کہنا ہے کہ حدیث «تحدیث» کا اسم ہے اور اخبار کے معنی میں ہے، بعد میں رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب قول وفعل وتقریر کو حدیث کہا جانے لگا.

اس طرح سنت بھی اپنے لغوی معنی کے تابع ہے. سنت کا اطلاق اس طریقہ محمودہ اور راہ عمل پر ہوتا ہے جسے محمد ﷺ نے اپنی حیات طیبہ میں اختیار کیا تھا، اور لغت میں سنت کا معنی طریقہ ہے.

اگر حدیث عام ہے اور اس میں رسول اللہ ﷺ کے قول وفعل شامل ہیں تو سنت آپ کے اعمال کے ساتھ خاص ہے. اگر ان دونوں لفظوں کے اس باریک فرق کو ذہن میں رکھا جائے تو محدثین کے ان جملوں کا صحیح مفہوم سمجھا جا سکتا ہے. «هذا الحديث مخالف للقياس والسنة والإجماع» "یہ حدیث قیاس، سنت اور اجماع کے مخالف ہے". «إمام في الحديث، وإمام في الفقه وإمام فيهما معًا» "فلاں حدیث کا امام ہے، فلاں فقہ کا امام ہے، اور فلاں حدیث وفقہ دونوں کا امام ہے".

اس تشریح کے مطابق ہر وہ قول وفعل اور تقریر حدیث ہے جو رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب ہے دوسرے الفاظ میں حدیث رسول اللہ ﷺ کے اقوال وافعال وتقریرات کی لفظی روایت کا نام ہے. اور سنت عمل رسول کی اس کیفیت کا نام ہے جو عمل متواتر کے ذریعہ ہم تک پہنچی ہے، یعنی سب سے پہلے اس پر رسول اللہ ﷺ نے عمل کیا پھر آپ کے بعد آپ کے صحابہ نے، ان کے بعد تابعین نے اور آخر تک یہ سلسلہ جاری رہا، اس میں لفظی تواتر کی شرط نہیں ہوتی کیونکہ ہو سکتا ہے کوئی چیز عملاً متواتر ہو مگر لفظاً نہ ہو. چنانچہ جو عملاً متواتر ہے اس کو سنت کہا جائے گا [۳].

= ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ مسجد میں داخل ہوئے اس وقت کچھ حبشی کھیل رہے تھے، آپ نے ان لوگوں کو ڈانٹا تو رسول اللہ ﷺ نے عمر سے فرمایا: "ان لوگوں سے کچھ مت کہو، یہ بھکاری ہیں" (نسائی: کتاب العیدین: ۳۴-۳۵).

(۱) ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے دستر خوان پر گوہ کھایا گیا مگر آپ نے بوجہ کراہت اسے ترک کر دیا (بخاری، باب الاعتصام: ۳۴، ترمذی: کتاب الأطعمہ: ۳).

(۲) فتاویٰ شیخ الاسلام ابن تیمیہ: ۱۸/۶-۱۰.

(۳) تحقیق معنی السنۃ، سید سلیمان ندوی، ص: ۱۸.

ہم اس سے پہلے بتا چکے ہیں کہ بعد کے محدثین کے یہاں جو بات مشہور ہے وہ یہ ہے کہ حدیث وسنت دونوں کا ایک ہی معنی ہے، اور دونوں کا استعمال بھی ایک ہی چیز کے لئے ہے یعنی رسول اللہ ﷺ کے اقوال وافعال وتقریرات کے لئے، اور یہی ہمارا موضوع بحث ہے.

لفظِ سنت کا استعمال:

علماء کرام کے بیان کے مطابق سنت بہت سے معنوں میں مستعمل ہے:

سنت کا اطلاق رسول اللہ ﷺ کے قول پر ہوتا ہے، بالخصوص آپ کے اس قول پر جس کے متعلق قرآن کریم میں کوئی نص نہیں ہے.

بدعت کے مقابلہ میں بھی سنت کا استعمال ہوتا ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے "فلاں شخص سنت پر ہے" اگر اس کا عمل رسول اللہ ﷺ کے عمل کے مطابق ہو خواہ اس عمل کے متعلق قرآن میں کوئی نص ہو یا نہ ہو. نیز کہا جاتا ہے "فلاں شخص بدعت پر ہے" اگر اس کا عمل آپ کے عمل کے خلاف ہو، گویا سنت کے اس استعمال میں صاحب شریعت کے عمل کو ملحوظ رکھا جاتا ہے اور اسی بنا پر آپ کے عمل پر سنت کا اطلاق ہوتا ہے اگر چہ آپ کا وہ عمل نص کتاب کے مطابق بھی کیوں نہ ہو[1].

صحابہ کے عمل پر بھی سنت کا اطلاق ہوتا ہے خواہ اس عمل کا ثبوت قرآن وسنت میں پایا جائے یا نہ پایا جائے، اس لئے کہ ان کا یہ عمل یا تو اس سنت کے اتباع میں ہوگا جو ان کے نزدیک ثابت شدہ ہے لیکن ہم تک نہیں پہنچ سکی ہے، یا ان کا اجتماعی اجتہاد ہوگا یا خلفاء کا اجتہاد ہوگا. اگر صحابہ کا متفقہ اجتہاد ہے تو اس کو اجماع ہی مانیں گے، کیونکہ ان کے اجماع کو اجماع کہا جاتا ہے. خلفاء کے عمل کو بھی اجماع میں شمار کیا جائے گا، اس لئے کہ خلفاء کرام مصلحت کے پیش نظر لوگوں پر اپنے عمل کو اختیار کرنے کے لئے دباؤ ڈال سکتے ہیں. چنانچہ سنت کے اس اطلاق میں مصالح مرسلہ اور استحسان شامل ہو جاتے ہیں، اس کی مثال حد خمر سے متعلق صحابہ کا طرز عمل ہے. ابو بکر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں شارب خمر کو تعزیراً کبھی چالیس کوڑے لگائے گئے اور کبھی اسّی کوڑے، مگر عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آخری ایام میں جب دولت کی ریل پیل ہوئی، پھل اور میوے بکثرت پیدا ہونے لگے، لوگ خوشحالی کی زندگی بسر کرنے لگے اور شراب نوشی میں زیادتی ہونے لگی تو آپ نے صحابہ کرام سے سخت سزا کے بارے میں مشورہ کیا تو علی رضی اللہ عنہ نے اسّی کوڑے کی سزا تجویز کی[2].

---

(۱) موافقات، شاطبی: ۴/ ۳.

(۲) امام مالک نے اسے موطا میں روایت کیا ہے. حاکم نے عن ثور عن عکرمہ عن ابن عباس کے طریق سے روایت کیا ہے عبد الرزاق نے بھی اسے روایت کیا ہے (تلخیص الحبیر: ۴/ ۷۵).

عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے بھی سب سے ہلکی حد (اسی ۸۰ کوڑے) کی رائے دی (۱)، چنانچہ تمام صحابہ کے متفقہ اجتہاد سے شراب پینے والے کے لئے اسّی کوڑا ہی حد متعین کیا گیا، اور یہی صحابہ کی سنت قرار پایا.

خلفائے راشدین کی طرف سے کاریگروں کو ضمانت دیئے جانے کا فیصلہ بھی اسی نوع کا ہے. علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: لوگوں کے لئے اسی میں بھلائی ہے کیونکہ اشیاء کی ضرورت اور اس میں افراط وتفریط کے خدشہ کے باوجود اگر لوگ ضمانت دینا چھوڑ دیں تو دو میں سے ایک نتیجہ برآمد ہوگا، یا تو لوگ صناعت کو بالکلیہ چھوڑ دیں جو ممکن نہیں، یا پھر کام تو کریں مگر ضائع ہو جانے کے خوف سے ضمانت دینا چھوڑ دیں، جس کا انجام یہ ہوگا کہ اموال ضائع ہوں گے، امانت داری ختم ہوگی اور خیانت عام ہو جائے گی. آخر کار ضمانت ہی میں مصلحت جان کر اسے تسلیم کر لیا گیا (۲).

ایسا ہی معاملہ مصحف کی تدوین وترتیب کے وقت پیش آیا، آخر کار تمام صحابہ قرآن کی تدوین پر متفق ہو گئے، مصاحف کو اکٹھا کرنے کا کام سب سے پہلے ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ہوا، اس وقت قرآن مختلف صحیفوں، کھجور کی پتیوں اور ہڈیوں پر بکھرا ہوا تھا. چنانچہ اس خوف سے کہ کہیں قرآن کی کوئی آیت کسی کے پاس سے ضائع نہ ہو جائے ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اسے ایک صحیفہ میں جمع کرا دیا. اس وقت ایسے کتنے صحابہ تھے جو قرآن کو اپنے سینوں میں محفوظ کر چکے تھے.

عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں جب لوگوں کے مابین وجوہِ قراءات میں اختلاف رونما ہوا اور معاملہ ایک دوسرے کی تکفیر تک جا پہنچا تو آپ نے علم وامانت کے پیکر صحابہ کی ایک جماعت تشکیل دی اور ان پر پانچ ایسے مصاحف ترتیب دینے کی ذمہ داری عائد کر دی جن میں صرف وہی وجوہ موجود ہوں جن کے مطابق قرآن ابتداء میں نازل ہوا تھا، پھر آپ نے ان مصاحف کو مختلف صوبوں میں اس تاکید کے ساتھ ارسال کر دیا کہ جو ان کے موافق ہو اسے باقی رکھا جائے، اور جو مخالف ہو اُسے ترک کر دیا جائے.

قرآن کے جمع وترتیب کی مذکورہ دونوں صورتیں عہد نبوی میں ظاہر نہیں ہوئیں، بلکہ دو خلفاء اور بعض دوسرے صحابہ کے اجتہاد سے عمل میں لائی گئیں، باقی صحابہ نے مصلحت کے تقاضے کو مد نظر رکھتے ہوئے اس کی تائید کی (۳).

---

(۱) بخاری، مسلم، احمد اور ترمذی نے روایت کیا ہے، ترمذی نے اسے صحیح قرار دیا ہے. تلخیص الحبیر: ۴/۷۵.

(۲) بیہقی نے شافعی کے طریق سے علی سے روایت کی ہے کہ وہ کاریگروں اور رنگریزوں کو ضمانت دیا کرتے تھے اور آپ نے فرمایا: ''لوگوں کے لئے اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں'' بیہقی نے خلاس کے ذریعہ علی سے روایت کی ہے کہ وہ کرایہ داروں سے ضمانت لیا کرتے تھے.

(۳) دیکھئے: تاریخ عمر، ابن الجوزی، ص: ۱۴۸، تاریخ المدینۃ المنورۃ، ابن شبہ، ص: ۷۰۵، ۹۹۰، ۹۹۱، الإتقان فی علوم القرآن: ۱/۷۸، ۷۹.

خلافتِ عمر میں دفاتر کی تدوین [1]، ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف سے عمر رضی اللہ عنہ کو ولی عہد مقرر کرنا [2]، اور عمر رضی اللہ عنہ کی جانب سے امرِ خلافت کو ۶ اشخاص کے مشورہ پر چھوڑ دینا [3]، خلافتِ عمر میں سکہ کی ترویج اور مجرمین کے لئے جیل کی تعمیر [4]، عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں مسجد نبوی کے اردگرد واقع اوقاف کی عمارتوں کو منہدم کرنے، مسجد نبوی کی توسیع اور جمعہ کے دن بازار میں پہلی اذان [5] جیسے معاملات کے متعلق رسول ﷺ کی کوئی سنت موجود نہیں تھی بلکہ مصلحت کے پیشِ نظر صحابہ نے ان اعمال کی تائید وتوثیق فرمائی۔

اس معنی میں سنت کے مستعمل ہونے پر رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث شاہد ہے کہ: «عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين» ''میری اور میرے خلفاء کی سنت کو لازم پکڑو'' [6]۔ اس حدیث میں آپ نے سنت کی اضافت خلفائے راشدین کی طرف ٹھیک اسی طرح کی ہے جس طرح اپنی طرف کی ہے [7]۔

● ● ●

(۱) تاریخ عمر، ص: ۷۸، ۱۱۹-۱۲۲، تاریخ المدینۃ المنورۃ، ص: ۸۵۷۔

(۲) تاریخ عمر، ص: ۶۶، ۶۷، تاریخ المدینۃ المنورۃ، ص: ۱۶۶۔

(۳) مسند احمد: ۱/ ۴۸، تاریخ المدینۃ المنورۃ، ص: ۸۸۹، ۹۲۶، طبقات ابن سعد: ۳/ ۳۳۵، ۳۳۶۔

(۴) أعلام: ۵/ ۴۵، ابن الأثیر: ۳/ ۱۹، حلیۃ الأولیاء: ۱/ ۳۸۔

(۵) بخاری، الجمعہ، باب الأذان یوم الجمعۃ، ابو داوٗد ترمذی، نسائی، کتاب الصلاۃ، باب الأذان یوم الجمعہ، ابن ابی شیبۃ: ۱/ ۳۵، عبدالرزاق: ۳/ ۲۰۶۔

(۶) ابوداوٗد، کتاب السنۃ، باب لزوم السنۃ، حدیث (۴۶۰۷)، ترمذی، العلم، باب: ۱۶، حدیث: (۲۶۷۸) مسند أحمد: ۴/ ۱۲۶-۱۲۷، ابن ماجہ، المقدمہ، ص: ۴۲۔

(۷) دیکھئے: موافقات: ۴/ ۳-۵۔

دوسری فصل

شریعتِ اسلامی کی تشکیل میں سنت کا مقام

علمائے محققین کی منتہائے تحقیق یہ ہے کہ صحیح حدیث تمام امت کے لئے حجت ہے، ان علماء کو ان آیتوں کی تائید حاصل ہے جو رسول اللہ ﷺ کے اتباع اور ان کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر دینے کے وجوب پر دلالت کرتی ہیں. ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ جو شخص اس رائے سے الگ کوئی رائے رکھتا ہے وہ امت مسلمہ میں شمار کئے جانے کے لائق نہیں ہے.

اگر دیکھا جائے تو ان کی علمی وفکری تحقیق کا اس مناسب وحکیمانہ فیصلہ تک پہنچنا ایک قدرتی امر ہے کیونکہ وہ آیتیں جو مؤمنوں پر نبی اکرم ﷺ کی اطاعت واجب قرار دیتی ہیں اپنے باب میں بالکل واضح ہیں، کسی تاویل کی متحمل نہیں ہیں اور ظاہر ہے کہ سنت کے التزام، حدیثوں پر عمل، ان سے دینی مسائل کے استخراج اور شریعت کے اصولوں میں حدیث کو دوسرا مقام دیئے بغیر آپ کی اطاعت ممکن نہیں ہے. چنانچہ دینی احکام حاصل کرنے کے لئے سنت سے صَرفِ نظر کر کے صرف قرآن پر اکتفا کرنا کسی بھی مسلمان کے لئے جائز نہیں، ورنہ فقہائے امت کے اجماع کے مطابق اس کا اسلام کالعدم ہو کر رہ جائے گا اور وہ مسلمانوں کی جماعت میں شمار کئے جانے کے لائق نہیں رہے گا. اس لئے کہ اس نے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کو ترک کر دیا ہے، جو آپ کی زندگی میں آپ کے اتباع اور وفات کے بعد آپ کی احادیث کی پیروی میں مضمر ہے. اللہ تبارک وتعالیٰ کی جانب سے جو وحی آتی تھی اس کے آپ مُبَلِّغ تھے اور آپ پر نازل ہونے والی وحی قرآن وسنت پر دونوں پر مشتمل ہے.

اور حکمت ''قرآن'' کا ثمرہ ہے یعنی اس سے مراد آپ کی سنت اور سیرت ہے، جو احکام دین کے شرح وبیان میں قرآن کریم کی حد درجہ معاون ہے، لہٰذا کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ شرعی امور میں صرف قرآن کریم پر انحصار کرے بلکہ سنت کو قرآن سے جدا کئے بغیر اس میں وارد تمام احکام کی پیروی بھی لازم ہے.

سنتِ نبویہ ہر جگہ قرآن کریم کی موافقت کرتی نظر آتی ہے. یہ قرآن میں کسی ابہام کی تفسیر، اجمال کی تفصیل، اطلاق کی تقیید، عام کی تخصیص اور اس کے جملہ احکام واغراض کی تشریح کرتی ہے، ساتھ ہی ساتھ وہ ایسے احکام بھی پیش کرتی ہے جو قرآن کریم میں تو نہیں ہیں مگر اس کے اصول ومبادی اور اس کے اغراض واہداف سے الگ بھی نہیں ہیں.

سنت سے ثابت شدہ احکام قدر ومنزلت میں ان احکام سے کسی طرح کم نہیں جن کے متعلق قرآن میں نصوص موجود ہیں. اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ سے جو کچھ ثابت ہے وہ حق ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى﴾ (اور آپ ﷺ اپنی خواہشِ نفس کی پیروی میں بات نہیں کرتے ہیں، وہ تو وحی ہوتی ہے جو اُن پر اُتاری جاتی ہے)[1].

نیز اجتہاد میں اگر آپ سے چوک کوئی ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی اس کی تصحیح فرمادی ہے، لہذا سنت سے ثابت حکم کی پیروی واجب ہے، اس لئے کہ درحقیقت وہ اللہ تعالیٰ ہی کا حکم ہے جو آپ کی زبان مبارک سے ادا ہوا ہے.

آپ ﷺ قرآن میں وارد حکم کی تشریح فرماتے، اور جو اس میں نہیں ہوتا اس کے لئے حکم صادر فرماتے، اور صحابہ کرام بلا چون وچرا اسے قبول کر لیتے تھے، کیونکہ وہ آپ کی پیروی کے لئے مامور تھے. آپ کے کسی قول وفعل کو ترک کرنے کا کبھی کسی کے دل میں خیال تک نہیں گزرا. اس چیز کو انہوں نے قرآن کی ان بہت ساری آیتوں سے سیکھا تھا جن کا ذکر ہم ''قرآن سے حجیتِ سنت کی تائید وتوثیق'' کی بحث میں کریں گے.

ہمارے اس قول کی وضاحت اس روایت سے ہوتی ہے، کہ عبدالرحمٰن بن یزید[2] نے ایک شخص کو موسم حج میں سلے ہوئے کپڑے میں دیکھا تو آپ نے اس کو کپڑے اتار دینے اور سنت نبوی کے مطابق احرام باندھنے کا حکم دیا. اس نے آپ سے کہا کہ کوئی آیت پیش کرو تو میں ابھی کپڑے اتار دیتا ہوں[3]، آپ نے اس موقع پر اس آیت کی تلاوت کی: ﴿وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ﴾ (اور رسول تمہیں جو دیں اسے لے لو اور جس چیز سے تم کو روک دیں اس سے رک جاؤ)[4].

حالتِ احرام میں سلے ہوئے کپڑے نہ پہننے کے سلسلے میں قرآن کریم میں کوئی صراحت نہیں ہے، البتہ سنت میں اس کی واضح ہدایت موجود ہے.

ابن عمر رضی اللہ عنہما رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا: محرم کیا پہنے گا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''محرم قمیص، عمامہ (پگڑی)، لمبی ٹوپی، اور پاجامہ نہیں پہنے گا. ورس (ایک قسم کی گھاس

(۱) سورۃ النجم: آیت ر ۳.

(۲) عبدالرحمٰن بن یزید بن قیس نخعی، ابوبکر کوفی، ثقہ اور تابعی ہیں اور ان سے بہت سی حدیثیں مروی ہیں، ابن حبان نے ثقات میں شمار کیا ہے، جماجم میں ۸۳ھ میں قتل ہوئے (تہذیب التہذیب: ۶ر ۲۹۹).

(۳) اس حدیث کو ابن عبدالبر نے ابوبکر بن عیاش سے انہوں نے ابواسحاق سے اور انہوں نے عبدالرحمٰن بن یزید سے روایت کیا ہے (جامع بیان العلم وفضلہ: ۲ر ۱۸۹، باب موضع السنۃ من الکتاب وبیانہا لہ.

(۴) سورۃ الحشر: آیت ر ۷.

جو تل کے مانند ہوتی ہے) اور زعفران سے رنگا ہوا کپڑا نہیں پہنے گا. اگر جوتا نہ ہو تو خُف کو پنڈلی تک کاٹ کر استعمال کرے گا''(۱).

امام کبیر طاؤس بن کیسان نے (۲) عصر کے بعد دو رکعت نماز ادا کی تو صحابی جلیل ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان سے کہا کہ یہ دو رکعتیں نہ پڑھو. طاؤس نے جواب دیا کہ رسول اللہ ﷺ نے سنت بنا لئے جانے کے خوف سے منع کیا تھا. اگر عدم استمرار کی نیت ہو تو ان دو رکعتوں کی ادائیگی میں کوئی حرج نہیں ہے، لیکن ابن عباس اپنے اس موقف پر قائم رہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عصر کے بعد مطلق نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے اور طاؤس کو یہ تاکید کی کہ رسول اللہ ﷺ کے فرمان میں تاویل کا کسی کو اختیار حاصل نہیں (۳)، ابن عباس نے اللہ تعالیٰ کے اس قول کو پیش نظر رکھا تھا: ﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ أَمْرًا أَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ﴾ (اور جب اللہ اور اس کے رسول کسی معاملہ میں فیصلہ کر دیں، تو کسی مسلمان مرد اور عورت کے لئے اس بارے میں کوئی اور فیصلہ قبول کرنے کا اختیار باقی نہیں رہتا) (۴).

یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام ہمہ وقت رسول اللہ ﷺ کو گھیرے رہتے، آپ کے فیصلوں کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرتے. آپ کے فرمودات کو بغور سنتے، انہیں اپنے دلوں میں محفوظ کرتے، اور سنت سے چمٹے رہتے تھے. قرآنی احکام اور نبوی فرامین کے مابین فرق نہیں کرتے تھے، بلکہ کتاب وسنت دونوں کی یکساں محافظت فرماتے. اس شخص کی مشابہت سے کوسوں دور رہتے جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: «يوشک الرجل متكئا على أريكته يحدث بحديث من حديثي فيقول: بيننا وبينكم كتاب الله عزوجل فما وجدنا فيه من حلال استحللناه وما وجدنا فيه من حرام حرمناه ألاَ وإن ما حرم رسول الله مثل ما حرم الله» ''عنقریب ایسا

(۱) بخاری: ۳/۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، کتاب الحج، باب ما لا يلبس المحرم من الثياب، وباب ما ينهى من الطيب للمحرم والمحرمة، وباب لبس الخفين للمحرم اذا لم يجد النعلين، کتاب العلم: باب من أجاب السائل بأكثر مما سأله اور کتاب الصلاة: باب الصلاة في القميص والسراويل. مسلم: ص:۱۱۷۷، کتاب الحج: باب ما يباح للمحرم بحج أو عمرة، الموطأ: ۱/۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۸، کتاب الحج، باب ما ينهى عنه من لبس الثياب في الإحرام، ترمذی:۸۳۳. کتاب الحج، باب ما جاء في ما لا يجوز للمحرم لبسه. أبو داؤد: ۱۸۲۳، ۱۸۲۴، ۱۸۲۵، ۱۸۲۶، کتاب المناسک: باب ما يلبس المحرم، نسائی:۵/۱۲۹، کتاب الحج: باب النهي عن الثياب المصبوغة.

(۲) یہ طاؤس بن کیسان یمانی ابوعبدالرحمٰن حمیری ہیں، کہا جاتا ہے کہ ان کا نام ذکوان ہے اور لقب طاؤس ہے، آپ ثقہ، فقیہ اور فاضل ہیں اور تیسرے طبقہ سے ہیں، آپ کی وفات ۱۰۶ھ میں اور کچھ لوگوں کے بقول اس کے بعد ہوئی (تقریب التہذیب، ص:۱۵۶).

(۳) جامع بیان العلم وفضلہ: ۲/۱۳۹، باب موضع السنة في الكتاب وبيانها له.

(۴) سورۃ الأحزاب: آیت/۳۶.

زمانہ آئے گا کہ کسی شخص کو میری حدیث پہنچے گی اور وہ اپنی مسند پر ٹیک لگائے ہوا ہوگا اور کہے گا کہ ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ کی کتاب موجود ہے. اس میں ہم جس چیز کو حلال پائیں گے اسے حلال سمجھیں گے اور جس چیز کو حرام پائیں گے اسے حرام سمجھیں گے. خبردار رسول اللہ نے جس چیز کو حرام قرار دیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے حرام کئے ہوئے کے مانند ہے"(۱). بلکہ صحابہ کرام نے سنت کی حمایت میں ہمیشہ بہت سخت موقف اختیار کیا اور اس قسم کے تمام باطل خیالات اور فاسد نظریات کی پوری قوت کے ساتھ تردید کی.

ابونضرہ عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے ان سے سوال کیا. جب آپ نے اس کا جواب دیا تو سائل نے کہا: مجھے صرف کتاب اللہ کے ذریعہ ہی جواب دیجئے، آپ نے اس سے کہا کہ تم نہایت بیوقوف آدمی ہو، کیا تم نے کتاب اللہ میں ظہر کی چار رکعت بلا جہر کے بارے میں کچھ پایا ہے. اس طرح انہوں نے تمام نمازوں اور زکوۃ وغیرہ سے متعلق مسائل کے بارے میں پوچھا. اس کے بعد فرمایا: کیا ان تمام چیزوں کی تفصیل کتاب اللہ میں موجود ہے؟ ہرگز نہیں، بلکہ قرآن نے ان چیزوں کو ثابت کیا ہے، اور سنت نے ان کی تفصیل بیان کی ہے (۲).

ابن ماجہ کی روایت ہے کہ روم کی جنگ میں عبادہ بن الصامت انصاری رضی اللہ عنہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے وہاں انہوں نے لوگوں کو سونے کے ٹکڑے کو دینار سے اور چاندی کے ٹکڑے کو درہم سے فروخت کرتے دیکھا تو لوگوں سے فرمایا: اے لوگو! تم لوگ سود کھا رہے ہو، میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ سونے کو بعینہ اس کے مثل سونے سے بیچو، اس میں نہ زیادتی ہو اور نہ کوئی تاخیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا اے ابوالولید میری رائے کے مطابق سودی معاملہ تب ہوگا جب اس میں تاخیر ہوگی اس کے جواب میں عبادہ رضی اللہ عنہ نے کہا میں آپ کو حدیثِ رسول سنا رہا ہوں اور آپ اپنی رائے پیش کر رہے ہیں؟ اگر میں یہاں سے نکل گیا تو پھر اس زمین پر کبھی قدم نہیں رکھوں گا جہاں مجھے تمہاری امارت میں رہنا پڑے، جب جنگ ختم ہوگئی تو آپ مدینہ چلے آئے. انہیں مدینہ میں دیکھ کر عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا. آپ واپس کیوں چلے آئے؟ آپ نے خلیفہ کے روبرو پورا قصہ بیان کر دیا. عمر رضی اللہ عنہ نے آپ سے کہا کہ آپ واپس جائیں، اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ سرزمین مبغوض ہوگی جس میں آپ جیسے افراد نہ ہوں،

---

(۱) یہ حدیث مقدام بن معدیکرب سے مروی ہے. دیکھئے: ابوداؤد: ۲۰۰/۴، کتاب السنۃ، باب لزوم السنة، ترمذی: ۳۸/۵، کتاب العلم: باب ما نهى عنه أن يقال عند حديث النبي صلى الله عليه وسلم. دارمی: ۱۴۴/۱، باب السنة قاضية على كتاب الله، ابن ماجہ: ۶/۱، باب تعظيم حديث رسول الله صلى الله عليه وسلم والتغليظ على من عارضه.

(۲) ابوداؤد، ج: ۲، ص: ۹۴، كتاب الزكاة، باب ما تجب فيه الزكاة، خطیب نے کفایہ میں ص: ۴۸، باب تخصيص السنن لعموم محكم القرآن. اور ابن عبدالبر جامع البیان وفضلہ: ۱۹۱/۲، باب موضع السنه من الكتاب وبيانها له.

اور معاویہ رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ عبادہ پر تمہاری حکومت نہیں ہوگی نیز یہ کہ عام لوگوں کو بھی عبادہ کے قول کو اختیار کرنے کی تاکید کرو یہی حق ہے (۱).

معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے ترک سنت کو کبھی گوارا نہیں کیا اور نہ ہی سنت کے مقابلہ میں کسی کی رائے کو کوئی اہمیت دی خواہ صاحب رائے کی قدر و منزلت جو بھی ہو، صحابہ کے بعد یہی حال تابعین، اور ائمۂ کرام وعلماء دین کا تھا، سب اس بات پر متفق تھے کہ قرآن مجید کے بعد سنت ہی شریعت کا دوسرا مرجع ومصدر ہے اور یہ کہ ان دونوں کے ذریعہ ہی تکمیل دین ممکن ہے.

امام صدیق حسن خان الحسینی الأثری فرماتے ہیں (۲): ''یہ جان لو کہ شرعی علوم کی کلید اور سمعی دلیلوں کا چراغ، مناہج یقینیہ اور شریعت اسلامیہ کی بنیاد، تمام فقہی روایات کی سند، جملہ فنون دینیہ کا مأخذ، ہر طرح کے احکام اور تمام عقائد کا منبع وسرچشمہ اور جملہ عبادات ومعاملات کا مصدر ومفتاح، رسول اکرم ﷺ کی حدیث شریف ہے، جس سے جامع کلمات کا علم ہوتا ہے، جس سے حکمت کے چشمے پھوٹتے ہیں اور جس پر شریعت کی چکی گردش کرتی ہے جو کہ ہر امر ونہی کا مخزن ہے، اگر آج وہ نہیں ہوتی تو کہنے والا جو چاہتا کہتا اور لوگ اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارتے. جو شخص اس کے حصول کی کوشش میں ہے اور شعور وآگہی کے ساتھ اسے حاصل کرنے کے درپے ہے اس کے لئے خوشخبری ہے. اگر کوئی اسے حاصل کر لیتا ہے تو تمام علوم کی کنجی اس کے ہاتھ آجاتی ہے اور قریب وبعید کے تمام لوگ اس کے پاس پہنچتے ہیں. جو اس بحر بیکراں سے سیراب نہیں ہوا، اس سمندر میں غوطہ زن نہیں ہوا اور ہیرے جواہرات سے اپنے دامن مراد کو نہیں بھرا اور اس کے باوجود وہ خود کو احکام ومسائل بیان کرنے کا اہل قرار دیتا ہے تو وہ ظالم ہے اور بن جانے اللہ کے سلسلے میں بات کرنے والا ہے، سنت کا مقام بعد از قرآن ہے اور احکام کا مأخذِ ثانی ہے، اسلامی

---

(۱) دیکھئے: سنن ابن ماجہ، مقدمہ: ۱/ ۸، باب تعظیم حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والتغلیظ علی من عارضہ.

(۲) امام صدیق حسن خاں زین العابدین علی بن حسین بن علی بن ابی طالب کی نسل سے ہیں، ان کی ولادت ہندوستان کے معروف شہر بریلی میں نانا کے گھر ہوئی. اس کے بعد ان کی ماں انہیں ان کے آبائی وطن قنوج لے آئیں. چھ سال کی عمر ہی میں آپ کے والد کا انتقال ہوگیا. ماں نے آپ کی پرورش کی اور عفت وپاکدامنی کا سبق دیا.

آپ نے اپنے زمانہ کے بلند پایہ علماء سے تحصیل علم کیا جن میں امام محمد صدر الدین خاں مفتی دلی، شیخ محمد یعقوب مہاجر مکی، شیخ قاضی حسین بن محسن الانصاری اور شیخ عبدالحق بن فضل اللہ ہندی سرفہرست ہیں.

قرآن وسنت کی تعلیم کے حصول اور ان دونوں علوم کی تدوین وتالیف میں محنت ولگن سے کام لیا اس کے بعد درس وتدریس اور تصنیف وتالیف کی طرف متوجہ ہوئے اور معقولات ومنقولات میں بلندیوں کو چھونے کے ساتھ ساتھ ہر فن میں اپنی حیثیت کو ثابت کیا. ان کی تحقیق پر موافق ومخالف کا اتفاق ہو چلا ہے. آپ کی وفات ۱۳۰۷ھ میں ہوئی.

عقائد، تمام شرعی احکام، طریقہ حقہ کے تمام قواعد واصول اور کشفیات وعقلیات کی تمام تر قسموں کی معرفت رسول اللہ ﷺ کے بیان وتشریح پر ہی منحصر ہے"(۱).

علامہ شہاب احمد المنینی الدمشقی (۲) قول سدید میں فرماتے ہیں: "علم حدیث کی قدر ومنزلت انتہائی بلند، اس کا مقام ومرتبہ نہایت اونچا اور اس کا ذکر نہایت اعلیٰ وارفع ہے..... اسی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے کلام کی غرض وغایت اور اس کی آیتوں کا مقصود ومطلوب ظاہر ہوتا ہے، اسی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات اور اس کے ناموں کی خبر دینے والے کی سیرت کا علم ہوتا ہے اور عرب وعجم کی سب سے عظیم شخصیت کی فصاحت وبلاغت کے راز سے واقفیت حاصل کی جاتی ہے. اس سے محبت کرنے والے کو اللہ تعالیٰ اپنے انعام واکرام سے نوازتا ہے اور وہ مختصر مدت میں مقام عالی ومرتبت کمال کو پہنچ جاتا ہے. جو اس کے حوض سے سیراب ہوا یا اس کے باغ سے آسودہ ہوا، الفت ومحبت اس کے قدم چومتی ہے (۳).

امام نووی لکھتے ہیں (۴): "احادیث نبویہ یعنی ان کے متون، صحیح، حسن، ضعیف ومرسل، منقطع، معضل، مقلوب، مشہور، غریب، عزیز، اِفراد، معروف، شاذ، منکر، معلل، موضوع، مدرج، ناسخ، منسوخ، خاص، عام، مجمل، مبین، مختلف وغیرہ حدیث کی قسموں کا علم حاصل کرنا تمام علوم سے اہم وافضل ہے، اسی طرح اسانید کا علم بھی نہایت اہم ہے..... اس کی وجہ یہ ہے کہ ہماری شریعت کی بنیاد کتاب عزیز اور سنن نبویہ پر قائم ہے اور ان سنتوں پر فقہ کے بیشتر احکام کا دارومدار ہے، بہت سی آیتیں مجمل ہیں جن کا بیان سنتوں کے ذریعہ ہی ممکن ہے.

علماء کا اتفاق بھی ہے کہ عہدۂ قضا وافتاء کے حامل مجتہدین کے لئے احکام والی حدیثوں کی معرفت شرط اولین ہے (۵).

---

(۱) دیکھئے: الحطہ، ص: ۲۹

(۲) ان کا شجرۂ نسب احمد بن علی بن صالح بن احمد بن سلیمان الطرابلسی الدمشقی الحنفی شہاب الدین ہے، یہ عالم، محدث اور شاعر تھے. حدیث واصول فقہ ودیگر فنون میں ان کی بہت سی تصنیفات ہیں، ان کی پیدائش ۱۰۸۹ھ میں اور وفات ۱۱۷۲ھ میں ہوئی (معجم المؤلفین: ۲/۱۵).

(۳) قواعد التحدیث: ص/ ۴۴-۴۵.

(۴) یہ یحییٰ بن شرف بن مری ابوزکریا محی الدین النووی ہیں، فقہ وحدیث کے امام اور حافظ ومتقن تھے. بہت سے علوم پر دسترس حاصل تھا. زہد وتقویٰ میں اپنی مثال آپ تھے. امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی صفت سے متصف تھے. دنیا کی لذتوں سے کنارہ کش تھے حتی کہ آپ نے شادی بھی نہیں کی تھی (تذکرۃ الحفاظ: ۴/ ۱۱۵، طبقات الحفاظ، ص: ۵۱۳).

(۵) (۱) دیکھئے: مقدمہ صحیح مسلم، شرح النووی، ص: ۳-۴.

عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: علم تین ہی ہے. ان کے علاوہ جو ہے وہ زائد ہے. محکم آیتوں، ثابت سنتوں اور مبنی برعدل میراث کا علم [۱].

ان بیانات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ سنت نبویہ باتفاق علماء شریعت کا دوسرا ماٴخذ ہے اور مسلمانوں پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنے اختلافات اور مسائل ونزاعات میں سنت کو اپنا حکم بنائیں اور اس کی طرف سے جو فیصلہ صادر ہو اس کے سامنے سر تسلیم خم کردیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾ (پس آپ کے رب کی قسم، وہ لوگ مومن نہیں ہوسکتے جب تک آپ کو اپنے اختلافی امور میں اپنا فیصل نہ مان لیں، پھر آپ کے فیصلہ کے بارے میں اپنے دلوں میں کوئی تکلیف نہ محسوس کریں، اور پورے طور سے اسے تسلیم کرلیں) [۲].

شریعت اسلامی کی تشکیل میں سنت نبویہ کے مقام وکردار سے مومنوں کو آگاہ کرنے کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے پیارے نبی کو مخاطب کرکے فرمایا ہے: ﴿وَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ﴾ (اور آپ پر ہم نے قرآن نازل کیا ہے، تاکہ لوگوں کے لئے جو کچھ نازل کیا گیا ہے، اسے آپ ان کے لئے کھول کر بیان کردیجئے) [۳].

لہذا سنت کا وظیفہ یہ ہے کہ جب قرآن کریم کسی مسئلہ کی صراحت نہ کرے تو سنت نبوی اس سے متعلق شرعی حکم بیان کرے. جب قرآن تفسیر وتشریح بیان نہ کرے تو سنت اس ذمہ داری کو ادا کرے، اس لئے کہ شریعت اسلامیہ بیک وقت دو اصولوں پر قائم ہے قرآن کریم اور سنت نبوی، اور یہ آپ ﷺ کے اس قول کے موافق ہے: «ترکت فیکم أمرین لن تضلوا ما إن تمسکتم بهما کتاب اللہ وسنتی» [۴] (میں تمہارے لئے دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں، جب تک تم لوگ انہیں مضبوطی کے ساتھ تھامے رہوگے، گمراہ نہیں ہوگے، ایک اللہ کی کتاب، اور دوسری میری سنت).

---

(۱) ابوداؤد: ۳/۱۱۹، باب ماجاء فی تعلیم الفرائض، ابن ماجه المقدمه: ص: ۲۱، باب اجتناب الرأي والقیاس.

(۲) سورۃ النساء: آیت/ ۶۵.

(۳) سورۃ النحل: آیت/ ۴۴.

(۴) ابن عبدالبر نے جامع بیان العلم میں ذکر کیا ہے. ۲/ ۸۵، باب الحض علی لزوم السنة، امام مالک نے کتاب القدر میں نقل کیا ہے. باب النهي عن القول بالقدر بلاغًا، حاکم نے ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے، ۱/ ۹۳ میں اس لفظ کے ذریعہ روایت کیا ہے: «ترکت فیکم شیئین لن تضلوا بعدهما کتاب اللہ وسنتي ولن یتفرقا حتی یردا علی الحوض».

پہلا باب

حجیت سنت کا اثبات

اوراس میں تین فصلیں ہیں:

فصل اوّل: قرآن کریم سے حجیت سنت کی تائید وتوثیق

دوسری فصل: احادیث نبویہ سے حجیت سنت کی تائید وتوثیق

تیسری فصل: اجماع امت سے حجیت سنت کی تائید

فصل اوّل

قرآن کریم سے حجیت سنت کی تائید وتوثیق

قرآن کریم تمام شرعی دلائل کا مأخذ ومنبع ہے. اجماع وقیاس کی حجیت کے لئے بھی اسی سے استدلال کیا جاتا ہے، اور اسی نے سنت نبویہ کو شریعت اسلامیہ کا مصدر ثانی مقرر کیا ہے. مصدر شریعت اور متمم دین کی حیثیت سے قرآن مجید کے ساتھ سنت نبویہ کو قبول کرنے کی تاکید وتوثیق کے لئے قرآن مجید میں بے شمار قطعی دلائل موجود ہیں.

ان دلائل میں سے بعض رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کے وجوب کو ثابت کرتے ہیں. جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی سنت کو دستور حیات بنائے بغیر اور روزمرہ کے مسائل میں اس کو فیصل مانے بغیر آپ کی اطاعت کا کوئی معنی نہیں ہے. بعض دلائل وہ ہیں جو اس چیز کو اجاگر کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنے قول وفعل اور تقریر کے ذریعہ لوگوں کے لئے قرآن کریم کی تفسیر وتشریح کرتے ہیں. ان کے علاوہ نہ کسی دوسرے کا بیان مقبول ہوگا اور نہ ہی قرآن کریم کی کوئی ایسی تاویل مقبول ہوگی جو آپ کی تفسیر کے مخالف ہو.

معلوم ہوا کہ قرآن مجید کے ساتھ سنت نبویہ بھی شریعت کا ایک مصدر ہے، اور خود قرآن کی تصریح کے مطابق دین وشریعت کی تکمیل سنت کے بغیر ممکن نہیں ہے، اور جو بھی اس کے مخالف رائے رکھتا ہے وہ معاند وکافر ہے، اس کی بات مردود ہے، اور وہ درحقیقت دینِ اسلامی کی بلند وبالا پختہ عمارت کو منہدم کرنے کے درپے ہے.

اس مختصر بیان کے بعد اب میں اپنے اختیار کردہ طریقہ کے مطابق ان آیتوں کو پیش کرنے جارہا ہوں جو حجیت سنت کی روشن دلیلیں ہیں، اور جن سے معلوم ہوگا کہ قرآن کریم سنت کو شریعت اسلامیہ کے دوسرے مصدر کی حیثیت سے قبول کرنے کے لئے مسلمانوں پر کتنا زور دے رہا ہے.

(۱) رسولوں پر ایمان لانے کا حکم؛ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کے وجوب پر دلالت کرتا ہے:

(۱) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ ۖ وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَنُوْرُهُمْ ۭ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ﴾ (اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں، وہی اپنے رب کے نزدیک صدیق وشہید ہیں، انہیں اُن کا اجر اور نور ملے گا،

اور جو لوگ کفر کرتے ہیں، اور ہماری آیتوں کو جھٹلاتے ہیں، وہی جہنمی ہیں)[۱]۔

(ب) اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ۭ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَي الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِىْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۠ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ﴾ (اور اللہ مومنوں کو اس حال پر نہیں چھوڑنا چاہتا ہے جس پر تم لوگ ہو، یہاں تک کہ ناپاک کو پاک سے الگ کردے، اور نہ اللہ تمہیں غیب کی باتیں بتانا چاہتا ہے، لیکن اللہ اپنے رسولوں میں سے جسے چاہتا ہے چُن لیتا ہے، پس تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ، اور اگر تم ایمان لے آؤ گے اور تقویٰ کی راہ اختیار کرو گے تو تمہیں بڑا اجر ملے گا)[۲]۔

(ج) ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَي اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ۭ اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ ۚ اَلْقٰىهَآ اِلٰي مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ ۡ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ﴾ (اے اہلِ کتاب! اپنے دین میں غلو نہ کرو، اور اللہ کی شان میں حق بات کے علاوہ کچھ نہ کہو، مسیح عیسیٰ بن مریم صرف اللہ کے رسول تھے، اور اس کا کلمہ، جسے اس نے مریم کی طرف پہنچا دیا، اور اس کی طرف سے ایک روح، پس تم اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لے آؤ)[۳]۔

انبیاء کو ارسال کرنے اور وحی کو نازل کرنے میں یہ حکمت پنہاں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے جو خبر لائیں لوگ اس کی تصدیق کریں، ان کی ہدایات وارشادات کی پیروی کریں اور ان کے احکام اور منع کردہ باتوں میں ان کی اطاعت کریں۔ اور ظاہر ہے کہ یہ تمام چیزیں ان پر ایمان لائے اور ان کی بتائی ہوئی باتوں کی تصدیق کیے بغیر حاصل نہیں ہوسکتیں، چنانچہ یہ ضروری تھا کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان پر ایمان لانے کا حکم دیتا کیونکہ ایمان اطاعت کو لازم ہے۔ یوں تمام رسولوں پر ایمان لانے کے حکم میں رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانا بھی شامل ہے، کہ آپ بھی زمرۂ ''رسل'' میں داخل ہیں پس جس طرح تمام رسولوں کی اطاعت واجب ہے اسی طرح رسول اللہ ﷺ کی اطاعت بھی واجب ہوگی، کیوں کہ ایمان بالرسل کا یہی تقاضا ہے۔

---

(۱) سورۃ الحدید: آیت/۱۹۔

(۲) سورۃ آل عمران: آیت/۱۷۹۔

(۳) سورۃ النساء: آیت/۱۷۱۔

۲- ایمان باللہ کے حکم کے ساتھ ایمان بالرسل کا ذکر رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کے وجوب پر دلالت کرتا ہے.

(ا) ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ اِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰۤى اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوْا حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ﴾ (بے شک مومن وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں، اور جب ان کے ساتھ کسی اجتماعی کام میں ہوتے ہیں، تو جب تک ان سے اجازت نہیں لے لیتے چلے نہیں جاتے ہیں)[1].

(ب) ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَ الْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَ الْكِتٰبِ الَّذِيْۤ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ﴾ (اے ایمان والو! تم لوگ اللہ اور اس کے رسول پر، اور اس کتاب پر جو اس نے اپنے رسول پر اتاری ہے، اور ان کتابوں پر جو اس نے پہلے اتاری تھی ایمان لے آؤ)[2].

(ج) ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ كَلِمٰتِهٖ وَ اتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ﴾ (پس تم لوگ اللہ پر اور اس کے رسول نبی اُمی پر ایمان لے آؤ جو خود اللہ پر اور اس کے کلام پر ایمان رکھتے ہیں، اور ان کی اتباع کرو، تاکہ تم لوگ ہدایت یافتہ بن جاؤ)[3].

(د) نیز فرمایا ہے: ﴿فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَ النُّوْرِ الَّذِيْۤ اَنْزَلْنَا وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ﴾ (تم ایمان لاؤ اللہ پر، اور اس کے رسول پر، اور اس نور پر جسے ہم نے نازل کیا ہے، اور اللہ تمہارے اعمال سے پوری طرح باخبر ہے)[4].

امام شافعی رحمہ اللہ[5] فرماتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو بہت اعلیٰ مقام عطا کیا ہے انہیں اپنے دین کا علمبردار قرار دیا ہے اس طرح کہ ان کی اطاعت کو فرض اور ان کی نافرمانی کو حرام بتایا ہے. اور ان کی فضیلت

---

(۱) سورۃ النور: آیت/ ۶۲.

(۲) سورۃ النساء: آیت/ ۱۳۶ .

(۳) سورۃ الأعراف: آیت/ ۱۵۸.

(۴) سورۃ التغابن: آیت/ ۸.

(۵) یہ ابو عبد اللہ محمد بن ادریس بن عباس بن عثمان بن شافع ہاشمی قرشی مطلبی ہیں. دوسری صدی کے مجددین میں سے ایک عظیم مجدد ہیں. اہل سنت کے چار اماموں میں سے ایک ہیں. (۱۵۰-۲۰۴ھ) دیکھئے تاریخ بغداد: ۲/ ۵۶، تذکرۃ الحفاظ: ۱/ ۳۶۱، تہذیب التہذیب: ۹/ ص: ۲۵.

کے اظہار کے لئے اپنے ایمان کے ساتھ ان پر ایمان لانے کا ذکر کیا ہے"[۱].

امام موصوف آگے فرماتے ہیں: "اللہ تعالیٰ نے ایمان باللہ کے ساتھ ایمان بالرسل کو کمال ایمان سے تعبیر کیا ہے. اگر کوئی اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتا ہے اور رسول پر نہیں تو اس پر کمال ایمان کا اطلاق بالکل نہیں ہوسکتا. رسول اللہ ﷺ نے جس کسی کے ایمان کا امتحان لیا ہے تو اسی طرح لیا ہے".

امام شافعی فرماتے ہیں: مالک نے ہلال بن اسامہ سے انہوں نے عطا بن یسار سے انہوں نے عمر بن الحکم سے روایت کی ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک لونڈی کے ساتھ حاضر ہوا اور کہا اے اللہ کے رسول مجھے ایک گردن آزاد کرنا ہے کیا میں اس لونڈی کو آزاد کردوں؟ آپ نے اس جاریہ سے سوال کیا: اللہ کہاں ہے؟ اس نے جواب دیا: اللہ آسمان پر ہے. آپ نے دوسرا سوال کیا: میں کون ہوں؟ جاریہ نے جواب دیا: آپ اللہ کے رسول ہیں. اس کے بعد آپ نے اسے آزاد کرنے کی اجازت دے دی[۲].

امام موصوف مزید فرماتے ہیں: "اللہ تعالیٰ نے اپنی وحی اور سنن رسول کی اتباع کو فرض قرار دیا ہے"[۳] اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ ایمان باللہ کے ذکر کے ساتھ ایمان بالرسل کو ذکر کرنا اطاعت رسول کے وجوب کی صورتوں میں سے ایک صورت ہے.

۳- رسولوں کی اطاعت کو واجب قرار دینا رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کے واجب ہونے کی دلیل ہے:

(ا) اللہ کا ارشاد ہے: ﴿وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا مُبَشِّرِينَ وَمُنْذِرِينَ ۖ فَمَنْ آمَنَ وَأَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾ (اور ہم اپنے انبیاء ورسل صرف اس لئے بھیجتے ہیں تا کہ وہ انسانوں کو (جنت کی) خوشخبری دیں اور (جہنم) سے ڈرائیں، پس جو لوگ ایمان لائیں گے اور عمل صالح کریں گے انہیں نہ مستقبل کا کوئی خوف لاحق ہوگا اور نہ ماضی کا غم)[۴].

---

(۱) الرسالۃ: ص/۷۳، فقرہ/۲۳۶.

(۲) الرسالہ، ص: ۷۵، فقرہ: ۲۴۰، حدیث مذکور کو امام مالک نے مؤطا: ۲/۷۷۶، کتاب العتق، باب: ما یجوز من العتق، مسلم: ۱/۳۸۲، کتاب المساجد، باب تحریم الکلام فی الصلاۃ اور کتاب الطب، باب تحریم الکہانۃ، ابو داؤد: ۳/۲۳۰، کتاب الایمان، باب فی الرقبۃ المؤمنۃ اور نسائی نے ۳/۱۴، کتاب الصلاۃ، باب الکلام فی الصلاۃ میں روایت کیا ہے.

(۳) الرسالہ: ص/۷۶، فقرہ/۲۴۴.

(۴) سورۃ الأنعام: آیت/۴۸.

(ب) ارشاد باری تعالیٰ ہے:﴿وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذۡنِ اللّٰهِ﴾(اور ہم نے ہر رسول کو صرف اس لئے بھیجا تا کہ اللہ کی اجازت سے اس کی اطاعت کی جائے)(۱)۔

مذکورہ دونوں آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ رسولوں کو مبعوث کئے جانے کا مقصد ان کی اطاعت اور ان کے احکام کی بجا آوری ہے۔ اور جو ان کی اطاعت قبول نہیں کرتا اور ان کے حکم سے گریزاں رہتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا نافرمان ہے۔

اور ہمارے رسول بھی اللہ کے مبعوث کردہ ایک رسول ہیں چنانچہ تمام رسولوں کی طرح ان کی اطاعت بھی واجب ہے۔ بلکہ ان کی اطاعت شدت ولزوم میں سب سے بڑھ کر ہے، اس لئے کہ آپ کی شریعت عام اور آپ کی رسالت خاتمۂ رسالت ہے۔

یہ کہنا بالکل روا نہیں کہ نبی کریم ﷺ کی اطاعت قرآنی احکام تک ہی محدود ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:﴿وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ﴾ (اور ہم نے ہر رسول کو صرف اس لئے بھیجا ہے کہ ان کی اطاعت کی جائے)۔ اور کتنے ہی ایسے رسول ہیں جو بغیر کسی کتابِ متلو کے مبعوث کئے گئے، اگر ان کی اطاعت صرف کتاب تک ہی محدود ہوتی اور ان کے احکام کی اطاعت نہیں کی جاتی تو ان کی امتیں آخر کس چیز میں ان کی اطاعت کرتیں؟

۴- اللہ تبارک وتعالیٰ کی اطاعت کے ساتھ رسول کی اطاعت کا ذکر:

(أ) ارشاد باری تعالیٰ ہے:﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَاَطِيۡعُوا الرَّسُوۡلَ وَاُولِى الۡاَمۡرِ مِنۡكُمۡ‌ۚ فَاِنۡ تَنَازَعۡتُمۡ فِىۡ شَىۡءٍ فَرُدُّوۡهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوۡلِ اِنۡ كُنۡتُمۡ تُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ‌ؕ ذٰ لِكَ خَيۡرٌ وَّاَحۡسَنُ تَاۡوِيۡلًا﴾ (اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو، اور رسول کی اطاعت کرو، اور تم میں سے اقتدار والوں کی، پھر اگر کسی معاملہ میں تمہارا اختلاف ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹا دو اگر تم اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو، اسی میں بھلائی ہے اور انجام کے اعتبار سے یہی اچھا ہے)(۲)۔

(ب) ارشاد باری تعالیٰ ہے:﴿قُلۡ اَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوۡلَ‌ۚ فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الۡكٰفِرِيۡنَ﴾ (آپ کہہ دیجئے کہ اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کرو، اگر وہ منہ پھیر لیں تو اللہ کافروں سے محبت

(۱) سورۃ النساء: آیت/ ۶۴۔

(۲) سورۃ النساء: آیت: ۵۹/۔

نہیں رکھتا)(۱)۔

(ج) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:﴿وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾(اور اللہ اور رسول کی اطاعت کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے)(۲)۔

(د) آگے فرمایا ہے:﴿وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَ حَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا﴾(اور جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کریں گے، وہ (جنت میں) ان کے ساتھ ہوں گے، جن پر اللہ نے انعام کیا ہے، یعنی انبیاء اور صدیقین، اور شہداء، اور صالحین کے ساتھ، اور یہ لوگ بڑے اچھے ساتھی ہوں گے)(۳)۔

(ہ) اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:﴿وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا﴾(اور جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا، وہ یقیناً بڑی کامیابی سے سرفراز ہوگا)(۴)۔

(و) نیز فرمایا ہے:﴿وَ مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا﴾(اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا وہ کھلی ہوئی گمراہی میں مبتلا ہو جائے گا)(۵)۔

یہ قرآن کریم کی بعض وہ آیتیں ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کو بیان کیا گیا ہے، اِن کو میں نے بطور مثال پیش کیا ہے۔

قرآن کریم میں غور وفکر کے بعد علماء کرام اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جہاں کہیں اپنی اطاعت کا ذکر کیا ہے اس کے ساتھ رسول اللہ کی اطاعت کو بھی بیان کیا ہے. کہیں واؤ عطف کے ذریعہ اور کہیں واؤ عطف مع اعادت فعل کے ذریعہ اپنی اطاعت کے ساتھ اپنے رسول کی اطاعت کو ذکر فرمایا ہے. اسی طرح کتاب اللہ میں جہاں کہیں اللہ تعالیٰ کی معصیت سے لوگوں کو ڈرایا اور خوف دلایا گیا ہے وہاں رسول کی معصیت کا بھی بیان آیا ہے(۶)۔

(۱) سورۃ آل عمران: آیت/ ۳۲۔
(۲) سورۃ آل عمران: آیت/ ۱۳۲۔
(۳) سورۃ النساء: آیت/ ۶۹۔
(۴) سورۃ الاحزاب: آیت/ ۷۱۔
(۵) سورۃ الأحزاب، آیت: ۳۶۔
(۶) السنة ومكانتها في التشريع، عباس متولی حمادہ، ص: ۵۳۔

جن آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے عامل کو مکرر لائے بغیر اپنی اطاعت کے ساتھ رسول کی اطاعت کو ذکر کیا ہے وہاں جو عطف ہے وہ اطاعت میں مطلق اشتراک کا فائدہ دیتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا قول: ﴿اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ﴾ ﴿وَ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ﴾ ان دونوں آیتوں میں واؤ عطف اطاعت میں اشتراک کا فائدہ دیتا ہے یعنی جو درجہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا ہے وہی رسول کی اطاعت کا بھی ہے.

اللہ تعالیٰ نے امر اطاعت کے ساتھ اس کے مقابل ترکِ معصیت کے حکم کو بھی بیان فرمادیا ہے، اس لئے کہ دلالت نص دلالت مفہوم سے زیادہ قوی ہوتی ہے، اس سے اللہ کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کی عظمت شان کا اندازہ ہوتا ہے جس نے اپنی اطاعت اور ترکِ معصیت دونوں کے اندر اپنے ساتھ اپنے رسول کو بھی شامل رکھا ہے.

اطاعت رسول کے وجوب کو ثابت کرنے کے لئے بس اتنا ہی کافی تھا کہ واؤ عطف کے ذریعہ اطاعت میں مطلق اشتراک کو بیان کردیا جاتا، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی اطاعت کے لزوم وتاکید لئے دوسری آیات میں عامل ﴿اَطِیْعُوا﴾ کو مکرر بیان فرمایا ہے. اور تمام مفسرین واہل لغت کا اتفاق ہے کہ عامل کو مکرر لانے کا مقصد رسول اللہ ﷺ کی مکمل اطاعت پر زور دینا اور قاریٔ قرآن کے ذہن وقلب میں یہ بات بیٹھانا ہے کہ ہر امر میں آپ کی اطاعت واجب ہے خواہ وہ قرآن ہو یا غیر قرآن. اور اللہ کی اطاعت قرآن کی طرف رجوع کرنا ہے اور رسول کی اطاعت ان کی سنت کی طرف رجوع کرنا ہے.

امام شاطبی (۱) فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ احْذَرُوْا﴾ (اور اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور (نافرمانی) سے بچو) (۲) اور جہاں کہیں بھی رسول کی اطاعت کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے منسلک کیا گیا ہے وہاں اللہ کی اطاعت سے مراد قرآنِ کریم میں وارد اوامر ونواہی کی اتباع ہے اور رسول کی اطاعت سے مراد ان احکام وفرامین میں آپ کی اتباع کرنا ہے جو قرآنِ کریم میں مذکور نہیں ہیں، اگر وہ قرآن میں ہوتے تو اللہ کی اطاعت کہا جاتا (۳).

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ

---

(۱) یہ ابو اسحاق ابراہیم بن موسیٰ الغرناطی ہیں. (۰۰-۷۹۰ھ) یہ بیک وقت محدث، فقیہ اصولی نصوص اور مفسر تھے. ائمہ مالکیہ میں سے ایک نامور امام تھے. ان کی مولفات میں الموافقات اور الاعتصام کو زیادہ ہی شہرت حاصل ہے. امام موصوف فن تصنیف وتالیف کے مجدد مانے جاتے ہیں، کیونکہ انہوں نے اپنی مولفات میں ایسے مباحث کو موضوع کلام بنایا ہے جن پر لوگوں نے کلام کرنے سے گریز کیا تھا.

(۲) سورۃ المائدہ: آیت ۹۲.

(۳) الموافقات: ۴/۱۰.

مِنْكُمْ﴾ (اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو، اور رسول کی اطاعت کرو، اور تم میں سے اقتدار والوں کی) اس آیتِ کریمہ کے اندر اس بات کی کئی دلیلیں ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے واؤ عطف کے ذریعہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کو ہر امر ونہی میں خواہ وہ قرآن کا بیان ہو یا کچھ اور ہو لازم ٹھہرایا ہے۔ کیوں کہ اس آیت میں عامل کا تکرار ہے اور اللہ کی اطاعت کے ساتھ رسول کی مستقل اطاعت کا ذکر ہے، جبکہ رسول پر اولی الأمر کو عطف کرتے ہوئے عامل کو حذف کردیا گیا جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ولی الأمر کی اطاعت اس شرط سے مشروط ہے کہ وہ امر رسول کے موافق ہو۔

اختلاف کی صورت میں اللہ اور اس کے رسول کی طرف رجوع کرنے کے وجوب کی صراحت کرتے ہوئے امام شافعی فرماتے ہیں: تم اللہ اور رسول کے قول کی طرف رجوع کرو اگر اس سے واقف ہو، اور اگر واقف نہیں ہو تو جب رسول کی خدمت میں حاضر ہو تو ان سے دریافت کرو، یا اگر تمہارے ساتھیوں میں سے کوئی رسول کی خدمت میں حاضر ہو تو اس کے ذریعہ معلوم کرو کیونکہ یہی فرض ہے، اس میں قیل وقال کی گنجائش نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّ لَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ﴾ (اور جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملے میں فیصلہ کردے، تو کسی مسلمان مرد اور عورت کے لئے اس بارے میں کوئی اور فیصلہ قبول کرنے کا اختیار باقی نہیں رہتا) (سورۃ الأحزاب آیت/۳۶) اور اگر رسول کی وفات کے بعد اختلاف رونما ہو تو اس اختلاف کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے فیصلوں کے مطابق حل کرو[۱]۔

امام شاطبی نے آیتِ مذکورہ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کا مطلب اس کی کتاب کی طرف رجوع کرنا ہے اور رسول کی طرف رجوع کرنے کا مطلب آپ کی وفات کے بعد آپ کی سنت کی طرف رجوع کرنا ہے[۲]۔

حافظ ابن حجر[۳] فتح الباری میں لکھتے ہیں: ''ولی امر کے بجائے رسول کے ذکر کے ساتھ عامل کے اعادہ سے یہ بتانا مقصود ہے کہ درحقیقت اصل مطاع اللہ تعالیٰ ہے، جس سے احکام تکلیفیہ (شرعی احکام) صادر ہوتے ہیں، اور وہ قرآن وسنت دونوں ہیں، چنانچہ آیت کی تقدیر یوں ہے (اللہ تعالیٰ نے قرآن میں جو حکم دیا ہے اس میں اس کی اطاعت کرو اور رسول نے قرآن کے متعلق جو بتایا ہے اور سنت میں جو حکم دیا ہے اس میں ان کی اطاعت کرو۔

(۱) الرسالہ، ص: ۸۰، فقرہ: ۲۶۴۔

(۲) الموافقات: ۴/ ۱۰۔

(۳) یہ احمد بن علی بن محمد الکنانی العسقلانی، ابو الفضل، شہاب الدین بن حجر ہیں۔ (۷۷۳-۸۵۲ھ) علم وتاریخ کے بہت بڑے امام ہیں، اور اپنے عصر کے حافظ اسلام تھے صحیح بخاری کی مایۂ ناز شرح فتح الباری کے مصنف بھی ہیں۔

دوسرے لفظ میں اللہ نے وحی متلو کے ذریعہ جو احکامات صادر کئے ہیں ان میں اللہ کی اطاعت کرو، اور قرآن کے علاوہ وحی غیر متلو میں رسول کی اطاعت کرو(۱)۔

امام طبری(۲) لکھتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ کے قول ﴿اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ﴾ کے معنی میں مفسرین کا اختلاف ہے. بعض کا کہنا ہے کہ اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اتباع سنت کا حکم دیا ہے، اور کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی زندگی میں آپ کی اطاعت کرنے کا حکم دیا ہے، مگر صحیح بات یہ ہے کہ یہ الٰہی حکم آپ کی زندگی میں آپ کے احکام و فرامین کی اطاعت اور آپ کی وفات کے بعد آپ کی سنت کی پیروی کے لئے ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی اطاعت کے حکم کو عام رکھا ہے، کسی ایک حالت کے ساتھ خاص نہیں کیا ہے، چنانچہ یہ حکم الٰہی اس وقت تک اپنے عموم پر باقی رہے گا جب تک تخصیص کی کوئی قابل قبول صورت نہ ظاہر ہو(۳)۔

خلاصہ یہ کہ سورۃ النساء کی آیت میں اطاعت رسول کے عموم پر زور دیا گیا ہے، اور آپ کے تمام فرمودات میں آپ کی اطاعت کو واجب قرار دیا گیا ہے، نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ ان تمام آیتوں کے اختتام پر (جن میں اطاعتِ رسول کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے) اطاعت کے اجر و ثواب اور حسن جزاء اور معصیت پر وعید کا بیان آیا ہے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ صیغۂ (اطیعوا) میں وارد امر وجوب کے لئے ہے، کیونکہ ترغیب و ترہیب کی شکل میں ایسے قرینے موجود ہیں جن کی بنا پر ندب کا کوئی احتمال باقی نہیں رہتا۔

۵۔ رسول اللہ ﷺ کی مستقل اطاعت کا حکم:

(۱) ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَكِّمُوْكَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَیُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا﴾ (پس آپ کے رب کی قسم، وہ لوگ مومن نہیں ہو سکتے جب تک آپ کو اپنے اختلافی امور میں اپنا فیصل نہ مان لیں، پھر آپ کے فیصلہ کے بارے میں اپنے دلوں میں کوئی تکلیف نہ محسوس کریں، اور پورے طور سے اسے تسلیم کر لیں)(۴)۔

---

(۱) مقدمہ تحفۃ الأحوذی، ص: ۲۲.

(۲) یہ محمد بن جریر بن یزید بن خالد الطبری ہیں. (۲۲۴-۳۱۰ھ) امام موصوف بے شمار فنون کے امام اور اپنے نقل میں نہایت ثقہ تھے. ان کی تاریخ کو اصح التواریخ کہا جاتا ہے. ابن الاثیر کا قول ہے: وہ ناقلین تاریخ میں سب سے زیادہ ثقہ تھے. احکام دین میں کسی کی تقلید نہیں کرتے تھے، بلکہ اجتہاد کرتے تھے.

(۳) تفسیر الطبری: ۴/ ۱۴۷.

(۴) سورۃ النساء: آیت/ ۶۵.

(ب) ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ (پس جو لوگ رسول اللہ کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں، انہیں ڈرنا چاہیے کہ ان پر کوئی بلا نہ نازل ہو جائے، یا کوئی دردناک عذاب نہ انہیں آ گھیرے)[۱]۔

(ج) ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰٓى اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوْا حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ﴾ (بے شک مومن وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں، اور جب ان کے ساتھ کسی اجتماعی کام میں ہوتے ہیں تو جب تک ان سے اجازت نہیں لے لیتے چلے نہیں جاتے ہیں)[۲]۔

(د) نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ﴾ (اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا)[۳]۔

(ھ) نیز فرمایا ہے: ﴿وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾ (اور تم لوگ نماز قائم کرو اور زکاۃ ادا کرو، اور رسول کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے)[۴]۔

(و) ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ﴾ (پس تم لوگ اللہ پر اور اس کے رسول نبی اُمی پر ایمان لے آؤ جو خود اللہ اور اس کے کلام پر ایمان رکھتے ہیں، اور اُن کی اتباع کرو، تاکہ تم لوگ ہدایت یافتہ بن جاؤ)[۵]۔

(ز) ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا﴾ (جس نے رسول کی اطاعت کی اُس نے اللہ کی اطاعت کی، اور جس نے روگردانی کی تو ہم نے آپ کو ان کا پہرہ دار بنا کر نہیں بھیجا ہے)[۶]۔

(ح) ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۗ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾ (اور رسول تمہیں جو دیں اسے لے لو، اور جس چیز سے وہ تم کو روک دیں اُس سے

---

(۱) سورۃ النور، آیت: ۶۳۔
(۲) سورۃ النور، آیت: ۶۲۔
(۳) سورۃ آل عمران: آیت/۳۱۔
(۴) سورۃ النور، آیت: ۵۶۔
(۵) سورۃ الأعراف: آیت/۱۵۸۔
(۶) سورۃ النساء: آیت/۸۰۔

رک جاؤ، اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے)[1].

مذکورہ بالا آیتیں رسول اللہ ﷺ کی اطاعت پر قطعیت کے ساتھ دلالت کرتی ہیں. یہ تمام کی تمام آپ کی اطاعت واتباع اور آپ کے احکام وفرامین کے سامنے سر تسلیم خم کردینے کے وجوب کے لئے نص صریح ہیں.

ان آیتوں میں اسی بات کو مختلف انداز سے بیان کیا گیا ہے. بشارت وخوشخبری اور ترغیب کے مختلف طریقے استعمال ہوئے ہیں اور اطاعت رسول واتباع حکم رسول پر لوگوں کو آمادہ کرنے کے لئے متعدد اسالیب اختیار کئے گئے ہیں، آپ کے احکام کی مخالفت اور اوامر سے بغاوت کرنے کی صورت میں تہدید ووعید اور انذار وتخویف کے لئے بھی مختلف الألفاظ تعبیرات کو اختیار کیا گیا ہے.

حکمِ رسول کی مخالفت پر مختلف انداز واسلوب میں وعید کا بیان اس لئے ہوا ہے تاکہ مخالف کے ذہن میں تہدید کی تمام ممکن صورتیں موجود رہیں. اسی طرح بشارت کے لئے بھی مختلف الفاظ وتعبیرات استعمال میں لائے گئے ہیں تاکہ ہر اطاعت گزار اپنی پسند سے جس مقام کو حاصل کرنا چاہے حاصل کرے.

ان کے علاوہ ان آیتوں میں کچھ دیگر احکام وآداب جیسے رسول کی مجلس سے لوٹنے کے آداب وغیرہ کا تذکرہ بھی ہے. آپ کی اجازت کے بغیر آپ کی مجلس سے اٹھنا جائز نہیں ہے، کیونکہ رسول چاہتے ہیں کہ لوگ ان سے رشد وہدایت حاصل کریں، تاکہ ان کے بعد دین کی نشر واشاعت کی ذمہ داری ادا کرنے کے اہل ہوسکیں. اور آپ کی تربیت وصحبت میں رہ کر خلافت وقیادت سنبھالنے کے قابل ہوسکیں. چنانچہ ضروری ہے کہ لوگ آپ کی مجلس میں بیٹھے رہیں، بلا اجازت مجلس سے باہر نہ جائیں، جانے سے پہلے اجازت لے لیں تاکہ ان کی حالت سے آپ باخبر رہ سکیں.

اس بیان کے بعد ایک سوال بار بار ذہن کے پردے پر اُبھر رہا ہے، وہ یہ کہ اللہ کی جانب سے اس قدر اہتمام اور انتظام کی آخر وجہ کیا ہے؟

اس کا جواب وہی ہے جو قرآن کریم میں موجود ہے یعنی اس قدر اہتمام وانتظام کا مقصد یہ باور کرانا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے تمام فرمودات میں ان کی اطاعت کی جائے خواہ وہ بیان قرآن سے متعلق ہو یا نہ ہو، اگر یہ بات نہیں ہوتی تو قرآن کو یوں کہنا چاہئے تھا کہ رسول ہمارے کلام سے متعلق جو کہیں ان میں ان کی اطاعت کرو، یا «فلیحذر الذین یخالفون عن قرآننا» ''جو ہمارے قرآن کے دشمن ہیں وہ اپنے انجام سے ڈریں'' یا «من

---

(۱) سورۃ الحشر: آیت/۷.

يطع كتابنا» ''جو ہماری کتاب کی اطاعت کرے'' وغیرہ. مگر اللہ تعالیٰ نے ایسا کچھ نہیں کہا، اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کا ایسا ارادہ ہے بلکہ وہ اپنی کتاب میں رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کے عموم کو بیان کرنا چاہتا ہے کہ لوگ ہر بات میں ان کی اطاعت کریں.

پہلی آیت: ﴿فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ﴾ کی تفسیر میں حافظ ابن کثیر (۱) لکھتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ اپنے عظیم ومقدس نفس کی قسم کھا کر کہتا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک وہ اپنے تمام معاملات میں رسول کو حَکَم نہ بنائے. آپ جو فیصلہ دیں وہ حق ہے اور اسے ظاہراً و باطناً تسلیم کرنا واجب ہے. چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَ يُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾ یعنی جب آپ کو اپنا حکم بنائیں تو دل سے آپ کے حکم کو تسلیم کریں، آپ کے فیصلے کے بعد اپنے دل میں تنگی محسوس نہ کریں، بلکہ بلا جھجک و بلا تردد، و بلا چوں چرا ظاہری و باطنی طور سے تسلیم کریں (۲).

ایک لمبی حدیث میں جسے امام بخاری نے جابر بن عبداللہ سے روایت کی ہے، آیا ہے کہ «الداعي محمد، فمن أطاع محمداً فقد أطاع الله، ومن عصى محمداً فقد عصى الله، ومحمد فَرَّق بين الناس» ''داعی محمد ﷺ ہیں، جس نے آپ کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی، جس نے محمد کی نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی، اور محمد ﷺ لوگوں کے درمیان فرق کرنے والے ہیں''(۳).

ابوموسیٰ اشعری نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کی ہے، آپ ﷺ فرماتے ہیں: «إنما مثلي ومثل ما بعثني الله به كمثل رجل أتى قوماً فقال: يا قوم إني رأيت الجيش بعيني وإني أنا النذير العريان، فالنجاء، فأطاعه طائفة من قومه، فأدلجوا، فانطلقوا على مهلهم، فنجوا، وكذبت طائفة منهم فأصبحوا مكانهم، فصبحهم الجيش فأهلكهم واجتاحهم، فذلك مثل من أطاعني فاتبع ما جئت به، ومثل من عصاني وكذب بما جئت به من الحق» ''میری مثال اور میں جس کے ساتھ مبعوث کیا گیا ہوں اس کی مثال اس شخص کی طرح ہے جو کسی قوم کے پاس آکر کہتا ہے، اے لوگو! میں نے ایک لشکر دیکھا ہے جو تم پر حملہ آور ہونے والا ہے تم لوگ

---

(۱) یہ اسماعیل بن عمر بن کثیر بن ضوَ بن درع القرشی الدمشقی، ابوالفداء عماد الدین ہیں. (۷۰۱-۷۷۴ھ) حافظ مورخ اور فقیہ تھے. ان کی زندگی میں ہی ان کی تصانیف کو قبولِ عام حاصل ہوگیا تھا. ان کی تصنیفات میں البدایہ والنہایہ، طبقات الشافعیہ، تفسیر القرآن الکریم اور اختصار علوم الحدیث قابل ذکر ہیں.

(۲) تفسیر ابن کثیر: ۱/ ۱۲۰.

(۳) صحیح بخاری: ۸/ ۱۳۹، كتاب الاعتصام، باب الاقتداء بسنن رسول الله صلى الله عليه وسلم.

اپنے آپ کو بچاؤ، کچھ لوگوں نے اس کی بات مان لی اور وہاں سے راتوں رات نکل گئے جس کی وجہ سے محفوظ رہے، کچھ لوگوں نے اسے جھٹلا دیا، اور وہیں رُکے رہے حتی کہ علی الصبح اس لشکر نے انہیں آدبوچا اور نیست و نابود کر دیا، یہی مثال میری اطاعت کرنے والوں، میرے لائے ہوئے احکام کی اتباع کرنے والوں، اور میری نافرمانی کرنے والوں، اور میں جس حق کو لایا ہوں اسے جھٹلانے والوں کی ہے''(۱).

دوسری آیت: ﴿ فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖ ...... ﴾ میں اللہ تعالیٰ نے احکامِ رسول کی مخالفت کرنے والوں کو ان کے انجام سے ڈرایا ہے، امام شاطبی فرماتے ہیں: ''حکم رسول کی مخالفت کو خروج از ایمان شمار کیا گیا ہے، گویا قرآن کریم نے سنت کے اخذ واعتبار کی شہادت دی ہے، امام موصوف نے یہ بھی کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو کچھ خاص چیزیں دی گئیں ہیں جن میں ان کی اطاعت ضروری ہے''(۲).

تیسری آیت کے سلسلے میں ابن القیم فرماتے ہیں: ''جب اللہ تعالیٰ نے آپ کی اجازت کے بعد مجلس سے نکلنے کو لازمِ ایمان قرار دیا ہے تو کسی کے قول یا کسی فقہی وعلمی مذہب کی طرف آپ کی اجازت کے بعد جانا بدرجۂ اولی لازم ایمان قرار پائے گا. اور آپ کی اجازت کا علم آپ کے احکام ہی سے حاصل ہو سکتا ہے''(۳).

چوتھی آیت: ﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ...... ﴾ کے بارے میں امام مبارکپوری(۴) فرماتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں تمام مدعیانِ محبتِ رسول ﷺ کو ان کی اتباع کا حکم دیا ہے اور آپ کے تمام اقوال وافعال اور جملہ حالتوں اور ہدایتوں کی پیروی کیے بغیر آپ کی اتباع کا کوئی معنیٰ نہیں ہے، اور آپ کی انہی باتوں، کارناموں اور ہدایتوں کے مجموعہ کو احادیث نبویہ سے تعبیر کیا جاتا ہے.

پس معلوم ہوا کہ جو شخص احادیث نبویہ کی پیروی نہیں کرتا، اس پر عمل کو ضروری نہیں مانتا وہ اللہ تعالیٰ سے محبت کے اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہے. اور جو اس دعویٰ میں جھوٹا ہے وہ بلا شک وشبہ ایمان کے دعویٰ میں بھی جھوٹا ہے(۵).

(۱) صحیح بخاری: ۸/ ۱۴۰، کتاب الاعتصام، باب الاقتداء بسنن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ۷/ ۱۶۰ کتاب الرقاق باب الانتهاء عن المعاصی، مسلم، حدیث: ۲۲۸۳، کتاب الفضائل، باب شفقته صلی اللہ علیہ وسلم علی أمته.

(۲) الموافقات: ۴/ ۱۰.

(۳) أعلام الموقعین: ۱/ ۵۸.

(۴) ابو العلی عبد الرحمٰن بن حافظ عبد الرحیم. (۱۲۸۳-۱۳۵۳ھ) اس زمانے کے شہرۂ آفاق اکابر محدثین میں سے ہیں. سید نذیر حسین محدث دہلوی سے ایک زمانے تک وابستہ رہے. اور اس وقت کے محدث حسین بن محسن الیمانی سے بھی فیضاب ہوئے. ان کی بیس سے زائد تصنیفات ہیں جن میں سے شہرت کی حامل تحفة الأحوذی، أبکار المنن فی تنقید آثار السنن اور اردو میں تحقیق الکلام فی وجوب القراءة خلف الامام ہیں.

(۵) مقدمہ تحفة الأحوذی: ص/ ۲۱.

پانچویں آیت: ﴿وَ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ ...﴾ میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی تابعداری اور مستقل اطاعت کا ذکر کیا ہے اور اس کو اللہ تعالیٰ کی رحمت کا سبب بتایا ہے، نیز اس میں اطاعتِ رسول پر بشارت وخوشخبری دی گئی ہے، اور اطاعت کو عام رکھا گیا ہے نہ اس کی تحدید کی گئی ہے اور نہ ہی اسے خاص کیا گیا ہے، چنانچہ وہ اپنے اس عموم پر باقی ہے کہ آپ سے صادر ہر قول وفعل میں خواہ قرآن ہو یا سنت آپ کی اطاعت واجب ہے.

چھٹی آیت: ﴿فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ الَّذِیْ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ كَلِمٰتِهٖ ......﴾ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے رسول کی ان صفتوں کا تذکرہ کیا ہے جن کا امرِ اطاعت سے گہرا تعلق ہے. اللہ تعالیٰ نے آپ کو امّی وغیرہ صفتوں سے متصف کیا ہے جو اس یقین کو بڑھاتی کرتی ہیں کہ آپ سے جو کچھ صادر ہوئے ہیں ان کا سرچشمہ وحی ہے، لہٰذا تمام باتوں میں آپ کی اطاعت واجب ہے. اخیر میں اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو ایک عظیم وعدہ کے ساتھ ختم کیا ہے. فرمایا ہے: ﴿لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ﴾ (تا کہ تم ہدایت پاؤ).

ساتویں آیت: ﴿مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ﴾ کے متعلق عبدالرحمٰن مبارکپوری[1] فرماتے ہیں: ''اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت من وعن اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے، نیز اس میں رسول اللہ ﷺ کی رفعتِ شان اور علوِ مرتبت کی خبر ہے جس کا نہ تو اندازہ لگایا جاسکتا ہے اور نہ ہی اسے بیان کیا جاسکتا ہے. اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس چیز کا حکم دیتے ہیں جس کا حکم اللہ نے دیا ہے اور اس کام سے منع کرتے ہیں جس سے اللہ نے منع کیا ہے. اور اگر رسول اللہ ﷺ کا بیان نہیں ہوتا تو ہم کتاب اللہ کے ذریعہ حج، نماز، زکاۃ اور روزہ جیسے فرائض کو بھی نہیں سمجھ پاتے کہ کس طرح ان کی ادائیگی کریں' حسن کا قول ہے: ''اللہ تعالیٰ نے رسول کی اطاعت کو اپنی اطاعت کہا ہے، اسی سے مسلمانوں پر حجت قائم ہو جاتی ہے، اسے صاحب فتح البیان نے ذکر کیا ہے''[2] انتہی.

اور حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے اور رسول محمد ﷺ کے متعلق خبر دی ہے کہ جس نے ان کی اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اور جس نے ان کی نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی، اس لئے کہ آپ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے جو کچھ فرماتے ہیں وہ وحی ہوا کرتی ہے''[3].

اس میں حدیث پر عمل کرنے کی طرف بھی اشارہ ہے، کیونکہ آپ کے قول وفعل کی اتباع کے بغیر آپ کی

(۱) مقدمہ تحفۃ الأحوذی، ص: ۲۱.
(۲) فتح البیان فی مقاصد القرآن للامام صدیق حسن خاں رحمہ اللہ.
(۳) تفسیر ابن کثیر، ج۱، ص: ۵۲۸.

اطاعت نہیں ہو سکتی۔اور آپ کے قول وفعل کی اتباع آپ کی سنت کی پیروی اور آپ کی حدیث کے التزام کے بعد ہی ممکن ہے، معلوم ہوا کہ قرآن کریم اتباع سنت کی دعوت دیتا ہے اور سنت اتباع قرآن کی دعوت دیتی ہے۔

آٹھویں آیت: ﴿وَ مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۗ وَ مَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾ کے سلسلے میں عبدالرحمٰن مبارکپوری فرماتے ہیں: صحیح یہ ہے کہ یہ آیت رسول اللہ ﷺ کے قول وفعل اور امر ونہی غرضیکہ ان تمام چیزوں کے لئے عام ہے جسے لے کر آپ آئے ہیں اگر چہ اس کا سبب نزول خاص ہے، مگر اعتبار عام لفظ کا کیا جائے گا خاص سبب کا نہیں، اور جو بھی شرعی حکم ہم تک پہنچا ہے اسے پہلے رسول کو دیا گیا اور انہوں نے اسے ہم تک پہنچایا۔

آپ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے ہمیں جو کچھ دیا ہے یا ہم تک پہنچایا ہے خواہ اس کا تعلق اوامر ونواہی سے ہو یا کسی اور سے وہ کتاب اللہ میں مذکور ہو یا سنت رسول اللہ میں بہر صورت اس کی اتباع اور بجا آوری کے وجوب پر یہ آیت نص صریح ہے۔اسی طرح ان تمام منکرات وممنوعات سے اجتناب ضروری ہے جن سے نبی کریم ﷺ نے منع فرمایا ہے۔

نیز رسول اللہ ﷺ نے اپنی طرف سے جن دینی احکام کا مکلف بنایا ہے ان کی حیثیت بھی اللہ تعالیٰ کے وحی کی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَ مَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۞ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰى﴾ (اور وہ اپنی خواہش سے کچھ نہیں کہتے، وہ تو وحی ہوتی ہے جو اُن پر اُتاری جاتی ہے)[1]۔

ابن عبدالبر[2] اسحاق سے اور وہ عبدالرحمٰن بن یزید سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے ایک محرم کو سلے ہوئے کپڑے میں دیکھا تو اس کو منع کیا۔اس نے کہا کتاب اللہ کی کوئی آیت پیش کرو ابھی کپڑے اتار دیتا ہوں۔اس کے جواب میں عبدالرحمٰن بن یزید نے یہ آیت پڑھی: ﴿وَ مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۗ وَ مَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾ (اور رسول تمہیں جو دیں اسے لے لو، اور جس چیز سے وہ تم کو روک دیں اُس سے رک جاؤ)[3]۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس بحث کو امام شافعی کے اس قول پر ختم کریں جس کو انہوں نے اپنی کتاب ''رسالہ'' میں "باب ما أمر الله من طاعة رسول الله" کے تحت لکھا ہے، فرماتے ہیں:[4] اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَكَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰهَ ؕ یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ ۚ فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا یَنْكُثُ عَلٰى

(۱) مقدمہ تحفۃ الأحوذی، ص:۲۱۔

(۲) یہ یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر القرطبی ہیں (۳۶۸-۴۶۳ھ) مایہ ناز حفاظ حدیث میں سے ایک ہیں۔انہیں ''حافظِ مغرب'' کہا جاتا ہے، ابوالولید الباجی کا قول ہے: فنِ حدیث میں اندلس کا کوئی عالم ان کا ہمسر نہیں۔

(۳) جامع بیان العلم وفضلہ: ۲/۱۸۹، باب موضع السنة من الكتاب وبيانها له.

(۴) الرسالہ: ص/۸۲-۸۵، فقرات/۲۶۹-۲۸۱۔

نَفۡسِهٖ ۚ وَ مَنۡ اَوۡفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيۡهُ اللّٰهَ فَسَيُؤۡتِيۡهِ اَجۡرًا عَظِيۡمًا﴾ (بے شک جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں، وہ درحقیقت اللہ سے بیعت کرتے ہیں، اللہ کا ہاتھ اُن کے ہاتھوں کے اوپر ہے، پس جو شخص بدعہدی کرے گا، تو اُس بدعہدی کا بُرا انجام اُسی کو ملے گا، اور جو شخص اُس عہد پر قائم رہے گا جو اُس نے اللہ سے کیا تھا، تو اللہ اُسے اس کا اجر عظیم عطا فرمائے گا)(۱).

نیز ارشاد باری ہے: ﴿مَنۡ يُّطِعِ الرَّسُوۡلَ فَقَدۡ اَطَاعَ اللّٰهَ﴾ (جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی)(۲).

اللہ تعالیٰ نے ان دونوں آیتوں میں لوگوں کو یہ بتایا ہے کہ رسول ﷺ سے ان کا بیعت کرنا اللہ سے بیعت کرنے کی طرح ہے، اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے.

نیز ارشاد باری ہے ﴿فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوۡكَ فِيۡمَا شَجَرَ بَيۡنَهُمۡ ثُمَّ لَا يَجِدُوۡا فِىۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيۡتَ وَ يُسَلِّمُوۡا تَسۡلِيۡمًا﴾ (پس آپ کے رب کی قسم، وہ لوگ مومن نہیں ہو سکتے جب تک آپ کو اپنے اختلافی امور میں اپنا فیصل نہ مان لیں، پھر آپ کے فیصلہ کے بارے میں اپنے دلوں میں کوئی تکلیف نہ محسوس کریں، اور پورے طور سے اسے تسلیم کرلیں)(۳).

ہمارے علم کے مطابق یہ آیت اس شخص کے بارے میں نازل ہوئی تھی جس کا زبیر بن عوام کے ساتھ زمین کے مسئلے میں اختلاف پیدا ہو گیا تھا. اور رسول اللہ ﷺ نے زبیر کے حق میں فیصلہ دیا تھا. آپ کا یہ فیصلہ آپ کی سنت ہے، کوئی قرآن کا بیان کردہ حکم نہیں، خود قرآن - واللہ اعلم -. میرے اس بیان کے حق میں ہے. کیونکہ اگر یہ قرآنی فیصلہ ہوتا تو یہ قرآن کا منصوص حکم ہوتا اور اس صورت میں یہ کہنا زیادہ مناسب ہوتا کہ وہ قرآن کے اس منصوص حکم کو تسلیم نہ کرنے کی وجہ سے مومن نہیں ہیں.

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿لَا تَجۡعَلُوۡا دُعَآءَ الرَّسُوۡلِ بَيۡنَكُمۡ كَدُعَآءِ بَعۡضِكُمۡ بَعۡضًا ؕ قَدۡ يَعۡلَمُ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ يَتَسَلَّلُوۡنَ مِنۡكُمۡ لِوَاذًا ۚ فَلۡيَحۡذَرِ الَّذِيۡنَ يُخَالِفُوۡنَ عَنۡ اَمۡرِهٖۤ اَنۡ تُصِيۡبَهُمۡ فِتۡنَةٌ اَوۡ يُصِيۡبَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ﴾ (مسلمانو! رسول ﷺ کے بلانے کو تم آپس میں ایک دوسرے کو بلانے کی طرح نہ بناؤ، اللہ

(۱) سورۃ الفتح: آیت/ ۱۰.
(۲) سورۃ النساء: آیت/ ۸۰.
(۳) سورۃ النساء: آیت/ ۶۳.

تم میں سے اُن لوگوں کو خوب جانتا ہے جو نظر بچا کر آہستگی کے ساتھ چلے جاتے ہیں، پس جو لوگ رسول اللہ کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں، انہیں ڈرنا چاہئے کہ ان پر کوئی بلا نہ نازل ہو جائے، یا کوئی دردناک عذاب نہ انہیں آ گھیرے)(۱).

نیز ارشاد باری ہے: ﴿وَإِذَا دُعُوٓا إِلَى اللّٰهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ إِذَا فَرِيقٌ مِّنْهُم مُّعْرِضُونَ ﴿٤٨﴾ وَإِن يَكُن لَّهُمُ الْحَقُّ يَأْتُوٓا إِلَيْهِ مُذْعِنِينَ ﴿٤٩﴾ أَفِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ أَمِ ارْتَابُوٓا أَمْ يَخَافُونَ أَن يَحِيفَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَرَسُولُهُ ۚ بَلْ أُولَٰٓئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿٥٠﴾ إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوٓا إِلَى اللّٰهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَن يَقُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا ۚ وَأُولَٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿٥١﴾ وَمَن يُطِعِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَأُولَٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُونَ﴾ (اور جب انہیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے، تاکہ ان کے درمیان فیصلہ کر دے، تو ان کا ایک گروہ منہ موڑ کر چل دیتا ہے، اور اگر وہ حق بجانب ہوتے ہیں تو اس کے پاس اطاعت گزار بن کر آ جاتے ہیں، کیا ان کے دلوں میں نفاق کی بیماری ہے، یا انہیں آپ کی نبوت میں شبہ ہے، یا انہیں ڈر ہے کہ اللہ اور اس کا رسول ان پر ظلم کرے گا، بلکہ وہ خود اپنے آپ پر ظلم کرنے والے ہیں، مومنوں کو جب اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ ان کے درمیان فیصلہ کر دے، تو کہتے ہیں کہ ہم نے یہ بات سن لی اور اسے مان لیا، اور وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں، اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کریں گے، اور اللہ سے ڈریں گے، اور اس کا تصور کر کے تقویٰ کی راہ اختیار کریں گے، تو وہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں)(۲).

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں لوگوں کو اس بات سے آگاہ کیا ہے کہ اختلافات کے تصفیہ کے لئے اللہ کے رسول کی طرف ان کا بلایا جانا اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف بلایا جانا ہے، اس لئے کہ ان کے درمیان اللہ کے رسول ہی حاکم ہیں. اور جب انہوں نے ان کے حکم کو تسلیم کر لیا تو گویا اللہ تعالیٰ کے حکم کو تسلیم کر لیا. نیز اس آیت میں یہ تعلیم بھی دی گئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے، اس طور پر کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے فیصلے کی تعمیل وتسلیم کو فرض بتایا ہے، اور اس لئے بھی کہ آپ اللہ کی رعایت اور توفیق کے سبب ہر قسم کے خطا سے محفوظ ہیں، نیز یہ کہ اس نے آپ کے ہدایت یافتہ ہونے اور آپ کے حکم کی اتباع کئے جانے کی شہادت دی ہے.

اللہ تعالیٰ نے انسانوں پر اپنے رسول کی اطاعت کو لازم کر کے اور اسے اپنی اطاعت ثابت کر کے فریضۂ اتباع کو اور مستحکم بنا دیا ہے. گویا اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو ان دونوں باتوں سے آگاہ فرمایا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی

---

(۱) سورۃ النور: آیت / ۶۳.

(۲) سورۃ النور: آیت / ۴۸-۵۲

اتباع کرنا ان کی ذمہ داری ہے اور یہ کہ رسول کی اطاعت دراصل اللہ کی اطاعت ہے، پھر یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ اس نے رسول پر بھی اپنی اتباع کو فرض ٹھہرا رکھا ہے (کلام شافعی ختم ہوگئی).

۶-آپ کی زندگی میں بھی آپ کی اطاعت واجب ہے اور وفات کے بعد بھی:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ ۖ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا﴾ (اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو، اور رسول کی اطاعت کرو، اور تم میں سے اقتدار والوں کی، پھر اگر کسی معاملہ میں تمہارا اختلاف ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹا دو اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو، اسی میں بھلائی ہے اور انجام کے اعتبار سے یہی اچھا ہے)[1].

امام طبری اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ کے قول: ﴿أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ﴾ (اللہ کی اطاعت کرو، اور رسول کی اطاعت کرو) کی تفسیر میں مفسرین کا اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں کہ اس میں رسول کی سنت کی اتباع کا حکم ہے، اور بعض کا خیال ہے اس میں رسول کی زندگی میں ان کی اطاعت کا حکم ہے، لیکن صحیح بات یہ ہے کہ یہ آیت آپ کی زندگی میں آپ کے اوامر کی پیروی اور آپ کی وفات کے بعد آپ کی سنت کی اتباع دونوں کے لئے عام الٰہی فرمان ہے. کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی اطاعت کے متعلق حکمِ عام دیا ہے کسی ایک حالت سے خاص نہیں کیا ہے، لہٰذا اس وقت تک اپنے عموم پر باقی رہے گا جب تک تخصیص کی کوئی قابلِ قبول دلیل نہ مل جائے.

اس کے بعد فرماتے ہیں: اور اللہ تعالیٰ کے قول: ﴿فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ﴾ میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے فرمایا ہے کہ اے مسلمانو! اگر تمہارے درمیان یا تمہارے اور حکام کے درمیان کسی دینی معاملہ میں اختلاف پیدا ہو جائے تو اسے اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹا دو، یعنی جس مسئلہ کو لے کر تمہارے مابین یا تمہارے اور حکام کے مابین اختلاف رونما ہو اس کا حکم کتاب اللہ میں تلاش کرو اور اگر پالو تو اسی کی اتباع کرو.

اور اللہ تعالیٰ نے اپنے قول ﴿وَالرَّسُولِ﴾ کے ذریعہ یہ کہنا چاہا ہے کہ اگر کتاب اللہ میں تلاش کرنے کے بعد بھی کسی نتیجہ تک نہ پہنچ سکو اور رسول باحیات ہیں تو ان سے دریافت کرو اور وفات پا چکے ہیں تو ان کی سنت میں تلاش کرو' (کلام طبری ختم ہوگئی)[2].

---

(۱) سورۃ النساء: آیت/۵۹.

(۲) تفسیر الطبری: ۴/۱۵۰.

امام شافعی فرماتے ہیں: اللہ اور اس کے رسول کی طرف پھیرنے کا مطلب۔ واللہ اعلم۔ اللہ اور اس کے رسول کے قول کی طرف پھیرنا ہے. اگر اس کا علم ہو ورنہ رسول کی خدمت میں حاضر ہو کر دریافت کرلو. یا اگر تم میں کا کوئی آپ کی خدمت میں حاضر ہو تو اس کے ذریعہ رسول سے معلوم کرلو، کیونکہ یہ وہ فرض ہے جس میں تمہارے درمیان کوئی نزاع نہیں ہونا چاہئے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّ لَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ﴾ (اور جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملے میں فیصلہ کردے، تو کسی مسلمان مرد اور عورت کے لئے اس بارے میں کوئی اور فیصلہ قبول کرنے کا اختیار باقی نہیں رہتا) اور اگر یہ اختلاف رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد ظاہر ہو تو اسے اللہ اور اس کے رسول کے فیصلوں کے حوالے کردو[1].

امام ابن حزم[2] فرماتے ہیں؛ ارشاد باری ہے: ﴿فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ آیت میں مذکور رد سے قرآن اور خبر رسول (ﷺ) کی طرف لوٹنا مقصود ہے جس کی دلیل امت کا اس حقیقت پر متفق ہونا ہے کہ آیت کے مخاطب ہم، ہماری آئندہ کی نسلیں اور تا قیامت جن وانس کا ہر فرد ہے. بالکل اسی طرح جس طرح عہد نبوی اور اس کے بعد کے لوگ اس کے مخاطب تھے. اگر کوئی یہ دعویٰ کرے کہ اس کے مخاطب صرف وہی لوگ ہیں جن کا رسول ﷺ سے لقاء ممکن تھا تو کیا یہ اللہ تعالیٰ کے سلسلے میں بھی یہی دعویٰ کریں گے؟ اس سے ہم کلام ہونے کی تو کوئی صورت نہیں ہے لہذا اس طرح کا گمان بالکل باطل ہے اور ''رد'' کا صحیح مفہوم وہی ہے جسے ہم بیان کر چکے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کے کلام قرآن کریم اور رسول کے کلام کی طرف لوٹنا ہے جو مرور زمانہ کے ساتھ نسلاً بعد نسل منقول ہوتا چلا آرہا ہے[3].

ابن عبدالبر، میمون بن مہران[4] سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنا دراصل اس کی کتاب کی طرف لوٹنا ہے اور رسول کی طرف لوٹنے کا مطلب یہ ہے کہ اگر رسول باحیات ہیں تو ان کی طرف اور اگر وفات پا چکے

---

(۱) الرسالہ، ص: ۸۰، فقرہ: ۲۶۴.

(۲) یہ علی بن احمد بن سعید بن حزم اندلسی ہیں (۰۰-۴۵۶ھ) حافظ وفقیہ، عابد وزاہد ہونے کے ساتھ ساتھ بہت سے فنون کے ماہر تھے. حفظ وذکاوت اور کثرت معلومات کی انتہا انہیں پر ہوتی ہے، علوم اسلامیہ، زبان، بلاغت، سیرت اور اخبار میں تمام علماء اندلس سے زیادہ علم رکھنے والے اور اس کے جمع کرنے والے ہیں. آپ کی بہت سی تصنیفات ہیں جن میں سے محلی فقہ میں. الفصل والنحل ادیان میں اور الایصال فقہ حدیث میں بہت زیادہ شہرت رکھتی ہیں.

(۳) الإحکام فی الأحکام: ص ۸۷.

(۴) یہ ابو ایوب الجزری الرقی ہیں (۰۰-۱۱۰ھ) امام احمد کا قول ہے: یہ ثقہ ہیں اور عکرمہ سے زیادہ اوثق ہیں. ابن سعد، عجلی، ابو زرعہ، نسائی اور ابن حبان نے بھی انہیں ثقہ کہا ہے.

ہیں تو ان کی سنت کی طرف لوٹنا ہے [۱]۔

ارشاد باری ہے: ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللهَ كَثِيرًا﴾ (فی الحقیقت تم مسلمانوں کے لئے رسول اللہ کا قول وعمل ایک بہترین نمونہ ہے، ان کے لئے جو اللہ اور یوم آخرت کا یقین رکھتے ہیں، اور اللہ کو بہت یاد کرتے ہیں) [۲]۔

حافظ ابن کثیر اس آیت کی تفسیر میں رقمطراز ہیں: ''یہ آیت غزوۂ احزاب کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کے صبر وشکر، بہادری و دلیری اور کرب والم کے زائل ہونے کے انتظار میں آپ کے نقش قدم کی پیروی کے لئے اصل عظیم ہے۔ چنانچہ جو لوگ غزوہ احزاب میں مصیبت سے گھبرا گئے تھے، ان کے پاؤں میں تزلزل پیدا ہو گیا تھا اور قدم لڑکھڑا گئے تھے انہیں اللہ تعالیٰ مخاطب کرتے ہوئے کہتا ہے: ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ کاش تم لوگ اپنے رسول کی اقتدا کرتے اور ان کے شمائل کو اسوہ بناتے [۳]۔

۷۔ سنتِ رسول سے انحراف رسالتِ رسول کا انکار ہے:

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو اپنے دین وفرض اور قرآن کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے وہ بلند مقام دیا ہے کہ انہیں علم دین قرار دیا ہے اس طرح کہ ان کی اطاعت کو فرض اور معصیت کو حرام ٹھہرایا ہے۔ اپنے ایمان کے ساتھ ان پر ایمان لانے کا ذکر کر کے ان کی فضیلت کو اور بھی بلند کر دیا۔ ارشاد باری ہے: ﴿فَآمِنُوا بِاللهِ وَرُسُلِهِ وَلَا تَقُولُوا ثَلَاثَةٌ انْتَهُوا خَيْرًا لَّكُمْ إِنَّمَا اللهُ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ سُبْحَانَهُ أَن يَكُونَ لَهُ وَلَدٌ﴾ (پس تم اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لے آؤ، اور تین معبودوں کے قائل نہ بنو، اس سے باز آ جاؤ، اسی میں تمہاری بہتری ہے، بے شک اللہ اکیلا معبود ہے، وہ اس سے پاک ہے کہ کوئی اس کی اولاد ہو) [۴]۔

نیز فرمایا ہے: ﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللهِ وَرَسُولِهِ وَإِذَا كَانُوا مَعَهُ عَلَىٰ أَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوا حَتَّىٰ يَسْتَأْذِنُوهُ﴾ (بے شک مومن وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں، اور جب ان کے ساتھ کسی اجتماعی کام میں ہوتے ہیں تو جب تک ان سے اجازت نہیں لے لیتے چلے نہیں جاتے ہیں) [۵]۔

---

(۱) جامع بیان العلم وفضلہ: ۲/۱۹۰۔

(۲) سورۃ الأحزاب: آیت/۲۱۔

(۳) تفسیر ابن کثیر: ۳/۴۷۴۔

(۴) سورۃ النساء: آیت/۱۷۱۔

(۵) سورۃ النور: آیت/۶۲۔

امام موصوف فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے ایمان باللہ کے ساتھ ایمان بالرسل کو کمال ایمان قرار دیا ہے، اگر کوئی اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتا ہے اور اس کے رسول پر نہیں تو اسے کامل مومن نہیں کہا جا سکتا تا آنکہ اللہ کے ساتھ اس کے رسول پر بھی ایمان لے آئے. رسول اللہ ﷺ نے جس کسی کے ایمان کا امتحان لیا ہے تو اسی طرح لیا ہے[1].

اس کے بعد امام شافعی فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے اپنی وحی اور اپنے رسول کی سنت کی پیروی لوگوں پر فرض کی ہے، اللہ نے اپنی مقدس کتاب میں فرمایا ہے: ﴿رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ ۚ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾ (اور اے ہمارے رب! انہی میں سے ایک رسول ان کی ہدایت کے لئے مبعوث فرمایا، جو تیری آیتیں انہیں پڑھ کر سنائے، اور انہیں قرآن وسنت کی تعلیم دے، اور انہیں پاک کرے، بے شک تو بڑا زبردست اور حکمت والا ہے)[2].

اس معنی کی مزید کچھ آیتوں کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے کتاب یعنی قرآن کا ذکر کیا ہے اور حکمت کا ذکر کیا ہے، میں نے اپنے شہر کے علمائے قرآن کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ حکمت سے سنتِ رسول مراد ہے. پھر آگے فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی اطاعت کو فرض کیا ہے اور لوگوں پر ان کے حکم کی پیروی کو ضروری قرار دیا ہے، چنانچہ کسی قول کے سلسلے میں یہ کہنا جائز نہیں کہ وہ پہلے کتاب اللہ کے ذریعہ فرض ہے پھر سنتِ رسول کے ذریعہ[3].

ابن حزم کا قول ہے: اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللَّهِ﴾ (اور تم جس چیز میں بھی اختلاف کرو، اس کا فیصلہ اللہ کی طرف ہی لوٹانا ہے)[4].

ماقبل کے بیان سے معلوم ہو چکا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہم لوگوں کو اپنے رسول ﷺ کے کلام کی طرف پھیرنا چاہا ہے، پس کسی موحد مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ اپنے اختلاف کو قرآن اور خبرِ رسول ﷺ کے علاوہ کسی چیز پر پیش کرے. اور نہ یہ جائز ہے کہ ان دونوں میں ذکر احکام کا انکار کرے. اگر حجت قائم ہو جانے کے بعد بھی ایسا کرتا ہے تو وہ فاسق ہے. اور جو ان دونوں کے حکم سے انحراف کو حلال گردانتا ہے اور ان میں سے صرف ایک کی اطاعت کو واجب تصور کرتا ہے تو بلا شک وشبہ وہ ہمارے نزدیک کافر ہے.

(۱) الرسالہ، ص: ۷۳-۷۵، فقرات: ۲۳۶-۲۴۱.
(۲) سورۃ البقرۃ: آیت ۱۲۹.
(۳) الرسالہ، ص: ۷۶-۷۸، فقرات: ۲۴۶-۲۵۵.
(۴) سورۃ الشوریٰ: آیت ۱۰.

آگے فرماتے ہیں: محمد بن نصر المروزی[۱] نے ذکر کیا ہے کہ اسحاق بن راہویہ[۲] کہا کرتے تھے: اگر کسی شخص تک رسول اللہ ﷺ کی خبر پہنچ جائے اور وہ اس کی صحت کو تسلیم کرتا ہے، پھر بھی اسے رد کر دیتا ہے تو وہ کافر ہے.

اس کے بعد فرماتے ہیں: کافر قرار دینے میں اسحاق کا قول میری دلیل نہیں ہے، اسے یہاں میں نے صرف اس لئے ذکر کیا ہے کہ کوئی جاہل یہ نہ سمجھے کہ اس مسئلہ میں ہم اکیلے ہیں، ورنہ میری دلیل تو اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے: ﴿فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَ يُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾ (پس آپ کے رب کی قسم، وہ لوگ مومن نہیں ہو سکتے جب تک آپ کو اپنے اختلافی امور میں اپنا فیصل نہ مان لیں، پھر آپ کے فیصلہ کے بارے میں اپنے دلوں میں کوئی تکلیف نہ محسوس کریں، اور پورے طور سے اسے تسلیم کرلیں)[۳].

نیز فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّ لَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَ مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا﴾ (اور جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملے میں فیصلہ کر دے، تو کسی مسلمان مرد اور عورت کے لئے اس بارے میں کوئی اور فیصلہ قبول کرنے کا اختیار باقی نہیں رہتا، اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا وہ کھلی ہوئی گمراہی میں مبتلا ہو جائے گا).

علی کا کہنا ہے: اللہ تعالیٰ کی یہ آیت اس بات کی وضاحت کے لئے کافی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کا حکم یا رسول ﷺ کا فرمان وارد ہو جائے اس کے بعد ہمارا کوئی اختیار نہیں، اور جو اس حکم کو اختیار کرنے یا نہ کرنے یا دوسرے کسی کے قول کی طرف رجوع کرنے میں اپنے کو بااختیار سمجھتا ہے وہ آیتِ کریمہ ﴿فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا﴾ کے مطابق اللہ تعالیٰ کا نافرمان ہے. اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو "ضلالت" سے تعبیر کیا ہے اس پر قائم رہنے والا نامراد و عاقبت نااندیش ہی ہو سکتا ہے.

---

(۱) یہ امام شیخ الاسلام محمد بن نصر المروزی ہیں. بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں. صحابہ کے اختلاف کو سب سے زیادہ جاننے والے تھے. بغداد میں پیدا ہوئے اور نیسا پور میں آپ کی پرورش ہوئی. مصر میں امام شافعی کے اصحاب سے فقہ حاصل کیا. ان کی تصانیف میں سے المسند (مخطوط) فن حدیث میں اور قیام اللیل اور القسامۃ فقہ میں قابل ذکر ہیں. (۲۰۲-۲۹۴ھ).

(۲) یہ اسحاق بن ابراہیم بن مخلد ابو یعقوب الحنظلی ہیں اور ابن راہویہ سے معروف ہیں. (۱۶۱-۲۳۸ھ) ثقہ، حافظ اور مجتہد تھے، ابو داؤد نے ذکر کیا ہے کہ وفات سے قبل حافظہ میں معمولی تغیر آگیا تھا.

(۳) الإحکام فی اصول الأحکام: ص/۸۹.

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ (اور ہم نے ہر رسول کو صرف اس لئے بھیجا کہ اللہ کی اجازت سے اس کی اطاعت کی جائے) نیز ارشاد باری ہے: ﴿وَ مَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَ مَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾ (اور رسول تمہیں جو دیں اسے لے لو، اور جس چیز سے وہ تم کو روک دیں اُس سے رک جاؤ) اور ﴿فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ (پس جو لوگ رسول اللہ کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں، انہیں ڈرنا چاہئے کہ ان پر کوئی بلا نہ نازل ہو جائے، یا کوئی دردناک عذاب نہ انہیں آ گھیرے).

علی کا کہنا ہے: اگر کسی کے پاس رسول کی ایسی خبر پہنچتی ہے جس کی صحت کو وہ مانتا ہے، اور وہ یہ بھی جانتا ہے کہ اس طرح کی خبر سے حجت قائم ہوتی ہے یا اس طرح کی خبر کو دوسری جگہ صحیح ٹھہرایا گیا ہے پھر بھی وہ قیاس کی وجہ سے یا کسی کے قول کی وجہ سے اس حدیث کو ترک کر دیتا ہے تو وہ اللہ اور اس کے رسول کے حکم کا مخالف ہے، اور وہ فتنہ اور عذابِ الیم کا مستحق ہے[۱]. (کلام ابن حزم ختم ہوگئی).

قرآن میں وارد لفظ "حکمت" سے مراد سنت ہے:

(ا) اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی کتاب عزیز میں فرماتا ہے: ﴿رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ (اور اے ہمارے رب! انہی میں سے ایک رسول اُن کی ہدایت کے لئے مبعوث فرمایا، جو تیری آیتیں انہیں پڑھ کر سنائے، اور انہیں قرآن وسنت کی تعلیم دے، اور انہیں پاک کرے، بے شک تو بڑا زبردست اور حکمت والا ہے)[۲].

(ب) ارشاد باری ہے: ﴿كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَ يُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ﴾ (جیسا کہ ہم نے تمہاری رہنمائی کے لئے تم ہی میں سے ایک رسول بھیجا جو ہماری آیتیں تمہیں پڑھ کر سناتا ہے، اور تمہیں پاک کرتا ہے، اور قرآن وسنت کی تعلیم دیتا ہے، اور تمہیں وہ کچھ سکھاتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے)[۳].

(ج) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا

(۱) الإحکام فی اصول الأحکام: ص ۹۱/.
(۲) سورۃ البقرۃ: آیت ۱۲۹/.
(۳) سورۃ البقرۃ: آیت ۱۵۱/.

عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيۡهِمۡ وَيُعَلِّمُهُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ ۚ وَاِنۡ كَانُوۡا مِنۡ قَبۡلُ لَفِىۡ ضَلٰلٍ مُّبِيۡنٍ﴾ (اللہ کا مومنوں پر یقیناً یہ احسان ہے کہ اس نے ان کے لئے انہی میں سے ایک رسول بھیجا، جو اس کی آیتوں کی ان لوگوں پر تلاوت کرتے ہیں، اور انہیں پاک کرتے ہیں، اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتے ہیں، اور اس سے پہلے وہ لوگ کھلی گمراہی میں تھے)(۱).

(د) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿هُوَ الَّذِىۡ بَعَثَ فِى الۡاُمِّيّٖنَ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ يَتۡلُوۡا عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيۡهِمۡ وَيُعَلِّمُهُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ ۚ وَاِنۡ كَانُوۡا مِنۡ قَبۡلُ لَفِىۡ ضَلٰلٍ مُّبِيۡنٍ﴾ (اُسی نے اَن پڑھ لوگوں میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا ہے، جو انہیں اس کی آیتیں پڑھ کر سناتے ہیں، اور انہیں، (کفر وشرک کی آلائشوں سے) پاک کرتے ہیں، اور انہیں قرآن وسنت کی تعلیم دیتے ہیں، بے شک وہ لوگ اُن کی بعثت سے قبل صریح گمراہی میں بتلا تھے)(۲).

(ھ) ارشاد باری ہے: ﴿وَاذۡكُرُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ وَمَاۤ اَنۡزَلَ عَلَيۡكُمۡ مِّنَ الۡكِتٰبِ وَالۡحِكۡمَةِ يَعِظُكُمۡ بِهٖ﴾ (اور اپنے اوپر اللہ کی نعمت کو یاد کرو، اور قرآن وسنت کو یاد کرو جو اس نے تم پر اُتارا ہے جس کے ذریعہ تمہیں نصیحت کرتا ہے)(۳).

(و) نیز ارشاد ہے: ﴿وَاَنۡزَلَ اللّٰهُ عَلَيۡكَ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمۡ تَكُنۡ تَعۡلَمُ ؕ وَكَانَ فَضۡلُ اللّٰهِ عَلَيۡكَ عَظِيۡمًا﴾ (اور اللہ نے آپ پر کتاب وحکمت اُتاری ہے، اور جو آپ نہیں جانتے تھے وہ آپ کو سکھایا ہے اور آپ پر اللہ کا فضل بڑا تھا)(۴).

(ز) ارشاد باری ہے: ﴿وَاذۡكُرۡنَ مَا يُتۡلٰى فِىۡ بُيُوۡتِكُنَّ مِنۡ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالۡحِكۡمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيۡفًا خَبِيۡرًا﴾ (اور تمہارے گھروں میں اللہ کی جن آیتوں اور حکمت کی تلاوت کی جاتی ہے انہیں یاد رکھو، بے شک اللہ بڑا باریک بیں، بہت ہی باخبر ہے)(۵).

علمائے محققین کی تحقیق یہ ہے کہ مذکورہ آیات میں وارد "حکمت" قرآن کے علاوہ کوئی اور چیز ہے. اور وہ

---

(۱) سورۃ آل عمران: آیت ر ۱۶۴.
(۲) سورۃ الجمعہ: آیت ر ۲.
(۳) سورۃ البقرہ: آیت ر ۲۳۱.
(۴) سورۃ النساء: آیت ر ۱۱۳.
(۵) سورۃ الأحزاب: آیت ر ۳۴.

شریعت کے وہ مقاصد، اس کی وہ تعلیمات اور اس کے وہ اسرار و حکم ہیں جن سے اللہ نے اپنے رسول کو آگاہ فرمایا ہے۔ اور یہ چیزیں رسول اللہ ﷺ کی قولی و فعلی سنتیں ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو نوازا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے قول «ألا إني أوتيت الكتاب و مثله معه»[1] میں اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

حسان سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ جبریل علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کے پاس جس طرح قرآن لے کر نازل ہوا کرتے تھے اسی طرح سنت لے کر بھی آیا کرتے تھے[2]۔

درج بالا آیات کو ذکر کرنے کے بعد امام شافعی فرماتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں ''کتاب'' یعنی قرآن اور حکمت کا ذکر کیا ہے، میں نے اپنے شہر کے علمائے قرآن کو کہتے ہوئے سنا کہ ''حکمت'' سنت رسول ہے۔ ویسے اللہ بہتر جانتا ہے مگر میرے خیال میں یہ قول بالکل درست ہے۔ اس لئے کہ قرآن کا ذکر موجود ہے، اس کے بعد حکمت کا ذکر ہے، اور اللہ نے اپنے اس احسان کا ذکر کیا ہے کہ اس نے لوگوں کو کتاب و حکمت دونوں کی تعلیم دی ہے۔ بایں صورت یہ کہنا جائز نہیں کہ یہاں حکمت سے سنت مراد نہیں ہے، جبکہ اس کا ذکر کتاب کے ساتھ ہوا ہے اور اللہ نے اپنے رسول کی اطاعت کو فرض کر رکھا ہے اور لوگوں پر ان کے حکم کی پیروی کو لازم ٹھہرا رکھا ہے[3]۔

امام شافعی اپنی کتاب ''الأم'' میں اللہ تعالیٰ کے قول: ﴿وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلَىٰ فِي بُيُوتِكُنَّ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ﴾ کو اپنے مقابل کے لئے ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: میں نے کہا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ﴾ (اُسی نے اَن پڑھ لوگوں میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا ہے، جو انہیں اس کی آیتیں پڑھ کر سناتے ہیں، اور انہیں (کفر و شرک کی آلائشوں سے) پاک کرتے ہیں، اور انہیں قرآن و سنت کی تعلیم دیتے ہیں، بے شک وہ لوگ اُن کی بعثت سے قبل صریح گمراہی میں مبتلا تھے)۔

میرے مقابل نے کہا: ہم یہ تو سمجھ گئے کہ کتاب سے کتاب اللہ مراد ہے مگر حکمت کیا ہے؟ میں نے جواب دیا

(۱) أبوداؤد عن مقدام بن معديكرب: ۴/ ۲۰۰، كتاب السنة، باب لزوم السنة، ترمذی نے بھی مقدام بن معدیکرب ہی سے روایت کیا ہے۔ ۵/ ۳۸، كتاب العلم، باب ما نهى عنه أن يقال عند حديث النبي صلى الله عليه وسلم، ابن ماجہ، ج۱، ص:۶، المقدمہ، حدیث: ۱۲، ابن عبد البر فی جامع بيان العلم: ۲/ ۱۹۰، باب موضع السنة من الكتاب وبيانها له، خطیب کفایہ میں ص/ ۳۹، باب ما جاء في التسوية بين حكم كتاب الله وحكم سنة رسول الله.

(۲) دارمی: ۱/ ۱۴۵، باب السنة قاضية على كتاب الله.

(۳) الرسالہ: ص/ ۷۸، فقرات/ ۲۵۲-۲۵۵۔

کہ اس سے مراد سنتِ رسول اللہ ﷺ ہے. اس نے کہا: کیا یہ معنی ممکن نہیں ہے کہ آپ ﷺ لوگوں کو اجمالی طور سے قرآن کی تعلیم دیتے ہیں اور حکمت کی تعلیم خاص طریقے سے اور یہ کتاب اللہ ہی کے احکام ہیں؟ میں نے کہا: تمہارے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ویسے ہی بیان کریں جس طرح انہوں نے لوگوں کے لئے نماز، روزہ، حج اور زکاۃ جیسے فرائض کو بیان کیا ہے، مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں چند فرائض کا حکم دے دیا ہے اوران کی کیفیت کو اپنے رسول کی زبانی بیان کیا ہے؟ اس نے کہا: ہاں اس کا احتمال ہے.

میں نے کہا: آپ اس موقف کو اختیار کریں گے تو حکمت کا وہی معانی ہوگا جو پہلے بیان کیا گیا جس کو آپ صرف خبر رسول ﷺ کے ذریعہ معلوم کر سکتے ہیں. اس شخص نے کہا: اگر میں کہوں کہ یہاں کلام میں تکرار ہے؟ میں نے کہا: کون بہتر ہے؟ اگر کتاب وحکمت کا ایک ساتھ ذکر ہو تو اس سے دو چیزیں مراد لینا بہتر ہے یا ایک چیز؟ اس نے کہا: ایک احتمال تو وہی ہے، جس کی طرف آپ نے اشارہ کیا ہے کہ اس سے کتاب وسنت دونوں مراد ہیں، مگر یہ بھی احتمال ہے کہ دونوں ایک ہی چیز ہو. میں نے کہا: مگر ان دونوں میں اول زیادہ اظہر ہے. اور قرآن سے بھی میری تائید ہوتی ہے اور آپ کی مخالفت، اس نے کہا اس قسم کی آیت کہاں ہے؟

میں نے کہا ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا﴾ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ ان کے گھروں میں دو چیزیں تلاوت کی جاتی ہیں. اس نے کہا: قرآن کی تلاوت تو سمجھ میں آتی ہے، مگر حکمت کی تلاوت کیونکر ممکن ہے؟

میں نے کہا: تلاوت کا مطلب ہے کہ قرآن کو زبان سے پڑھا جائے اور سنت کو سنت کی حیثیت سے پڑھا جائے. اس نے کہا: ہاں اب واضح ہوا کہ حکمت قرآن کے علاوہ دوسری چیز ہے[1].

ابن عبد البر نے قتادہ سے اللہ تعالیٰ کے قول ﴿وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ﴾ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ وہ ﴿مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ﴾ کی تفسیر "من القرآن والسنۃ" کیا کرتے تھے. نیز سعید بن عروبہ نے قتادہ سے ﴿وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ﴾ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ حکمت سے مراد سنت ہے.

اور ہذلی نے حسن سے ﴿وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ﴾ کے متعلق روایت کیا ہے کہ کتاب قرآن ہے

(۱) کتاب الأم: ۷/۲۷۰-۲۷۱.

اور حکمت سنت ہے (۱).

حقیقت یہ ہے کہ قرآن میں کہیں بھی کتاب سے حکمت اور حکمت سے کتاب مراد نہیں لیا گیا ہے، بلکہ قرآن نے جہاں کہیں ''کتاب'' کا استعمال کیا ہے وہاں اللہ کا کلامِ معجز مراد ہے، اسی طرح جہاں کہیں ''حکمت'' استعمال کیا ہے وہاں اس سے مراد وہ فہم ہے جو انسان کو حقائق کی معرفت اور فکر و عمل میں صحیح راہ اختیار کرنے کے قابل بناتی ہے. اور یہ فہم کتاب میں بھی ہوسکتی ہے اور اس سے الگ بھی، اور کتاب کو ''حکیم'' کے لقب سے ملقب کئے جانے سے یہ بات تو معلوم ہوتی ہے کہ اس میں حکمت ہے مگر یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حکمت کتاب ہی ہے یا حکمت کتاب ہی میں محصور ہے اور کتاب سے باہر اس کا وجود نہیں، پس رسول اللہ ﷺ پر کتاب وحکمت کے نزول کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کتاب دیا اور اس کے ساتھ وہ حکمت بھی عنایت فرمائی جو کتاب کو سمجھنے اور اس کو عملی زندگی میں نافذ کرنے میں آپ کی ممد و معاون ثابت ہوئی. بنابریں اللہ تعالیٰ کے قول: ﴿وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ﴾ کا یہ معنی ہرگز نہیں ہے کہ آپ لوگوں کو صرف کتاب کے الفاظ پڑھانے پر اکتفا کریں گے، بلکہ اس کا یہ معنی ہے کہ آپ ان کے لئے کتاب کی تشریح وتوضیح کریں گے اور انہیں ان حقائق سے آگاہ فرمائیں گے جو اجتماعی وانفرادی زندگی میں اس کتاب کو نافذ کرنے میں ان کے مددگار رہوں (۲).

سنت وحی الٰہی ہے:

رسول اللہ ﷺ کی رسالت پر ایمان لانے والے کسی مسلمان کو اس بات میں شک نہیں ہوگا کہ آپ قرآن کے شارح ومفسر اور امت کے قائد وہادی تھے. آپ اس آسمانی دین کے ساتھ مبعوث کے گئے تھے جو قیامت تک پوری انسانیت کی خیر وبھلائی کا ضامن ہے.

جب یہ دین اللہ تعالیٰ کا ہے. اور قرآن کریم دین اسلام کا اساس اول ہے، اور نبی کریم ﷺ لوگوں کے لئے قرآن کی تفسیر وتشریح اور دین کے جزئیات وتفاصیل کی تعلیم وتدریس کے لئے مبعوث کئے گئے ہیں تو یہ مناسب نہ تھا کہ قرآن کی تشریحات اور آپ کی جانب سے لوگوں کو دی جانے والی دینی تعلیمات اللہ کے نہ ہوں. چنانچہ وہ دین جو دارین میں بنی نوع انسان کی فلاح کا ضامن ہے دو بنیادی اصولوں پر قائم ہے. ایک قرآن ہے اور دوسرا اس کا بیان جو رسول اللہ ﷺ کی طرف سے صادر ہوا ہے اور جو آپ کے اقوال وافعال اور تقریرات پر مشتمل ہے.

---

(۱) جامع بیان العلم: ۱ر۱۷، باب قوله صلى الله عليه وسلم لاَ حسد إلاّ في اثنتين.

(۲) سنت کی تشریعی حیثیت، علامہ مودودی: ص ر ۲۱۵.

معلوم ہوا کہ وہ بیان جو رسول اللہ ﷺ سے صادر ہوا اور احکامِ دین کا وہ حصہ جو قرآن کے ساتھ مل کر تکمیل دین کا سبب بنا اللہ تعالیٰ کی وحی ہے. ارشاد باری ہے: ﴿وَ مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى﴾ (اور وہ اپنی خواہشِ نفس کی پیروی میں بات نہیں کرتے ہیں، وہ تو وحی ہوتی ہے جو اُن پر اُتاری جاتی ہے).

اس مفہوم کی قرآن میں اور بھی بہت سی آیتیں ہیں، اور سنت کے وحی الٰہی ہونے پر امت کا اجماع بھی ہو چکا ہے. البتہ قرآن وسنت میں فرق یہ ہے کہ قرآن معجز اور متلو ہے اور سنت نہ معجز ہے نہ متلو.

اس کے بعد ہم ان قرآنی دلائل اور اقوال علماء کو ذکر کرنے جا رہے ہیں جن کے ذریعہ ان لوگوں کی سازشوں کا پردہ چاک ہو جائے گا جو سادہ لوح مسلمانوں کے دلوں میں اس قسم کے شبہات پیدا کرنا چاہتے ہیں کہ "سنت خود رسول کی اپنی بات ہے. انہوں نے اس کے ذریعہ قرآن کی تشریح کی، حکومت کی تنظیم فرمائی اور اپنے زمانہ کے لحاظ سے مسلمانوں کی رہنمائی کی. جہاں تک دین کا تعلق ہے تو وہ صرف قرآن میں ہے، اور آج ہم اپنے فہم کے مطابق اس کی تشریح کریں گے. اور جسے لوگ حدیث کہتے ہیں اس کی طرف متوجہ نہیں ہوں گے"!!

اگر اللہ تعالیٰ کسی کو گمراہ کرنا چاہے تو اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا. میرا مقصد لوگوں کو اس خطرۂ عظیم سے آگاہ کرنا اور اعداء اسلام کی طرف سے بچھائے گئے شیطانی جال میں پھنسنے سے متنبہ کرنا ہے.

١- اللہ کا ارشاد ہے: ﴿وَ مَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِيْ كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ ؕ وَ اِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ ؕ وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۠ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَ حَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ﴾ (اور وہ قبلہ جس کی طرف آپ پہلے سے متوجہ ہوتے تھے، ہم نے اس لئے بنایا تھا تاکہ دیکھیں کہ کون ہمارے رسول کی اتباع کرتا ہے اور کون الٹے پاؤں پھر جاتا ہے، اور اسے قبول کرنا بہت بھاری گزر رہا تھا، سوائے ان لوگوں کے جنہیں اللہ نے ہدایت دی، اور اللہ ایسا نہیں کہ تمہارا سابق ایمان (وعمل) ضائع کر دے، بے شک اللہ لوگوں کے لئے بہت ہی شفقت اور رحمت والا ہے، ہم دیکھ رہے ہیں کہ آپ کا چہرہ بار بار آسمان کی طرف اُٹھ رہا ہے، اس لئے آپ کو اُس قبلہ کی طرف ضرور پھیر دیں گے جسے آپ پسند کرتے ہیں، پس آپ اپنا رخ مسجدِ حرام کی طرف پھیر لیجئے، اور (اے مسلمانو!) تم جہاں کہیں بھی رہو، نماز میں اپنا رخ مسجد حرام کی طرف کرو)[1].

(١) سورۃ البقرۃ: آیات ر ١٤٣-١٤٤.

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ کعبہ کو قبلہ متعین کئے جانے سے پہلے رسول اللہ ﷺ کسی دوسرے قبلہ کی طرف نماز ادا کرتے تھے. اور قرآن نے واضح کر دیا ہے کہ اللہ کے حکم ہی سے آپ قبلۂ اوّل کی طرف متوجہ ہوتے تھے، مگر ہم قرآن میں اس حکم کو کہیں نہیں پاتے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر ضرور وحی کی ایک دوسری قسم نازل ہوا کرتی تھی اور اسی وحی کے ذریعہ آپ کو بتایا گیا تھا کہ بیت المقدس قبلۂ اولیٰ ہوگا (۱).

۲-حدیبیہ کے لئے نکلنے سے قبل مدینہ ہی میں رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دِکھایا گیا کہ وہ اور ان کے اصحاب مسجدِ حرام میں داخل ہورہے ہیں، اور آپ نے کعبہ کی کنجی لی اور سبھوں نے طواف وعمرہ ادا کیا، بعض صحابہ نے حلق کرایا اور بعض نے قصر کیا. جب آپ نے اپنے اصحاب کو اس کی خبر دی تو بہت خوش ہوئے اور یہ سمجھا کہ اسی سال مکہ میں داخل ہوں گے. اس کے بعد آپ نے صحابہ کو عمرہ کی ادائیگی کے لئے اپنے ارادہ سے آگاہ کیا. سب لوگ سفر کی تیاری کرنے لگے اور اپنے رسول کی معیت میں عمرہ کے لئے نکل پڑے. جب حدیبیہ پہنچے تو مکہ میں داخل ہونے سے روک دیئے گئے، اس چیز نے بعض صحابہ کو حیرت میں ڈال دیا اور وہ آپ سے پوچھ پڑے اے اللہ کے رسول! کیا آپ نے ہمیں مسجدِ حرام میں داخل ہونے کی بشارت نہیں سنائی تھی؟ آپ نے فرمایا: کیا میں نے تم سے اسی سال کے بارے میں کہا تھا اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ۙ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ ۙ لَا تَخَافُوْنَ ۭ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا﴾ (اللہ نے اپنے رسول کا برحق خواب سچ کر دکھایا، اگر اللہ نے چاہا تو تم یقیناً مسجد حرام میں داخل ہوگے، درانحالیکہ تم امن میں ہوگے، اپنے سروں کے بال منڈائے یا کٹائے ہوگے، تم خوف زدہ نہیں ہوگے، پس اُسے وہ معلوم تھا جو تم نہیں جانتے تھے، چنانچہ اُس نے اِس سے پہلے تمہیں ایک قریب کی فتح عطا کی) (۲).

معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کو خواب کی شکل میں وحی کی گئی تھی کہ وہ مکہ جائیں گے اور کفار مکہ میں داخل ہونے سے روکیں گے پھر صلح ہوگی، اور وہ دوسرے سال عمرہ کر سکیں گے. اور فتوحات کا راستہ بھی آسان ہو جائے گا. کیا یہ اس بات کی قطعی دلیل نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر قرآن کے علاوہ دوسری وحی نازل ہوتی تھی؟ (۳).

۳-ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَ اِذْ اَسَرَّ النَّبِيُّ اِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِيْثًا ۚ فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ وَ اَظْهَرَهُ

(۱) سنت کی آئینی حیثیت: ص/ ۱۲۰-۱۲۱.
(۲) سورۃ الفتح: آیت/ ۲۷.
(۳) تفسیر ابن کثیر: ۴/ ۲۰۱، سنت کی آئینی حیثیت، علامہ مودودی: ص/ ۱۲۱-۱۲۲.

اللّٰهُ عَلَيْهِ عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَ اَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ ۚ فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتْ مَنْ اَنْۢبَاَكَ هٰذَا ۭ قَالَ نَبَّاَنِيَ الْعَلِيْمُ الْخَبِيْرُ﴾ (اور جب نبی نے اپنی بعض بیویوں کو ایک بات خفیہ طور پر بتادی، تو جب اس (بیوی) نے وہ بات (دوسری بیویوں کو) بتادی، اور اللہ نے نبی کو اس کی خبر کردی، تو انہوں نے وحی کا کچھ حصہ اس بیوی کو بتادیا، اور کچھ نہیں بتایا، جب انہوں نے اس (بیوی) کو اس کی اطلاع دی، تو اس نے کہا، آپ کو کس نے یہ خبر دی ہے، انہوں نے کہا، مجھے اس (اللہ) نے بتایا ہے جو ہر چیز کا جاننے والا، ہر بات کی خبر رکھنے والا ہے)(۱).

کیا قرآن میں کوئی ایسی آیت ہے جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو اس بات سے آگاہ کیا ہو کہ آپ کی بیوی نے دوسروں کو راز کی بات بتائی ہے(۲).

۴- زید بن حارثہ نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی اور رسول نے ان سے شادی کرلی. اس کو منافقین اور مخالفین نے آپ کے خلاف شکوک وشبہات پھیلانے کا ذریعہ بنالیا قرآن کریم نے یہ کہہ کر ان لوگوں کی تردید کی کہ آپ کی شادی اللہ کے حکم سے عمل میں آئی تھی. اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِيَاۗىِٕهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ۭ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا﴾ (پس جب زید نے اس سے اپنی ضرورت پوری کرلی، تو ہم نے اس سے آپ کی شادی کردی، تاکہ مومنوں کے لئے ان کے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں سے شادی کرنے میں کوئی حرج باقی نہ رہے، جب وہ منہ بولے بیٹے ان بیویوں سے اپنی ضرورت پوری کرلیں، اور اللہ کے فیصلے کو بہر حال ہونا ہی تھا)(۳).

آیت سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے اللہ کی اجازت سے زینب کے ساتھ شادی کی تھی مگر قرآن مجید میں اس اجازت کا کہیں بھی ذکر نہیں ہے، بلکہ صرف اتنا مذکور ہے کہ آپ کی شادی اللہ کے حکم سے ہوئی تھی(۴).

۵- بنو نضیر(۵) کا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ معاہدہ تھا، لیکن ان کی جانب سے بار بار اس کی مخالفت ہوئی اور

---

(۱) سورۃ التحریم: آیت/ ۳.

(۲) تفسیر ابن کثیر: ۴/ ۳۸۶-۳۸۸، سنت کی آئینی حیثیت، علامہ مودودی: ص/ ۱۲۲-۱۲۳.

(۳) سورۃ الأحزاب: آیت/ ۳۷.

(۴) دیکھئے تفسیر ابن کثیر: ۳/ ۴۹۱، ابن کثیر فرماتے ہیں: ''جس نے آپ کی شادی کرائی وہ اللہ تعالیٰ ہے یعنی اللہ نے آپ کو بغیر ولی، بغیر عقد ومہر اور گواہ کے دخول کی اجازت دے دی. اس کے بعد اس لمبی روایت کو ذکر کیا ہے جسے امام احمد نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے. اس واقعہ سے متعلق بخاری ومسلم اور نسائی وغیرہم کی روایت کو بھی نقل کیا ہے. اس سلسلے میں مودودی کی کتاب سنت کی آئینی حیثیت ص: ۱۲۳-۱۲۴ کا مطالعہ بھی کیا جاسکتا ہے.

(۵) بنو نضیر یہودیوں کی ایک قوم ہے جو مدینہ منورہ میں آباد تھی. ان لوگوں نے دھوکے میں آپ کو قتل کردینے کی سازش تیار کی تھی جب آپ ان =

رسول اللہ ﷺ کو مجبوراً ان سے جنگ کرنا پڑا۔ آپ لوگوں کے ساتھ وہاں پہنچے اور ان کا محاصرہ کر دیا۔ وہ لوگ قلعہ بند ہوگئے چنانچہ ان کے باغات کو نیست و نابود کر دیا گیا۔ بعض مسلمانوں پر یہ فعل شاق گزرا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰٓى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ (تم نے کھجور کے جو درخت کاٹے یا جن درختوں کو اُن کی جڑوں پر کھڑا رہنے دیا، تو یہ کام اللہ کے حکم سے ہوا)(۱).

مگر قرآن اس اجازت کے تذکرہ سے خاموش ہے، لہذا یہ بات قطعی طور پر ثابت ہوتی ہے جسے ہم پہلے بھی کہہ چکے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس قرآن کے علاوہ وحی کا بھی نزول ہوتا تھا(۲).

اس کے بعد اب میں ان احادیث و آثار کو ذکر کرنے جا رہا ہوں جو سنت نبویہ کے وحیِ الٰہی ہونے پر دلالت کرتے ہیں.

مقدام بن معد یکرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «ألا انی أوتيت الكتاب ومثله معه، ألا يوشک رجل شبعان على أريكته يقول: عليكم بهذا القرآن، فما وجدتم فيه من حلال فاحلوه، وما وجدتم فيه من حرام فحرموه، وأن ما حرم رسول الله كما حرم الله» ''جان رکھو مجھے قرآن دیا گیا ہے اور اس کے ساتھ ویسی ہی ایک اور چیز بھی، خبردار رہو! ہوسکتا ہے کوئی پیٹ بھرا اپنی مسند پر بیٹھا ہوا کہنے لگے کہ تم پر بس قرآن کی پیروی لازم ہے، جو کچھ اس میں حلال پاؤ اسے حلال سمجھو اور جو کچھ اس میں حرام پاؤ اسے حرام سمجھو، حالانکہ رسول ﷺ نے جس کو حرام قرار دیا ہے وہ اللہ کے حرام کئے ہوئے کی طرح ہے''(۳).

حسان بن عطیہ فرماتے ہیں جبرئیل علیہ السلام رسول ﷺ کے پاس جس طرح قرآن لے کر آیا کرتے

= دو اشخاص کی دیت کے سلسلے میں ان سے مدد کے لئے گئے تھے جنہیں بنو عامر کے لوگوں نے قتل کر دیا تھا۔ جب آپ کو ان کے ارادہ کی خبر ہوگئی تو آپ نے ان سے جنگ کرنے کا فیصلہ کر لیا اور ان کی طرف چل پڑے۔ جب وہ لوگ قلعہ بند ہوگئے تو آپ نے ان کے کھجور کے باغات کو کاٹنے اور جلا دینے کا حکم دے دیا۔ اللہ نے ان کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب ڈال دیا جس کے نتیجہ میں انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ ان کی جان بخش دی جائے اس کے بدلے مسلمانوں کے اونٹ جتنا مال لے جاسکیں لے جائیں البتہ ہتھیار چھوڑ دیں.
اس کے بعد وہ اپنے اموال رسول اللہ ﷺ کے لئے چھوڑ کر مدینہ سے نکل گئے. (عیون الأثر، ابن سید الناس: ۲/ ۴۸).

(۱) سورۃ الحشر: آیت/ ۵.

(۲) ملاحظہ ہو تفسیر ابن کثیر (سورۃ الحشر: ۵): ۴/ ۳۳۳-۳۳۴، نیز ملاحظہ ہو سنت کی آئینی حیثیت: ص/ ۱۲۴.

(۳) ابو داؤد، کتاب السنہ، باب لزوم السنہ: ۴/ ۲۵ ترمذی، کتاب العلم، باب ما نهى عنه أن يقال عند حديث النبی صلى الله عليه وسلم: ۵/ ۳۸، ابن ماجہ مقدمہ، باب تعظيم حديث رسول الله صلى الله عليه وسلم: ۱/ ۶، دارمی، مقدمہ، باب السنہ قاضية على كتاب الله: ۱/ ۱۴۴.

تھے اسی طرح سنت لے کر آیا کرتے تھے اور آپ کو جس طرح قرآن کی تعلیم دیا کرتے تھے اسی طرح سنت کی تعلیم دیتے تھے(۱)۔

ابوالبقاء(۲) کلیات میں لکھتے ہیں: ''حاصل کلام یہ کہ قرآن وحدیث منزل من اللہ ہونے میں برابر ہیں، اس کا ثبوت: ﴿اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى﴾ ہے، البتہ دونوں میں فرق یہ ہے کہ قرآن اعجاز اور چیلنج کے لئے نازل ہوا ہے برخلاف حدیث کے، نیز قرآن کے الفاظ لوحِ محفوظ میں نقش ہیں، اور اس میں نہ جبریل کو اور نہ ہی رسول کو تصرف کا حق حاصل ہے۔

مگر احادیث کے سلسلے میں بہر حال یہ احتمال موجود ہے کہ جبریل پر صرف ان کے معانی نازل کے گئے ہوں اور انہوں نے ان معانی کو الفاظ کا جامہ پہنایا ہو اور رسول ﷺ نے وہی عبارت بیان کر دیا ہو، یا انہوں نے رسول پر الہام کیا ہو اور انہوں نے اپنے الفاظ میں اس کی مناسب تعبیر فرمائی ہو(۳)۔

ابن حزم لکھتے ہیں: ہم سے عبدالرحمٰن بن سلمہ نے، ان سے احمد بن خلیل نے، ان سے خالد بن سعد نے ان سے یحیٰی بن عمر نے، ان سے حارث بن مسکین نے، ان سے ابن وہب نے روایت کیا ہے کہ امام مالک فرماتے ہیں: ''رسول اللہ ﷺ سے جب بھی کسی شئی کے متعلق دریافت کیا جاتا تو اس کا جواب اس وقت تک نہیں دیتے جب تک آسمان سے وحی نازل نہ ہو جاتی''(۴)۔

امام حازمی(۵) اپنی کتاب ''ناسخ ومنسوخ'' میں تحریر فرماتے ہیں: ''سنت کو جبریل لایا کرتے تھے اور رسول

---

(۱) دارمی، مقدمہ، باب السنہ قاضیة علی کتاب اللہ: ۱/۱۴۵۔

(۲) ابوالبقاء ایوب بن موسیٰ الحسینی الکوفی الحنفی قرم کے شہر ''کفا'' میں پیدا ہوئے، جب آپ قدس کے قاضی تھے اسی زمانہ میں انتقال ہوا۔ آپ کے آثار میں سے ''کلیات'' ہے۔ (ملاحظہ ہو معجم المؤلفین: ۳/۳۱، ہدیۃ العارفین: ۱/۲۲۹)۔

(۳) ملاحظہ ہو، قواعد التحدیث للقاسمی: ص/۵۹۔

(۴) الاحکام فی اصول الأحکام: ص/۱۷۶، جریر بن مطعم سے روایت ہے ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا اے اللہ کے رسول دنیا میں کون سی جگہ اللہ کے نزدیک زیادہ محبوب ہے اور کون سب سے زیادہ مبغوض ہے؟ آپ نے کہا مجھے نہیں معلوم، جبرئیل سے پوچھ کر بتاؤں گا، جب جبرئیل آئے تو رسول نے جواب دیا اللہ کے نزدیک دنیا کی سب سے محبوب جگہ مسجد ہے اور سب سے زیادہ مبغوض جگہ بازار ہے۔ (اسے بزار نے روایت کیا ہے، اس حدیث کے اور بھی اسانید ہیں جو احمد اور ابویعلیٰ کی کتابوں میں مذکور ہیں، البتہ ان میں ''مساجد'' کا ذکر نہیں ہے، دیکھئے مجمع الزوائد: ۲/۶ "باب فضل المساجد ومواضع الذکر والسجود"۔

(۵) یہ محمد بن موسیٰ بن عثمان بن حازم ہمدانی ہیں۔ محدث، مورخ، حافظ، نسابہ اور فقیہ تھے ۵۴۹ھ میں ہمدان کے راستہ میں ولادت ہوئی اور وہیں پرورش بھی پائی۔ بغداد میں حدیث کی تعلیم حاصل کی، بلاد شام، موصل، بلاد فارس، اصبہان اور دیگر مقامات کے بھی سفر طے کئے۔ ۵۸۴ھ میں وفات ہوئی، آپ کی بہت سی قیمتی تصنیفات ہیں جن میں سے چند یہ ہیں۔ الاعتبار فی بیان الناسخ والمنسوخ، شروط=

اللہ ﷺ کو اس کی تعلیم دیتے تھے، لہذا آپ کوئی ایسی بات نہیں کہتے تھے جو وحیِ الٰہی کے خلاف ہو بجز اس کے جو وحیِ الٰہی کے ذریعہ منسوخ ہو چکی ہو. پس وحی کا معنی رسول اللہ ﷺ کا قول ہے اگر وہ سندِ صحیح سے ثابت ہو (١).

امام بخاری (٢) نے "باب ما كان النبى صلى الله عليه وسلم يسأل مما لم ينزل عليه الوحي، فيقول: لاَ أدرى أو لم يجب، حتى ينزل عليه الوحى" (٣) کے تحت کچھ اس قسم کی حدیثیں روایت کی ہیں کہ جس سے پتہ چلتا ہے کہ جب بھی رسول اللہ ﷺ سے کسی ایسے امر کے متعلق سوال کیا جاتا جس کے بارے میں پہلے سے وحی نازل نہیں ہوتی ہے تو آپ فرماتے: ''میں اس بارے میں نہیں جانتا یا آپ خاموش رہتے یہاں تک کہ آپ پر وحی نازل ہو جاتی''

امام جوینی (٤) کا بھی اس سلسلے میں بہت عمدہ کلام ہے جسے میں انہی کی عبارت میں نقل کر رہا ہوں، اس کی اہمیت کے پیش نظر ہی سیوطی (٥) نے بھی اس کو اتقان میں نقل کیا ہے.

امام جوینی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: '' اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ کلام کی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم: اللہ تعالیٰ جبریل سے کہتا ہے تم اس نبی (ﷺ) سے کہو جس کی طرف بھیجے جا رہے ہو کہ اللہ تعالیٰ

= الأئمه الخمسه، عجالة المبتدى في الأنساب ومعرفة ما يجب للشيوخ على الشبان، (ملاحظہ ہو معجم المؤلفین: ١٢/ ٦٤، طبقات الشافعیہ: ٤/ ١٨٩-١٩٠، تذکرۃ الحفاظ: ٤/ ١٥١-١٥٣).

(١) کتاب الاعتبار: ص/ ٢٦، مروزی نے اپنی سند کے ذریعہ عبداللہ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں: '' جب جبرئیل رسول اللہ ﷺ پر قرآن لے کر نازل ہوتے تو آپ پر بیہوشی کی کیفیت طاری ہو جاتی اور جبرئیل اس کو آپ کے سینے میں ڈال دیتے جب تک یہ کیفیت ختم ہوتی تب تک آپ اس کو حفظ کر چکے ہوتے پھر اس کو پڑھتے، لیکن سنت کو خود جبرئیل پڑھایا کرتے تھے اور آپ سے سنتے تھے، (ملاحظہ ہو السنۃ للمروزی: ص/ ٣٠).

مروزی کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے رب کی اجازت اور اس کی وحی سے ہی کسی چیز کو مسنون و مشروع قرار دیا ہے اپنی طرف سے نہیں اور اللہ تعالیٰ نے اس کی گواہی دی ہے، فرمانِ الٰہی ہے: ﴿وَالنَّجْمِ إِذَا هَوٰى ۝ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ۝ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحٰى﴾ (دیکھئے السنۃ للمروزی ص/ ١٠).

(٢) محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن المغیرۃ الجعفی ابو عبداللہ البخاری، حفظ میں مثل جبل اور دنیا کے امام تھے، ٢٥٦ھ میں ٦٢ سال کی عمر میں وفات ہوئی (دیکھئے تقریب التہذیب: ٢/ ١٤٤).

(٣) فتح الباری: ١٣/ ٢٩٠.

(٤) عبدالملک بن عبداللہ بن یوسف بن محمد الجوینی، امام الحرمین کے لقب سے جانے جاتے ہیں، فقیہ، اصولی، متکلم، مفسر اور ادیب تھے. ولادت ٤١٩ھ اور وفات ٤٧٨ھ میں ہوئی.

(٥) عبدالرحمن بن ابی بکر بن محمد بن ابی بکر بن عثمان بن محمد بن خضر بن ایوب الخضیری الأصل الطولونی المصری الشافعی، جلال الدین آپ کا لقب ہے. ٨٤٩ھ میں پیدا ہوئے اور ٩١١ھ میں وفات ہوئی، کئی علوم میں دسترس حاصل تھی. حافظ حدیث ہونے کے ساتھ ساتھ بہت سی کتابوں کے مصنف بھی ہیں. (ملاحظہ ہو الضوء اللامع: ٤/ ٦٥، شذرات الذہب: ٨/ ٥١-٥٥، البدر الطالع: ١/ ٣٢٨-٣٣٥.

فرماتے ہیں کہ آپ فلاں فلاں کام کریں. یا آپ کو فلاں کام کا حکم دیا گیا ہے. جبریل اپنے رب کی بات سمجھ جاتے ہیں اور اس کلام کو لے کر رسول پر نازل ہوتے ہیں اور ان سے اپنے رب کی بات دہراتے ہیں مگر یہ عبارت وہ عبارت نہیں ہوتی، جیسے کوئی بادشاہ اپنے معتمد سے کہتا ہے: فلاں شخص سے کہو کہ بادشاہ کہتے ہیں کہ تم دن رات خدمت کرو اور اپنی فوج کو جنگ کے لئے تیار رکھو. اگر وہ قاصد اس بات کو یوں کہے کہ بادشاہ آپ سے عرض کرتے ہیں کہ آپ ان کی خدمت میں کسی طرح کی کوتاہی نہ کریں اور اپنی فوج کو ادھر ادھر نہ پھرنے دیں اور انہیں قتال کی تربیت دیں، تو نہ وہ جھوٹا کہلائے گا اور نہ ہی پیغام رسانی میں کسی طرح کی تقصیر مانی جائے گی.

کلام کی دوسری قسم: اللہ تعالیٰ جبریل سے کہتا ہے: اس کتاب کو نبی پر پڑھ دو. اس کے بعد جبریل بلا کسی تبدیلی کے اللہ کے کلام کے ساتھ رسول پر نازل ہوتے ہیں، جیسے کوئی بادشاہ اپنا کوئی مکتوب کسی امانتدار شخص کے حوالہ کر کے کہے: اسے فلاں کو سنا آؤ. تو وہ مکتوب میں ایک حرف کی بھی کمی یا زیادتی نہیں کرتا" (انتہیٰ).

اس کے بعد امام سیوطی اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں: میں کہتا ہوں قرآن دوسری قسم میں داخل ہے اور سنت پہلی قسم میں، اور احادیث و آثار میں مذکور ہے کہ جبریل علیہ السلام جس طرح قرآن لے کر نازل ہوا کرتے تھے اسی طرح سنت لے کر بھی نازل ہوتے تھے. اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سنت کی بالمعنیٰ روایت جائز ہے، کیونکہ جبریل نے رسول تک صرف اس کا معنیٰ پہنچایا ہے مگر بالمعنیٰ قراءت جائز نہیں، اس لئے کہ جبریل نے اسے لفظاً آپ تک پہنچایا ہے انہیں معنیٰ کے وحی کرنے کی اجازت نہیں دی گئی[1].

امام ابن حزم فرماتے ہیں: "یہ ثابت ہونے کے بعد کہ قرآن کریم ہی وہ اصل ہے جس کی طرف دینی معاملات میں رجوع کیا جا سکتا ہے جب ہم نے اس میں غور کیا تو پایا کہ اس میں رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کو بھی واجب ٹھہرایا گیا ہے. نیز یہ کہ اللہ اپنے رسول کی یوں توصیف فرماتا ہے: ﴿وَ مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى﴾ (اور وہ اپنی خواہشِ نفس کی پیروی میں بات نہیں کرتے ہیں، وہ تو وحی ہوتی ہے جو اُن پر اُتاری جاتی ہے).

اس سے یہ بات متحقق ہو جاتی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے رسول کی جانب نازل ہونے والی وحی کی دو قسمیں ہیں:

ایک وہ وحی ہے: جس کی تلاوت کی جاتی ہے، اللہ کی جانب سے تیار کردہ اور معجز ہوتی ہے اور وہ قرآن کریم ہے.

---

(۱) ملاحظہ ہو الاتقان فی علوم القرآن: ۱/۵۹.

وحی کی دوسری قسم وہ ہے: جو مروی ومنقول ہوتی ہے، اللہ کی جانب سے تیار کردہ اور معجز نہیں ہوتی ہے اور نہ ہی اس کی تلاوت کی جاتی ہے، لیکن پڑھی جاتی ہے، اور یہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے، جو ہمارے لئے اللہ تعالیٰ کے احکام کی تشریح وتفسیر کرتی ہے.

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيۡهِمۡ﴾ (تاکہ لوگوں کے لئے جو کچھ نازل کیا گیا ہے، اسے آپ ان کے لئے کھول کر بیان کر دیجئے) پتہ چلا کہ اللہ تعالیٰ نے وحی کی اس دوسری قسم کی اتباع کو اسی طرح واجب قرار دیا ہے جس طرح پہلی قسم کی وحی کی اتباع کو جو قرآن کریم ہے، ان دونوں قسموں میں کوئی فرق نہیں. اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ﴿اَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيۡعُوا الرَّسُوۡلَ﴾ (اور اللہ کی اطاعت کرو، اور رسول کی اطاعت کرو)، چنانچہ وہ اخبار جن کا ہم نے ذکر کیا ہے ان تین اصولوں میں سے ایک ہے جن کی اطاعت کو ہم پر لازم ٹھہرا دیا گیا ہے، اس آیت جامعہ کے ذریعہ جو کہ از اوّل تا آخر تمام شریعتوں کو شامل ہے، اور وہ آیت یہ ہے: ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَطِيۡعُوا اللّٰهَ﴾ (اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو) یہ اصلِ اوّل ہے یعنی قرآن کریم، پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَ اَطِيۡعُوا الرَّسُوۡلَ﴾ (اور رسول کی اطاعت کرو) یہ اصل ثانی ہے اور یہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے[1].

آگے فرماتے ہیں: اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے نبی کے بارے میں کہا ہے: ﴿وَ مَا يَنۡطِقُ عَنِ الۡهَوٰى ؕ اِنۡ هُوَ اِلَّا وَحۡىٌ يُّوۡحٰى ﴾ (اور وہ اپنی خواہشِ نفس کی پیروی میں بات نہیں کرتے ہیں، وہ تو وحی ہوتی ہے جو اُن پر اُتاری جاتی ہے) نیز وہ اپنے نبی کو یہ اعلان کرنے کا حکم دیتا ہے: ﴿اِنۡ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوۡحٰۤى اِلَىَّ﴾ (میں تو صرف اس وحی کی اتباع کرتا ہوں جو مجھ تک بھیجی جاتی ہے) [الأنعام: ٥٠] پھر ارشاد فرماتا ہے: ﴿اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰـفِظُوۡنَ﴾ (بے شک ہم نے قرآن کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں) [الحجر: ٩] اور ﴿لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيۡهِمۡ﴾ (تاکہ لوگوں کے لئے جو کچھ نازل کیا گیا ہے، اسے آپ ان کے لئے کھول کر بیان کر دیجئے) [النحل: ٤٤] پس یہ صحیح ہے کہ دین سے متعلق رسول اللہ ﷺ کا جو بھی کلام ہے وہ اللہ کی جانب سے وحی ہے، اس میں کوئی شک نہیں، نیز اہلِ لغت وشریعت کے مابین اس میں بھی اختلاف نہیں ہے کہ ہر وہ وحی جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ ہے وہ اُس کی جانب سے نازل کردہ ذکر وشریعت ہے.

اس کے بعد ابن حزم فرماتے ہیں: اور بیان (قرآن کریم کا بیان) کلام کے ذریعہ ہوتا ہے، پس رسول کی تلاوت بھی بیان ہی ہے، البتہ اگر کوئی آیت مجمل ہے، لفظ سے اس کا معنیٰ نہیں سمجھا جا سکتا تو وحی کے ذریعہ اس کو بیان

(١) الإحکام فی اصول الأحکام: ص / ٨٧.

کرتے ہیں خواہ وہ وحی متلو ہو یا غیر متلو، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ۝ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ﴾ (جب ہم اس کی قراءت پوری کرلیں تو آپ اُسے پڑھ لیا کیجئے پھر اس کے بیان کی ذمہ داری ہماری ہے) [القیامۃ:۱۸]. اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس آیت میں یہ خبر دی ہے کہ قرآن کے بیان کی ذمہ داری خود اسی پر ہے. اور جب یہ اس کی ذمہ داری ہے تو قرآن کا بیان اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی آتا ہے، اور تمام وحی خواہ متلو ہو یا غیر متلو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ ہے[۱].

قرآن کی شہادت کے مطابق "سنت" محفوظ ہے:

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے: ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾ (بے شک ہم نے قرآن کو نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں).

اور سنت نبویہ ان دو ستونوں میں سے ایک ہے، جن پر دین کی مضبوط عمارت قائم ہے، لہٰذا اس میں کسی کو شک نہیں ہونا چاہئے کہ لفظ "ذکر" میں سنت بھی شامل ہے[۲]. کیونکہ اگر ہم یہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ نے صرف قرآن کریم کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے تو ہمیں لازماً یہ بھی کہنا ہوگا کہ اس کی طرف سے سنت کی حفاظت نہیں کی گئی جس کے نتیجے میں سنت کے ضائع ہونے کے ساتھ ساتھ دین کا ایک معتد بہ حصہ ضائع ہوگیا. اور اس میں جھوٹی باتوں اور خود ساختہ خیالات کا دخول بھی ہوگیا. (دین کے متعلق اس طرح کے خیالات رکھنے والوں سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں).

اس کی مزید وضاحت میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ قرآن کی حفاظت کا وہ کام جس کا اللہ تعالیٰ نے ذمہ لیا تھا مسلمانوں کے ہاتھوں انجام پایا. زمانۂ نزول ہی میں ہزاروں لوگوں نے اسے حفظ کرلیا تھا، پھر وقت کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہا اور حفاظ کی تعداد میں بھی زیادتی ہوتی رہی، لاکھوں کی تعداد سے کروڑوں کی تعداد ہوئی یہاں تک کہ ہر دور اور ہر زمانہ میں حفاظ قرآن کی ایک بہت بڑی تعداد پائی جاتی رہی اور جو عدیم المثال اہتمام قرآن کا ہوا وہ کسی دوسری کتاب کو میسر نہیں ہوسکا، اسی کا نتیجہ تھا کہ کوئی بھی اس میں کسی قسم کی تبدیلی کرنے کی جسارت نہیں کرسکا، یہ تمام چیزیں اس بات کی واضح دلیل ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے خود اس کی حفاظت کا ذمہ لیا تھا.

---

(۱) الاحکام فی اصول الأحکام: ص/۱۰۹.

(۲) ابن حزم کی بھی یہی رائے ہے، عبداللہ بن مبارک سے پوچھا گیا کہ ان موضوع حدیثوں کا کیا ہوگا؟ تو آپ نے کہا: اس کے لئے بڑے بڑے عباقرہ پیدا ہوتے رہیں گے: ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾ (بے شک ہم نے قرآن کو نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں) دیکھئے: التدریب: ص/۱۰۲.

ایسا ہی کچھ رسول اللہ ﷺ کی حدیث کے ساتھ بھی ہوا، نبی اکرم ﷺ خاتم النبیین تھے، آپ کی نبوت سلسلۂ نبوت کی آخری کڑی تھی. اور آپ کے بعد رسالت الٰہیہ کا دروازہ ہمیشہ ہمیش کے لئے بند ہونے والا تھا لہذا ضروری تھا کہ سنت کی حفاظت کا کام اسی طرح عمل میں آئے جس طرح قرآن کی حفاظت کا ہوا.

اور ہوا بھی ایسا ہی، امت مسلمہ نے مکمل حزم واحتیاط اور پوری امانت و دیانت کے ساتھ اپنے رسول کی زندگی سے متعلق ہر چھوٹی بڑی بات کو محفوظ کر لیا، یہ مقام کسی بھی نبی یا حاکم یا لیڈر یا قائد کی تاریخ کو حاصل نہیں ہو سکا.

یہ کام اسی طریقہ اور نہج پر انجام پایا جس طریقہ پر حفظ قرآن کا عمل انجام پایا تھا، سنت کو ان صحابہ نے حفظ کیا جو غیر معمولی قوت حفظ وضبط کے مالک تھے، اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے دین کی حفاظت کے لئے ہی اس طرح کی قوت حافظہ سے نوازا تھا. پھر ان کے بعد امانت و دیانت کے پیکر علماء کرام نے اسے مدوّن فرمایا اور ہر طرح کی آمیزش سے پاک وصاف بنایا. نتیجہ یہ نکلا کہ سنت ویسی ہی ہوگئی جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿نُّسْقِيكُم مِّمَّا فِي بُطُونِهِ مِن بَيْنِ فَرْثٍ وَدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشَّارِبِينَ﴾ (اس کے پیٹ میں جو گوبر اور خون ہے ان کے درمیان سے خالص دودھ نکال کر ہم تمہیں پلاتے ہیں جو پینے والوں کے لئے بڑا ذائقہ دار ہوتا ہے)(١).

مسلم معاشرہ نے شروع دن سے لے کر آج تک سنت رسول کو اپنی انفرادی واجتماعی زندگی میں جاری کر رکھا ہے، آپ پانچوں وقت کی نماز، وضو، اذان، مساجد میں جماعت کا قیام، عیدین کی نماز، مناسک حج، زکوٰۃ کی ادائیگی، نکاح وطلاق اور وراثت کے مسائل، حلال وحرام کے مسائل، اسلامی تہذیب وتمدن کے تمام اصول وضوابط، اور ان کے علاوہ دیگر احکام ومسائل کی طرف دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ یہ تمام چیزیں اس طرح اسلامی معاشرہ کا جزء بن چکی ہیں اور مسلم معاشرہ کا ہر فرد خواہ چھوٹا ہو یا بڑا، مرد ہو یا عورت ان احکام کا اس طرح خوگر ہو چکا ہے کہ انہیں صفحۂ عالم سے مٹایا نہیں جا سکتا.

معلوم یہ ہوا کہ سنت محمدیہ کی حفاظت کا کام بالکل اسی طرح انجام پایا ہے جس طرح قرآن کی حفاظت کا کام ہوا ہے. جو شخص اس سے اتفاق نہیں رکھتا وہ درحقیقت قرآن کو غیر محفوظ ثابت کرنا چاہتا ہے، تاکہ وہ اپنے اس مقصد کو حاصل کر سکے جس کے لئے اتنا تگ ودو کر رہا ہے، خواہ اس کا تعلق مستشرقین سے ہو یا ان کے فرمانبردار شاگردوں کی جماعت سے جو زبان سے اسلام کی تابعداری کا اظہار تو کرتے ہیں مگر اپنے سینوں میں اس کے خلاف عناد ودشمنی پال رکھا ہے. جن کی دلی خواہش ہے کہ کسی طرح وہ اللہ تعالیٰ کے نور کو گل کرنے میں کامیاب ہو جائیں مگر اللہ تعالیٰ

(١) سورۃ النحل: آیت/ ٦٦.

اپنے نور کو باقی رکھنا چاہتا ہے.

امام ابن حزم فرماتے ہیں: قرآن کریم اور خبر صحیح ایک سکہ کے دو رُخ ہیں اور مُنزَّ ل من اللہ ہونے میں دونوں ایک ہیں. وجوب اطاعت کے باب میں بھی دونوں کا حکم ایک ہی ہے، اس کی وضاحت بحث کی ابتدا ہی میں کر چکا ہوں. اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ﴾ (بے شک ہم نے ذکر (قرآن وسنت) کو نازل کیا ہے، اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں).

نیز ارشاد باری ہے: ﴿قُلۡ اِنَّمَاۤ اُنۡذِرُكُمۡ بِالۡوَحۡىِ﴾ (کہہ دیجئے میں تمہیں وحی کے ذریعہ ڈراتا ہوں)(۱) جیسا کہ ہم اس سے قبل بیان کر چکے ہیں کہ نبی ﷺ کا تمام کلام وحی ہے. اور بلا اختلاف وحی ''ذکر'' ہے. اور بزبان قرآن ''ذکر'' محفوظ ہے''(۲).

آگے فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے بارے میں کہا ہے: ﴿وَ مَا يَنۡطِقُ عَنِ الۡهَوٰىؕ اِنۡ هُوَ اِلَّا وَحۡىٌ يُّوۡحٰى﴾ (اور وہ اپنی خواہشِ نفس کی پیروی میں بات نہیں کرتے ہیں، وہ تو وحی ہوتی ہے جو اُن پر اُتاری جاتی ہے) نیز اپنے نبی کو یہ کہنے کا حکم دیا ہے: ﴿اِنۡ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوۡحٰۤى اِلَىَّ﴾ (میں تو صرف اس وحی کی اتباع کرتا ہوں جو مجھ تک بھیجی جاتی ہے) اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ﴾ (بے شک ہم نے ذکر کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں) [الحجر: ۹]. نیز ارشاد ہے: ﴿لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيۡهِمۡ﴾ تا کہ لوگوں کے لئے جو کچھ نازل کیا گیا ہے، اسے آپ ان کے لئے کھول کر بیان کر دیجئے).

پس اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ امورِ دین سے متعلق رسول اللہ ﷺ کا جو بھی کلام ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ وحی ہے. نیز اس بارے میں اہل لغت وشریعت کے درمیان کوئی اختلاف نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے نازل کردہ ہر وحی ذکرِ مُنزَّ ل ہے، اور ہر وحی اللہ تعالیٰ کی یقینی حفاظت کے ذریعہ محفوظ ہے.

جب اللہ تعالیٰ کسی چیز کی حفاظت کا ذمہ لے لیتا ہے تو اس میں سے کچھ بھی ضائع نہیں ہو سکتا، اور نہ ہی اس میں ذرہ برابر تحریف کی جا سکتی ہے، اگر ایسا ہوا بھی تو یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ اس کے بطلان کو ظاہر نہ کر دے، یہ ایسی حقیقت ہے جس کو معمولی عقل کا آدمی بھی سمجھ سکتا ہے، پس یہ امر یقینی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جس دین کو لے کر آئے تھے وہ اللہ تعالیٰ کی نگہبانی سے بالکل محفوظ ہے، اور قیامت تک جو بھی آئے گا اسے محفوظ ہی پائے گا، کیونکہ اللہ

(۱) سورۃ الأنبیاء: آیت/ ۴۵.

(۲) الإحکام فی اصول الاحکام: ص/ ۸۸.

تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿لِأُنذِرَكُم بِهِ وَمَن بَلَغَ﴾ (تاکہ اس کے ذریعہ تمہیں اور ہر اس شخص کو ڈراؤں جس تک اس قرآن کا پیغام پہنچے) [الأنعام:۱۹].

جب حقیقت امر یہی ہے تو ہمیں لازماً اس کا اعتراف کرنا چاہئے کہ رسول اللہ ﷺ نے دین سے متعلق جو کچھ فرمایا ہے اس میں سے کسی چیز کے ضائع ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، یہ بھی ممکن نہیں کہ اس کے ساتھ باطل وموضوع اس طرح خلط ملط ہو گئے ہوں کہ لوگوں کے لئے اس سلسلے میں یقین کے ساتھ کچھ کہنا مشکل ہو، اس لئے کہ اگر اسے جائز تصور کیا گیا تو پھر ذکر کو غیر محفوظ ماننا پڑے گا. اور اللہ تعالیٰ کا قول: ﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾ (بے شک ہم نے قرآن کو نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں) کو جھوٹ اور دعویٰ بلا حقیقت کہنا پڑے گا، حالانکہ اس قسم کی بات کوئی مسلمان اپنی زبان پر بھی نہیں لاسکتا.

اگر کوئی یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے ذریعہ صرف قرآن کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے بقیہ وحی کا نہیں تو اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہم یہ جواب دیں گے کہ یہ دعویٰ کذب پر مبنی ہے اور دلیل وبرہان سے عاری ہے، نیز "ذکر" کی یہ تخصیص بلا دلیل ہے اور جس دعویٰ کی حالت یہ ہو وہ سرے سے باطل ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ﴾ (آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم سچے ہو تو اپنی دلیل لاؤ) [البقرة:۱۱۱].

معلوم ہوا کہ جس دعویٰ کے ساتھ کوئی دلیل نہ ہو اس کو سچا نہیں کہا جاسکتا. جہاں تک "ذکر" کا سوال ہے تو اس کا اطلاق نبی کریم ﷺ پر نازل ہونے والے ہر کلام پر ہوتا ہے خواہ وہ قرآن ہو یا سنت، سنت وہ وحی ہے جس کے ذریعہ قرآن کی تشریح کی جاتی ہے.

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ﴾ (اور آپ پر ہم نے قرآن نازل کیا ہے، تاکہ لوگوں کے لئے جو کچھ نازل کیا گیا ہے، اسے آپ ان کے لئے کھول کر بیان کر دیجئے) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ لوگوں کے لئے قرآن کے بیان پر مامور تھے. اس کے علاوہ قرآن میں بہت سے مجمل احکام ہیں جیسے نماز، زکوۃ، حج وغیرہ جن کے متعلق قرآن کے ذریعہ ہم یہ نہیں معلوم کر سکتے کہ اس سلسلہ میں ہم پر کیا واجب ہے. اس کو ہم رسول کے بیان سے ہی جان سکتے ہیں. اور جب اس اجمال سے متعلق رسول کا بیان محفوظ نہیں، اور نہ ہی وہ بیان آمیزش سے پاک ہے تو پھر نصِ قرآن سے انتفاع بھی ناممکن ہوگا اور ہم پر واجب اکثر شرعی فرائض بھی باطل ہیں (۱).

(۱) الإحكام في أصول الأحكام: ص/۱۰۹-۱۱۰.

فصل ثانی

احادیثِ نبویہ سے حجیتِ سنت کی تائید وتوثیق

قارئین کرام پچھلے صفحات میں پڑھ چکے ہیں کہ کس طرح قرآن کریم نے حجیتِ سنت کو ثابت کیا ہے. اور اللہ تعالیٰ نے کن کن اسالیب اور کن کن طریقوں کے ذریعہ مسلمانوں پر رسول کی پیروی کو واجب ٹھہرایا ہے. کبھی رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے کا حکم دے کر، کبھی اپنے ایمان کے حکم کے ساتھ ان پر ایمان لانے کے حکم کو ذکر کر کے، کبھی ان کی مستقل اطاعت کو واجب بتا کر، اور کبھی اس کو ان کی زندگی میں اور وفات کے بعد لازم ٹھہرا کر. اُن کے علاوہ اور بھی بہت سی آیتیں ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ سنتِ رسول (ﷺ) کی پیروی نہ کرنا درحقیقت ان کی رسالت کا انکار کرنا ہے.

جو کچھ مذکور ہوا ہے وہ حجیتِ سنت کے اثبات کے لئے کافی تھا، لیکن میں نے مناسب سمجھا کہ ان احادیث میں سے بعض کا تذکرہ ہو جائے جو ہمیں بتاتی ہیں کہ احادیثِ نبوی کو مصدرِ شریعت کی حیثیت سے قبول کئے بغیر کوئی چارۂ کار نہیں ہے. اور اس کے بغیر تکمیلِ دین ممکن نہیں ہے. انہیں ذکر کرنا اس لئے بھی مناسب سمجھا کہ جو لوگ سنت پر یقین رکھتے ہیں اور اسے شریعت کے اصولوں میں سے ایک اصل مانتے ہیں، ان کے دل مطمئن ہو جائیں، اور سنت کے تئیں ان کا جو نظریہ واعتقاد ہے اس میں مزید پختگی وپائیداری پیدا ہو جائے.

مگر اللہ تعالیٰ نے جس کے قلب وبصیرت کو بے نور کر دیا ہے جس کی وجہ سے وہ احادیث نبویہ کی حجیت کا انکار کرتے ہیں. ان پر قرآن کے قطعی دلائل کے ذریعہ حجت قائم ہو چکی ہے. اور ہماری ذمہ داری حجت قائم کر دینا ہی ہے، ہدایت دینا اللہ رب العالمین کے ہاتھ میں ہے.

حجیتِ سنت کی شاہد حدیثیں:

۱- امام ترمذی ابن مسعود سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: «نضَّر الله امرءاً سمع منا شيئاً فبلغه كما سمعه، فرُبّ مُبلغ أوعى من سامع» وقال: هذا حديث حسن صحيح (۱)
اللہ تعالیٰ اس بندے کو تر وتازہ رکھے جس نے میری حدیث سنی اور جو سنا تھا بعینہ اسے دوسروں تک پہنچا دیا اور بہت

(۱) سنن ترمذی، کتاب العلم، باب ماجاء في الحث على تبليغ السماع: ۵/۳۴.

سے پہنچائے جانے والے سامع سے زیادہ یاد رکھنے والے ہوتے ہیں. (امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے) قاری نے کہا ہے: رسول نے حدیث سننے اور اسے بعینہ دوسروں تک پہنچانے والوں کے لئے یہ خاص دعا اس لئے فرمائی ہے کہ اس نے تجدید واحیائے سنت کا کام کیا ہے چنانچہ اس کو کام کی اہمیت کے اعتبار سے بذریعہ دعا مناسب معاوضہ دیا گیا ہے.

اور یہ حدیث کی عظمت اور طالبانِ حدیث کے مقام کی رفعت کی دلیل ہے، اس لئے کہ رسول نے ان کے لئے ایسی خاص دعا فرمائی ہے جس میں امت کا کوئی دوسرا فرد شریک نہیں ہے. اس مبارک دعا کی برکت کے سوا حدیث کی تعلیم اور اس کے حفظ وتبلیغ سے دوسرا کوئی فائدہ حاصل نہ بھی ہوتا تو بھی حظ ونصیب میں اور دارین کی خوش بختی وسعادت میں ہر فائدہ اور ہر سعادت سے بڑھ کر وہ برکت ہی ہوتی (۱).

اس حدیث کو احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ اور ابن حبان نے متقارب الفاظ کے ذریعہ روایت کیا ہے (۲).

ابن عبد البر نے اس کو اس لفظ سے روایت کیا ہے: «رحم الله امرءاً سمع مقالتي فأداها كما سمعها، ورب مبلغ أوعى من سامع» (۳).

سنت کی خدمت کرنے والوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ حدیث کی نشر واشاعت کو اپنی توجہ کا مرکز بنائیں، اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے تبلیغِ حدیث کا حکم دیا ہے. آپ فرماتے ہیں: «بَلِّغُوا عَنِّي وَلَو آيَة» یہاں آیت کی جگہ حدیث نہیں فرمایا، اس لئے کہ اس سے تبلیغِ حدیث کا حکم بطریق اولیٰ سمجھ میں آتا ہے، کیونکہ وہ قرآن کا بیان اور اس کے احکام وشرائع کی تفسیر ہے.

یہ حدیث عبد اللہ بن عمرو اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے جیسا کہ خطیب بغدادی (۴) نے (شرفُ اصحابِ

---

(۱) دیکھئے مقدمہ تحفۃ الأحوذی: ص/۶، (مطبوعہ ہند).

(۲) مسند احمد: ۱/۴۳۷. بحوالہ عبد اللہ بن مسعود، ابوداؤد (کتاب العلم، باب فضل نشر العلم) ۳/۳۲۲، بحوالہ زید بن حارثہ، ابن ماجہ (المقدمہ، باب من بلّغ علمًا: ص/ ۸۴-۸۶، بحوالہ زید بن حارثہ، ابن حبان، موارد الظمآن: ص/۴۷، کتاب العلم، باب رواية الحديث لمن فهمه ومن لا يفهمه).

(۳) جامع بيان العلم وفضله: ۱/۴۰، (باب دعاء الرسول الله صلى الله عليه وسلم لمستمع العلم وحافظه ومبلغه).

(۴) حافظ کبیر، شام وعراق کے امام ومحدث ابوبکر احمد بن علی بن ثابت بن احمد بن مہدی بن ثابت، ولادت ۳۹۲ھ میں اور وفات ۴۶۳ھ میں ہوئی. آپ نے کم وبیش سو کتابیں لکھیں، بلا اختلاف آپ امام عصر اور حافظ وقت تھے (دیکھئے: تذکرۃ الحفاظ: ۳/۱۱۳۵، شذرات: ۳/۳۱۱، وفیات الأعیان: ۱/۲۷.

الحدیث) میں ذکر کیا ہے(۱).

۲۔خطیب نے، معاذ بن جبل، ابو ہریرہ اور ابراہیم بن عبد الرحمٰن العذری سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «يحمل هذا العلم من كل خلف عدوله ينفون عنه تحريف الغالين وانتحال المبطلين وتاويل الجاهلين» ''اس علم کو ہر خلف کے بہترین لوگ حاصل کریں گے.اور اس کو غلو کرنے والوں کی تحریف، باطل پرستوں کی دست درازی اور جاہلوں کی تاویل سے محفوظ رکھیں گے''(۲).

صحابہ میں سے اس حدیث کو علی، ابن عمر، ابن مسعود، ابن عباس، جابر بن سمرۃ، معاذ اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے روایت کیا ہے.ابن عدی نے اس کو کئی اسانید سے روایت کیا ہے مگر سب کے سب ضعیف ہیں، البتہ ممکن ہے کہ تعدُّدِ اَسانید کی بناء پر اس میں تقویت پیدا ہو جائے اور حسن کے درجہ تک پہنچ جائے (۳).

امام نووی ''تہذیب'' کے ابتدا میں لکھتے ہیں: اس میں علمِ حدیث کے محفوظ و مامون ہونے اور اس کے ناقلین کی عدالت کی خبر ہے، اور یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر زمانے میں نیک لوگوں کی جماعت تیار کرے گا جو اس علمِ حدیث کو سیکھے گی اور تحریف سے اس کی حفاظت کرے گی جس کی وجہ سے وہ علم ضائع نہیں ہوگا، نیز اس میں ہر زمانہ کے حاملینِ حدیث کی عدالت کی خبر بھی ہے، اور اللہ کے فضل سے ایسا ہی ہوا بھی.گویا یہ حدیث نبوی پیشین گوئیوں میں سے ایک پیشین گوئی ہے (۴).

۳۔ ترمذی نے معاویہ بن قرۃ سے روایت کیا ہے، وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: «اذا فسد أهل الشام فلا خير فيكم، لَا تزال طائفة من أمتي منصورين لَا يضرهم من خذلهم حتي تقوم الساعة" قال الترمذي: هذا حديث حسن صحيح، وقال: قال محمد بن إسماعيل البخاري، قال علي بن المديني هم أصحاب الحديث» ''جب اہل شام بگڑ جائیں تو پھر تم میں خیر نہیں.البتہ میری امت میں سے ایک جماعت ہمیشہ غالب رہے گی اگر اسے کوئی رسوا کرنا چاہے گا تو نہیں کر سکے گا یہاں تک کہ قیامت آجائے''.امام ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن اور صحیح ہے اور کہتے ہیں: بخاری نے علی بن

(۱) ص: ۱۴، ۱۵، بخاری نے بھی اسے کتاب الانبیاء، باب ماذکر عن بني إسرائیل میں روایت کیا ہے. ۶/ ۳۶۱، ترمذی، کتاب العلم، باب ماجاء في الحديث عن بني إسرائيل: ۵/ ۴۰.

(۲) شرف اصحاب الحدیث: ص/ ۱۱، ۲۸، ۲۹.

(۳) ملاحظہ ہو: الكامل في ضعفاء الرجال: ص/ ۱۹۰، ۲۳۴ (تحقیق الشیخ صبحی السامرائی).

(۴) تهذيب الأسماء واللغات: ص/ ۱۷، تبع تابعین کے ذکر میں.

المدینی سے روایت کیا ہے کہ اس سے مراد اصحاب حدیث ہیں [۱]۔

حاکم نے بسندِ صحیح احمد سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: اگر ''طائفہ'' سے اہل حدیث مراد نہیں تو پھر میں نہیں جانتا کہ وہ کون ہیں؟ [۲]۔

۴- عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے ہمیں نماز پڑھائی، اس کے بعد ہماری طرف متوجہ ہوئے اور ایسا وعظ سنایا کہ لوگوں کی آنکھیں بہہ پڑیں اور دل رو پڑے، ایک شخص نے کہا: اے اللہ کے رسول، لگتا ہے یہ آپ کی آخری تقریر ہے آپ ہمیں کچھ وصیت فرما دیجئے، آپ نے فرمایا: میں تمہیں تقویٰ کی وصیت کرتا ہوں، اور سمع واطاعت کی، گرچہ ایک حبشی غلام ہی کی کیوں نہ کرنا پڑے، میرے بعد تم میں سے جو زندہ رہے گا وہ لوگوں کے اختلافات کو دیکھے گا، تم میری اور میرے خلفاء کی سنت کو پکڑے رہنا۔ اسے خوب مضبوطی سے تھامے رکھنا۔ دین میں پیدا کی جانے والی نئی نئی باتوں سے کنارہ کش رہو گے، اس لئے کہ ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت ضلالت ہے۔ اسے ابن عبدالبر [۳] احمد، ابوداؤد، اور ترمذی نے روایت کیا ہے [۴]۔

۵- حاکم ابو ہریرہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: «**تركت فيكم شيئين لن تضلوا بعدهما كتاب الله وسنتي**» ''میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں جن کے بعد گمراہ نہیں ہو گے، کتاب اللہ اور میری سنت''۔ [۵] اس کو ابن عبدالبر نے بھی روایت کیا ہے [۶]۔

۶- علامہ نواب صدیق حسن خاں قنوجی نے اپنی کتاب ''فوائد الفوائد'' میں دیلمی کے حوالہ سے ایک مرفوع حدیث نقل کیا ہے، جس کی عبارت یہ ہے: «**القرآن صعب مستصعب على من كره وهو الحكم فمن استمسك بحديثي وفهمه و حفظه جاء مع القرآن**». وفيه: «**أن الحديث لا يفارق القرآن وأنهما كالشئي الواحد ومن تهاون بالقرآن وحديثي خسر الدنيا والآخرة وأمرت أمتي بأن يأخذوا بقولي ويطيعوا أمري ويتبعوا سنتي، فمن رضي بالقرآن فقد رضي بالحديث قال تعالىٰ:** ﴿وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ

(۱) سنن الترمذی (كتاب الفتن، باب ما جاء في الشام): ۴/ ۴۸۵.
(۲) ملاحظہ ہو: معرفۃ علوم الحدیث: ص/ ۲.
(۳) جامع بیان العلم وفضلہ: ۲/ ۲۲۲.
(۴) مسند احمد: ۴/ ۱۲۶، ۱۲۷، ابوداؤد، السنہ، باب لزوم السنہ: ۴/ ۲۰۱، ترمذی، العلم، باب ما جاء في الأخذ بالسنة: ۴/ ۴۴.
(۵) المستدرک، کتاب العلم: ۱/ ۹۳، اس روایت کی ان کے پاس شاہد بھی ہے جو ابن عباس سے مروی ہے۔
(۶) جامع بیان العلم: ۲/ ۱۸۰.

فَخُذُوْهُ﴾ الآية، من اقتدى فهو مني، ومن رغب عن سنتي فليس مني ''جو قرآن کو بوجھ سمجھے اس کے لئے قرآن مشکل اور دشوار ہے، درانحالیکہ وہ حکم اور فیصل ہے، جس نے میری حدیث کو لازم پکڑا، اسے سمجھا اور یاد کیا اس نے قرآن کا ساتھ دیا''. اس میں یہ بھی ہے: ''حدیث قرآن سے الگ نہیں ہے، دونوں ایک ہی چیز ہیں، جس نے قرآن وحدیث سے غفلت برتا اس نے دنیا وآخرت کو برباد کیا، میں نے اپنی امت کو حکم دیا ہے کہ میرے قول کو اختیار کرے، میرے حکم کی پیروی کرے اور میری سنت کی اتباع کرے جو قرآن سے راضی ہوا وہ حدیث سے راضی ہوا. اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾ (اور رسول تمہیں جو دیں اسے لے لو اور جس چیز سے وہ تم کو روک دیں اس سے رک جاؤ) جس نے سنت کی اقتدا کی وہ میری امت سے ہے، جس نے میری سنت سے اعراض کیا وہ مجھ میں سے نہیں ہے''(۱).

۷-مقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: «ألاَ إني أوتيت الكتاب ومثله معه، ألَا يوشك رجل شبعان على أريكته يقول: عليكم بهذا القرآن فما وجدتم فيه من حلال فأحلوه وما وجدتم فيه من حرام فحرموه، وإن ما حرم رسول الله مثل ماحرم الله» ''آگاہ رہو! بے شک مجھے قرآن کریم دیا گیا ہے اور اس کے ساتھ اسی طرح کی ایک اور چیز، خبردار! ایسا نہ ہو کہ کوئی پیٹ بھرا شخص اپنی مسند پر بیٹھا ہوا کہنے لگے کہ تم پر بس قرآن پر عمل کرنا ضروری ہے، اس میں جو حلال پاؤ اسے حلال سمجھو اور جو کچھ اس میں حرام پاؤ اسے حرام سمجھو، حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن چیزوں کو حرام کیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے حرام کئے ہوئے کی طرح ہے''(۲).

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: «سيأتي قوم يجادلونكم بشبهات القرآن، فخذوهم بالسنن، فإن أصحاب السنن أعلم بكتاب الله» ''ہوسکتا ہے کوئی قوم متشابہات قرآن کو لے کر تم سے مناظرہ کرے. اگر ایسا ہو تو سنت سے ان کا مقابلہ کرنا، کیونکہ سنت والے ہی قرآن کو بہتر سمجھتے ہیں''(۳).

۸-امام شافعی رسالہ میں فرماتے ہیں: ہم سے مالک نے زید بن اسلم کے حوالے سے اور انہوں نے عطاء بن یسار کے حوالے سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے روزہ کی حالت میں اپنی بیوی کا بوسہ لے لیا، اس کے بعد وہ

(۱) فضائل حدیث: ص/ ۲۵.

(۲) اسے ابوداود، ترمذی، ابن ماجہ اور دارمی نے روایت کیا ہے. (اس کی تخریج فصل ''سنت وحی الٰہی ہے'' میں ملاحظہ فرمائیں).

(۳) جامع بیان العلم وفضلہ: ۲/ ۲۳۱.

اپنے اس فعل کی وجہ سے بہت رنجیدہ ہو گئے، چنانچہ انہوں نے اپنی بیوی کو رسول کے گھر بھیجا، وہ ام المؤمنین ام سلمہ کے پاس آئیں اور ان کے سامنے اپنی بات پیش کی، ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ خود حالتِ روزہ میں بوسہ لیا کرتے ہیں. وہ عورت اپنے گھر آئی اور شوہر کو اس سے آگاہ کر دیا. یہ خبر اس کے لئے مزید پریشانی کا سبب بن گئی. اس نے اپنی بیوی سے کہا ہم رسول اللہ ﷺ کی طرح تو نہیں ہیں. اللہ تعالیٰ اپنے رسول کے لئے جو چاہتا ہے حلال کرتا ہے، اس کی بیوی دوبارہ ام سلمہ کے پاس آئی، اس وقت رسول اللہ ﷺ وہاں موجود تھے. آپ نے فرمایا: اس عورت کا کیا مسئلہ ہے؟ اُم سلمہ نے آپ کو اس کی حالت سے آگاہ کیا، آپ نے فرمایا: کیا تم نے اسے یہ نہیں بتایا ہے کہ میں خود وہ کام کرتا ہوں؟ ام سلمہ نے جواب دیا، میں نے اسے بتا دیا تھا اور وہ واپس بھی ہو گئی تھی، مگر جب اس نے اپنے شوہر کو یہ بات بتائی تو وہ اور زیادہ خوفزدہ ہو گئے اور کہنے لگے کہ ہم اللہ کے رسول تو ہیں نہیں، اللہ تعالیٰ تو ان کے لئے جو چاہتا ہے حلال کر دیتا ہے. یہ سن کر رسول اللہ ﷺ ناراض ہو گئے. اور فرمایا: اللہ کی قسم میں تم لوگوں سے زیادہ متقی ہوں، اور اللہ کے حدود کو تم سے زیادہ جاننے والا بھی ہوں [۱].

۹- ابن شہاب اعرج سے اور وہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: ''لوگ کہا کرتے ہیں کہ ابو ہریرہ بکثرت حدیث روایت کرتا ہے، حالانکہ اگر دو آیتیں قرآن میں نہیں ہوتیں تو میں ایک حدیث بھی روایت نہیں کرتا. اس کے بعد ان دونوں آیتوں کی تلاوت کی: ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ الْكِتَابِ﴾ (جو لوگ اللہ کی نازل کردہ کتاب کو چھپاتے ہیں) [۲] اور ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ

---

(۱) الرسالہ، ص: ۴۰۴-۴۰۵، فقرہ ۱۱۰۹، عبدالرزاق نے اس کو بسند صحیح عطاء سے اور انہوں نے ایک انصاری سے روایت کی ہے. (ملاحظہ ہو مصنف عبدالرزاق، الصوم، باب القبلة للصائم، ج ۴، ص: ۱۸۴، اس کو زرقانی نے مؤطاء کی شرح میں ذکر کیا ہے. ج ۲، ص: ۹۲، اور امام احمد نے مسند میں ج ۵، ص: ۴۳۴، ہیثمی فرماتے ہیں: اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں. ملاحظہ ہو: مجمع الزوائد، ج ۳، ص: ۱۶۶-۱۶۷، امام ابن حزم نے محلی میں عبدالرزاق سے روایت کیا ہے. ج ۶، ص: ۲۰۷، شیخین و دیگر محدثین ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں، آپ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ روزہ کی حالت میں ان کا بوسہ لیتے تھے. (ملاحظہ ہو: صحیح البخاری، کتاب الصوم، باب القبلة للصائم، ۲/ ۲۳۳، صحیح مسلم: کتاب الصیام، باب بیان أن القبلة فی الصوم لیست محرمة علی من لم تحرک شهوته) ۲/ ۷۷۹-۷۵۱، مسلم نے اس حدیث کو عمر بن ابی سلمہ سے روایت کیا ہے جو ام سلمہ کے بیٹے ہیں. وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ کیا روزہ دار بوسہ لے سکتا ہے تو آپ نے کہا اس کے متعلق ام سلمۃ سے پوچھ لو. ام سلمہ نے انہیں بتایا کہ خود رسول اللہ ﷺ ایسا کرتے ہیں. عمر بن اَبی سلمہ نے کہا اے اللہ کے رسول، اللہ نے آپ کے تمام اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیئے ہیں. رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی قسم میں اللہ سے زیادہ ڈرنے والا ہوں اور تم سے زیادہ پرہیزگار ہوں.

(۲) سورہ البقرۃ: آیت/ ۱۷۴.

وَالْهُدٰی﴾ (بے شک جولوگ ہماری نازل کردہ نشانیوں اور ہدایت کو چھپاتے ہیں)(۱)۔

ابوعمر فرماتے ہیں: اس حدیث سے کئی فقہی فوائد حاصل ہوتے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث کتاب اللہ کا حکم رکھتی ہے......الخ(۲)۔

ابراہیم، علقمہ سے روایت کرتے ہیں کہ بنواسد کی ایک عورت عبداللہ بن مسعود کے پاس آئی اور کہنے لگی، مجھے پتہ چلا ہے کہ تم فلاں فلاں پر لعنت بھیجتے ہو، اور گودنے والی وگدوانے والی پر بھی، حالانکہ میں نے پورا قرآن پڑھ ڈالا مگر تمہاری بات کا کوئی ثبوت نہیں ملا، اور میرے خیال کے میں مطابق تمہارے گھر کی عورتیں بھی ایسا کرتی ہوں گی، عبداللہ بن مسعود نے اس عورت سے کہا: جاؤ میرے گھر میں جا کر دیکھ لو، وہ عورت آپ کے گھر میں داخل ہوئی مگر اس کو کچھ نہیں ملا، عبداللہ بن مسعود نے اس سے کہا: کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ قول نہیں پڑھا: ﴿وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ﴾ (اور رسول تمہیں جو دیں اسے لے لو اور جس چیز سے وہ تم کو روک دیں اس سے رک جاؤ) اس نے جواب دیا، ہاں میں نے یہ آیت پڑھی ہے، آپ نے کہا: یہ وہی ہے(۳)۔

کسی غیر معصوم کا قول حدیث کا معارض نہیں ہوسکتا:

اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن کریم اور سنتِ رسول سے ہدایت حاصل کرنے کا حکم دیا ہے، اس لئے کہ یہی دونوں چیزیں دین کی بنیاد ہیں، پس کسی کا بھی قول سنت کے مقابلہ میں حجت نہیں ہے، خواہ وہ صحابہ میں سے ہو یا ائمہ مجتہدین میں سے یا ان کے بعد کے علماء میں سے۔

سب لوگ غیر معصوم ہیں، ان سے اجتہادی غلطیاں سرزد ہوسکتی ہیں، بسا اوقات کسی مسئلہ سے متعلق تمام آیات واحادیث سے باخبر ہونے کا یقین ہوتا ہے، مگر کوئی آیت یا حدیث ان سے پوشیدہ رہ جاتی ہے جو اس مسئلہ

(۱) سورہ البقرۃ: آیت/۱۵۹۔

(۲) جامع بیان العلم: ۲/۱۰۵، اس حدیث کو بخاری نے کتاب البیوع، باب ما جاء فی قول اللہ عزوجل (فاذا قضیت الصلاۃ فانتشروا فی الأرض) ۳/۲، کتاب العلم، باب حفظ العلم: ۱/۳۷، ۳۸، کتاب الحرث والمزارعۃ، باب ماجاء فی الفرس: ۳/۷۳، ۷۴، اور کتاب الاعتصام، باب الحجۃ علی من قال: إن أحکام النبی صلی اللہ علیہ وسلم کانت ظاهرۃ: ۸/۱۵۷، ۱۵۸ میں روایت کیا ہے۔ مسلم نے کتاب اللباس والزینۃ، باب استحباب لبس النعل من الیمنی أولاً، ج/۳، اور کتاب الفضائل، باب من فضائل أبی ہریرہ الدوسی رضی اللہ عنہ میں روایت کیا ہے۔

(۳) جامع بیان العلم: ۲/۱۸۸، اس کو بخاری نے کتاب اللباس، باب المتفلجات للحسن میں، مسلم نے کتاب اللباس، باب فعل الواصلۃ: ۳/۱۶۷۸ میں، نسائی نے کتاب الزینہ، باب لعن المتنمصات والمتفلجات: ۸/۱۴۶، ۱۴۸ میں، ترمذی نے کتاب الأدب، باب فی الواصلۃ: ۵/۱۰۴ میں اور ابن ماجہ نے کتاب النکاح، باب الواصلۃ والواشمۃ: ۱/۶۴۰ میں روایت کیا ہے۔

میں قول فیصل کی حیثیت رکھتی ہے. جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یہ لوگ کسی مرجوح مسئلہ کو راجح فرمادیتے ہیں اور غیر صحیح کو صحیح تصور کر لیتے ہیں.

ایسے مواقع پر حق کے متلاشی باشندین پر واجب ہوتا ہے کہ اللہ کے قول اور رسول کی سنت کی طرف رجوع کریں. رسول کے قول پر کسی کے قول کو مقدم نہ کریں. رسول اللہ ﷺ کی حدیث سن لینے کے بعد بھی ابوبکر وعمر کے قول کو پیش کرنے پر عبداللہ بن عمر اور دیگر صحابہ سے سخت ناراضگی اور ان کا شدید ردعمل منقول ہے.

ابن عبدالبر عبداللہ بن ہبیرہ السبائی سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ہم سے بلال بن عبداللہ بن عمر نے بیان کیا کہ ایک دن ان کے والد عبداللہ بن عمر نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: «لَا تمنعوا النساء حظوظهن من المساجد، فقلت أنا: أما أنا فأمنع أهلي، فمن شاء فليسرح أهله، فالتفت إليّ وقال: لعنك الله، لعنك الله، لعنك الله، تسمعني أقول: إن رسول الله صلى الله عليه وسلم أمر أن لَا يَمنعْنَ وقام مغضبًا» ''عورتوں کو مسجد جانے کے ان کے حق سے محروم نہ کرو. میں نے کہا: جہاں تک میرا سوال ہے تو میں اپنے اہل کو روکوں گا، جس کو اچھا لگے وہ اپنے اہل کو جانے دے. یہ سن کر وہ میری طرف متوجہ ہوئے اور کہا: تم پر اللہ کی لعنت ہو، تم پر اللہ کی لعنت ہو، تم پر اللہ کی لعنت ہو، تم سن رہے ہو کہ رسول اللہ ﷺ نے منع نہ کرنے کا حکم دیا ہے. اس کے بعد غصہ ہو کر کھڑے ہو گئے (۱).

ابن عبدالبر کہتے ہیں کہ عبدالرزاق نے ذکر کیا ہے کہ ہم سے معمر نے ایوب کے حوالہ سے بیان کیا کہ عروۃ نے ابن عباس سے کہا: کیا تم اللہ سے نہیں ڈرتے کہ لوگوں کو متعہ کی اجازت دیتے ہو، ابن عباس نے کہا، اس کے متعلق تم اپنی ماں سے پوچھو، عروہ نے کہا: ابوبکر وعمر تو ایسا نہیں کیا کرتے تھے، ابن عباس نے فرمایا: اللہ کی قسم جب تک تم لوگ عذاب سے دوچار نہ کردیئے جاؤ گے تب تک اس طرح کی باتوں سے باز نہیں آؤ گے. میں تمہیں حدیث

(۱) جامع بیان العلم وفضلہ: ۲/۱۹۵.

امام بخاری نے اسے کتاب الجمعہ، باب هل على من يشهد الجمعة غسل میں اور کتاب الصلاة، باب خروج النساء إلى المساجد بالليل المغلس اور باب استئذان المرأة زوجها بالخروج إلى المسجد میں، اور کتاب النكاح، باب استئذان المرأة زوجها فى الخروج إلى المسجد اور اس کے علاوہ دیگر مقامات میں روایت کیا ہے.

مسلم نے کتاب الصلاة، باب خروج النساء الى المساجد، حدیث نمبر ۴۴۲ اور مالک نے مؤطا، کتاب القبلہ، باب خروج النساء إلى المساجد میں روایت کیا ہے.

ابوداؤد نے کتاب الصلاة، باب ما جاء في خروج النساء إلى المساجد، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸ میں اور ترمذی نے کتاب الصلاة، باب ماجاء فى خروج النساء إلى المساجد، حدیث نمبر ۵۷۰ کے تحت روایت کیا ہے.

رسول سنا رہا ہوں اور تم ابوبکر و عمر کی بات کرتے ہو. اس کے بعد حدیث بیان فرمائی' ابو عمر فرماتے ہیں: متعہ سے مراد ''متعۃ الحج'' ہے. اور وہ حج کی نیت کو بدل کر عمرہ کرنا ہے (۱).

عمرو بن دینار سالم بن عبداللہ سے روایت کرتے ہیں اور وہ اپنے والد سے کہ عمر نے فرمایا: «إذا رميتم الجمرة سبع حصيات، وذبحتم وحلقتم فقد حل لكم كل شئى إلّا الطيب والنساء» ''جب تم رمی جمار کر چکو اور ذبح و حلق سے فارغ ہو جاؤ تو عورت اور خوشبو کے علاوہ تمہارے لئے ہر چیز حلال ہے''.

سالم نے کہا، عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: طواف کعبہ سے قبل ہی میں نے حلال ہونے کے لئے رسول اللہ ﷺ کے بدن پر خوشبو لگائی تھی. سالم فرماتے ہیں: اس صورت میں رسول اللہ ﷺ کی سنت زیادہ مستحق ہے کہ اس کی پیروی کی جائے.

ابن عبدالبر نے اس حدیث کو سفیان بن عیینہ عن عمرو بن دینار تک مختلف اسانید سے روایت کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ لفظ حمیدی کی حدیث کا ہے (۲).

حارث بن عبداللہ بن اوس سے روایت ہے کہ میں عمر بن خطاب کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے اس عورت کے متعلق سوال کیا جو طواف کعبہ کے بعد حائضہ ہو جاتی ہے. آپ نے جواب دیا: اس کا آخری عمل بیت اللہ کا طواف ہے. میں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے بھی ایسا ہی فتویٰ دیا تھا. عمر نے مجھ سے کہا: تمہارے ہاتھ برباد ہوں یا کاش تمہاری ماں تمہیں نہیں جنتی. تم مجھ سے اس چیز کے متعلق سوال کر رہے ہو جس کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے دریافت کر چکے ہو، تا کہ تم دیکھو کہ میں ان کی مخالفت کرتا ہوں یا نہیں (۳).

ائمہ اربعہ حدیث پر عمل کے بارے میں نہایت سخت تھے، حدیثِ صحیح کے مقابلہ میں کسی کے بھی قول کو لائق اعتنا نہیں سمجھتے تھے. امام شافعی رحمہ اللہ کو ہم دیکھتے ہیں کہ انہیں جب بھی موقع ملتا ہے وہ ''رسالہ'' میں اس کی صراحت کرتے رہتے ہیں. ایک جگہ آپ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ سے ثابت کسی حدیث کی ہم سے مخالفت ہو جائے، ہم امید کرتے ہیں کہ ہم سے ایسی غلطی سرزد نہیں ہوگی (۴).

نیز فرماتے ہیں: جب رسول اللہ ﷺ سے کوئی امر ثابت ہو جائے تو ہر جاننے والے پر اس کی پیروی لازم

---

(۱) جامع بیان العلم وفضلہ: ۲/ ۱۹۵-۱۹۶.
(۲) مصدر سابق: ۲/ ۱۹۵-۱۹۶.
(۳) مصدر سابق: ۲/ ۱۸۹.
(۴) الرسالہ: ص/ ۲۱۹.

ہے. کوئی دوسری چیز نہ اسے مضبوط بنا سکتی ہے اور نہ کمزور کر سکتی ہے. بلکہ لوگوں پر اس کی اتباع فرض ہے. اللہ تعالیٰ نے کسی کو یہ مرتبہ نہیں بخشا کہ اس کا حکم آپ کے حکم کا مخالف بن سکے (۱).

اس کے بعد فرماتے ہیں: ہم سے سفیان نے بیان کیا کہ مجھے ابو النضر نے خبر دی کہ انہوں نے عبید اللہ بن ابی رافع سے اپنے باپ کے حوالہ سے بیان کرتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: «لَا الفین أحدکم متکئاً علی أریکته، یاتیه الأمر من أمري، مما نهیت عنه أو أمرت به فیقول: لَا ندري، ما وجدنا في کتاب الله اتبعناه» قال الشافعي: «وفي هذا تثبیت الخبر عن رسول الله، وأعلامهم أنه لَازم لهم، وان لم یجدوا له نص حکم فی کتاب الله» ''میرے اوامر ونواہی میں سے کسی کے متعلق جب میرا حکم پہنچ جائے تو تم میں سے کسی کو اپنی مسند پر ٹیک لگائے یہ کہتے نہ پاؤں کہ میں اسے نہیں جانتا، ہم کتاب اللہ میں جو پائیں گے اسی کی پیروی کریں گے''. امام شافعی فرماتے ہیں: ''اس میں رسول اللہ ﷺ کی حدیث کی تصدیق کے ساتھ اسے لازمی طور پر قبول کرنے کی خبر بھی ہے، خواہ اس کے متعلق کتاب اللہ میں کوئی نص نہ ہو'' (۲).

آگے فرماتے ہیں: مجھے سفیان اور عبد الوہاب نے یحیٰی بن سعید سے اور انہوں نے سعید بن المسیب کے حوالے سے یہ خبر دی کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ''انگوٹھا'' کی دیت میں پندرہ اونٹ اور اس کے ساتھ والی انگلی (شہادت کی انگلی) کی دیت میں دس اونٹ، بیچ والی انگلی میں دس، خنصر (چھنگلیا) یعنی سب سے چھوٹی انگلی کے بغل والی انگلی میں نو، اور خنصر یعنی سب سے چھوٹی انگلی میں چھ اونٹ مقرر فرمایا.

لیکن جب ہمیں آل عمر بن حزم کی کتاب کا علم ہوا تو پایا کہ اس میں رسول اللہ ﷺ نے ہر انگلی کے بدلے دس اونٹ مقرر فرمایا ہے. اس کے بعد لوگوں نے اسی کو اختیار کر لیا.

اس حدیث میں دو اہم احکام ہیں: پہلا حکم خبر کو قبول کرنے کا ہے اور دوسرا یہ کہ جس وقت خبر ثابت ہو جائے اسی وقت سے اس پر عمل شروع ہو جانا چاہیے، اگرچہ اس قسم کی خبر پر اس سے قبل ائمہ کا عمل نہ رہا ہو، ایک چیز یہ بھی ثابت ہوتی ہے کہ اگر کسی امام کا عمل پہلے سے پایا جاتا ہے، لیکن اس کے خلاف رسول کی کوئی خبر آ جاتی ہے تو اس عمل کو ترک کر دیا جائے گا (۳).

---

(۱) الرسالہ: ص ر ۳۳۰.

(۲) الرسالہ: ص ر ۴۲۲.

(۳) الرسالہ: ص ر ۴۲۲.

امام شافعی بیان کرتے ہیں کہ شوہر کی دیت سے بیوی کو میراث دیئے جانے کے مسئلہ میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اپنے قول سے ضحاک بن سفیان کی حدیث کی طرف رجوع کر گئے تھے. اسی طرح (جنین) (رحم مادر میں بچہ) کی دیت کے مسئلہ میں اپنے فیصلہ سے رجوع کر گئے تھے اور حمل بن مالک النابغہ کی حدیث کو اختیار کر لیا تھا، اس کے بعد فرماتے ہیں: عمر نے ضحاک کی حدیث کی وجہ سے اپنے فیصلے سے رجوع کر لیا، اور رحمِ مادر میں بچہ کے بارے میں ان کا کہنا تھا کہ اگر میں یہ حدیث نہیں سنتا تو دوسرا ہی فیصلہ دیتا.

امام شافعی اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: عمر یہ بتانا چاہتے ہیں - واللہ اعلم - کہ جب ایک نفس کی دیت میں سو اونٹ دیئے جانے کی سنت موجود ہے اور جنین کی دو حالت ہے یا تو زندہ ہوگا یا مردہ. اگر زندہ تھا تو سو اونٹ دیت ہونی چاہئے اور اگر مردہ تھا تو کچھ بھی واجب نہیں ہونا چاہئے.

لیکن جب انہیں رسول کے فیصلے کی خبر ہوگئی تو انہوں نے خود کو اسی کا پابند بنالیا، اور اس سے پہلے جب آپ نے جو فیصلہ کیا تھا اور اپنی رائے قائم کی تھی تو اس وقت تک رسول کی کوئی حدیث آپ تک نہیں پہنچ سکی تھی، مگر جب ان کی رائے کے خلاف رسول کے فیصلے کا علم ہوا تو فوراً اپنی رائے چھوڑ کر رسول کے حکم کو اختیار کر لیا. ہر معاملہ میں آپ کا یہی طریقہ تھا، اور لوگوں کو بھی اسی کا پابند دیکھنا چاہتے تھے.

امام شافعی رحمہ اللہ آگے فرماتے ہیں: جب رسول کی حدیث ثابت ہو جائے تو کسی بھی حال میں اسے چھوڑنا جائز نہیں ہے. آپ فرماتے ہیں: ہر وہ چیز جو رسول اللہ ﷺ کے حکم کے خلاف ہو وہ لائقِ اعتبار ہے، اس کے سامنے رائے وقیاس بالکل بے وزن ہے. اللہ تعالیٰ نے آپ کے قول کی موجودگی میں ہر عذر کو لغو قرار دیا ہے [۱].

قاسمی [۲] نے شعرانی کی کتاب میزان سے ان کا یہ قول نقل کیا کہ امام محمد الکوفی [۳] کا بیان ہے کہ میں نے مکہ میں امام شافعی کو لوگوں کے مابین فتویٰ دیتے ہوئے دیکھا (وہاں امام احمد بن حنبل اور اسحاق بن راہویہ موجود تھے. امام شافعی نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا عقیل نے ہمارے لئے گھر چھوڑا ہے؟ یہ سن کر اسحاق بن راہویہ

---

(۱) ملاحظہ ہو: کتاب الأم، باب الصید: ۲/۲۲۶-۲۲۸.

(۲) جمال الدین بن محمد سعید بن قاسم القاسمی. (۱۲۸۳-۱۳۳۲ھ) بہت سے علوم وفنون کے عالم وماہر تھے. دمشق میں پیدا ہوئے اور وہیں تعلیم وتربیت پائی. آپ کی تصنیفات میں محاسن التأویل فی تفسیر القرآن، قواعد التحدیث من فن مصطلح الحدیث، اصلاح المساجد من البدع اور دلائل التوحید قابل ذکر ہیں.

(۳) یہ محمد بن الحسن بن عطیہ العوفی أبو سعید الکوفی ہیں (۰۰-۱۷۰ھ) حسین رازی یحییٰ بن معین کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ یہ ثقہ ہیں. ابو زرعہ نے انہیں لین الحدیث کہا ہے، ابو حاتم نے ضعیف الحدیث اور بخاری نے کہا ہے کہ ان کی حدیث صحیح نہیں ہوتی. اور ابو جعفر العقیلی نے مضطرب الحدیث کہا ہے.

نے کہا: حسن اور ابراہیم ایسا نہیں سمجھتے تھے اور نہ ہی عطاء اور مجاہد. امام شافعی نے اسحاق سے کہا: تمہاری جگہ اگر دوسرا کوئی ہوتا تو اس کا کان اکھاڑ لیتا. میں قولِ رسول بیان کر رہا ہوں اور تم عطاء اور حسن کا حوالہ دے رہے ہو، کیا کسی کو یہ حیثیت حاصل ہے کہ رسول کے قول کے سامنے اس کا قول حجت ہو. (میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں)[۱].

امام ابوحنیفہ اکثر فرمایا کرتے تھے: «ایاکم والقول فی دین اللّٰہ تعالیٰ بالرأي، وعلیکم باتباع السنة فمن خرج عنها ضل» اللہ تعالیٰ کے دین میں رائے زنی سے بچو، اور اتباعِ سنت کو لازم پکڑو، جو اس سے باہر گیا وہ گمراہ ہوگیا.

ایک مرتبہ امام موصوف حدیث کا درس دے رہے تھے کہ کوفہ کا ایک باشندہ وہاں حاضر ہوا، اور کہنے لگا: ان احادیث سے ہمیں دور ہی رکھئے. یہ سن کر امام صاحب نے اسے پھٹکار سنائی اور سخت سست کہا. اور فرمایا: اگر سنت نہیں ہوتی تو ہم میں کا کوئی قرآن نہیں سمجھ پاتا. امام موصوف فرمایا کرتے تھے: لوگ اس وقت تک خیر وعافیت میں رہیں گے، جب تک اُن میں طالبانِ حدیث پائے جائیں گے، اگر حدیث کے بغیر علم حاصل کرنا چاہیں گے تو بگڑ جائیں گے. اور یہ بھی فرماتے: کسی کے لئے کوئی بات تب تک کہنا مناسب نہیں جب تک یہ جان نہ لے کہ رسول اللہ ﷺ کی شریعت اسے قبول کرتی ہے یا نہیں[۲].

امام مالک[۳] رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے: لوگوں کی رائے سے بچو الا یہ کہ سب لوگ اس پر متفق ہو جائیں، اللہ تعالیٰ نے جو نازل کیا ہے اور رسول نے جو دیا ہے اس کی پیروی کرو، اگر معنی سمجھنے میں مشکل پیش آئے تو علماء کی طرف رجوع کرو اور ان سے جدال نہ کرو، کیونکہ دین کے معاملہ میں جدال قدیم نفاق کا حصہ ہے[۴].

بیہقی نے (۵) امام احمد رحمہ اللہ کے بارے میں کہا ہے کہ جب بھی اُن سے کسی مسئلہ کے متعلق سوال کیا جاتا تو فرماتے تھے: کیا رسول کے کلام کے ہوتے ہوئے کسی کے کلام کو اہمیت دی جاسکتی ہے، آپ لوگوں کی آراء سے پرہیز کرتے اور فرماتے: جو کوئی اہلِ رائے کی کتابوں کے مطالعہ میں مشغول رہتا ہے اس کے دل میں ضرور

---

(۱) قواعد التحدیث: ص/۲۶.

(۲) قواعد التحدیث: ص/۲۳.

(۳) مالک بن انس بن مالک الاصبحی الحمیری، ابوعبداللہ (۹۲-۱۷۹ھ) امام دار الہجرۃ اور اہل سنت کے چار اماموں میں سے ایک ہیں.

(۴) قواعد التحدیث: ص/۲۳.

(۵) احمد بن الحسین بن علی بن عبداللہ بن موسیٰ ابوبکر الحافظ (۳۸۴-۴۵۸ھ) شریعت کے اصولی وفروعی علوم کے ماہر تھے. عقیدہ، حدیث اور فقہ میں لکھی گئی آپ کی تصنیفات علماء کی توجہ کا مرکز رہی ہیں، آپ کی مؤلفات میں السنن الکبریٰ، الاسماء والصفات اور دلائل النبوۃ ہیں.

کوئی خرابی ہوتی ہے(۱).

امام ابن القیم (۲) فرماتے ہیں کہ امام احمد کو جب کوئی نص مل جاتی تو اسی کی روشنی میں فتویٰ دیتے، اس کے مخالف قول یا مخالفت کرنے والے شخص کی طرف ملتفت نہ ہوتے تھے خواہ وہ جو بھی ہو. یہی وجہ ہے کہ مبتوتہ کے مسئلہ میں فاطمہ بنت قیس کی حدیث کی وجہ سے عمر رضی اللہ عنہ کے قول کی طرف متوجہ نہیں ہوئے، جُنبی کے لئے تیمّم کے مسئلہ میں عمار بن یاسر کی حدیث کی بنا پر عمر کی رائے کو قبول نہیں فرمایا، احرام سے قبل استعمال کی گئی خوشبو کو احرام کے بعد تک باقی رکھنے کے سلسلے میں عائشہ کی صحیح حدیث کی وجہ سے عمر کی مخالف رائے کو رد کر دیا، مُفرِد و قارن کو تمتع کی اجازت نہ دینے کے آپ کے حکم کو احادیث فسخ کے صحیح ہونے کی وجہ سے نہیں لیا. بغیر انزال کے جماع کرنے والے پر غسل واجب نہ ہونے کے بارے میں عثمان، علی، طلحہ، ابو ایوب اور ابی بن کعب کے قول کو ترک کر کے عائشہ کی حدیث کہ ''میں نے اور رسول اللہ ﷺ نے ایسا کیا اور غسل کیا'' کو اختیار کر لیا، نیز حاملہ عورت کی عدت کے بارے میں جس کا شوہر مر چکا ہو ابن عباس اور علی کے اس قول کو کہ اس کی عدت دونوں مدتوں میں سے لمبی ہے چھوڑ کر سبیعہ اسلمیہ کی حدیث کو لے لیا. کافر کے مال سے مسلمان کے میراث پانے کے سلسلے میں معاذ اور معاویہ کے جواز والے قول کو ترک کر کے اس حدیث کو قبول فرمایا جو مسلم و کافر کے مابین توارث کو کالعدم قرار دیتی ہے. ابن عباس کے قول: ''صرف اُدھار قرض میں سُود ہے'' کو ترک کر کے اس کے خلاف ثابت حدیث کو اختیار فرمایا، اسی طرح گدھے کے گوشت کی اباحت کے ان کے قول کو بھی آپ نے قابل اعتناء نہیں سمجھا. اس طرح کی مثالیں بے شمار ہیں، آپ نے کبھی بھی کسی عمل، یا رائے، یا قیاس، یا کسی کے قول کو حدیث پر مقدم نہیں کیا (۳).

امام موصوف مزید فرماتے ہیں: ''آپ اکثر ملاحظہ کریں گے کہ جب کسی کو ایسی حدیث معلوم ہوتی ہے جو اس کے امام کے قول کے مطابق ہو لیکن راوی اس حدیث کا مخالف ہو تو اس وقت وہ کہے گا کہ راوی کی روایت ہمارے لئے حجت ہے اس کا قول نہیں. اور اگر راوی کا قول موافق ہو. اور حدیث مخالف تو کہے گا کہ راوی تبھی اپنی روایت کے خلاف جا سکتا ہے جب اس کے نزدیک اس حدیث کا منسوخ ہونا ثابت ہو، ورنہ اس

(۱) قواعد التحدیث: ص/۵۲.

(۲) محمد بن ابی بکر بن ایوب بن سعد الزرعی الدمشقی، ابو عبد اللہ شمس الدین، ابن قیم الجوزیہ سے معروف ہیں. (۶۹۱-۷۵۱ھ) فقیہ، اصولی، مجتہد، متکلم، مصلح اور بہت سے علوم کے ماہر تھے. ابن تیمیہ کی شاگردی اختیار کی اور قلعہ میں قید بھی کئے گئے. آپ نہایت بااخلاق تھے اور لوگوں میں عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے نماز و عبادت بکثرت ادا کرتے تھے.

(۳) إعلام الموقعین: ۱/۲۹.

کی عدالت متاثر ہو جائے گی. ایسے لوگ بیک وقت دو متضاد باتیں بولتے ہیں، بلکہ ہم نے تو ایسا ایک ہی باب میں پایا ہے، اور یہ بہت ہی گھٹیا تضاد ہے. اس کے بعد آپ فرماتے ہیں: ہمارا جو اعتقاد ہے اور جس پر ہم کار بند ہیں وہ یہ کہ جب رسول اللہ کی حدیث ثابت ہو جائے اور اس کو منسوخ کرنے والی دوسری کوئی حدیث ثابت نہ ہو تو ہم پر اور پوری امت پر اس حدیث کی پیروی کرنا اور اس کے مخالف کو ترک کرنا فرض ہو جاتا ہے. ہم اسے کسی کی مخالفت کی وجہ سے ترک نہیں کر سکتے چاہے وہ کوئی بھی ہو، اس حدیث کا راوی ہو یا کوئی اور کیونکہ اس بات کا امکان بہر حال موجود ہے کہ راوی اس حدیث کو بھول گیا ہو، اور فتویٰ دیتے وقت اس کے ذہن میں موجود نہ رہی ہو. یا اس کی دلالت کو نہیں سمجھ سکا ہو، یا اس کے پاس اس کی کوئی مرجوح تاویل ہو، یا اس کے علم میں اس کی کوئی معارض حدیث ہو حالانکہ حقیقت امر میں وہ معارض نہ ہو، یا اس حدیث کے خلاف فتویٰ میں کسی دوسرے کا مقلد ہو جس کو وہ اپنے سے بڑا عالم مانتا ہو اور سمجھتا ہو کہ انہوں نے اس کی مخالفت تب کی ہوگی جب ان کے پاس اس سے قوی دلیل رہی ہوگی (۱).

ابن السمعانی کا قول ہے: جب خبر پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے تو ایک اصل بن جاتی ہے، اسے دوسرے کسی اصل سے پرکھنے کی ضرورت نہیں، اس لئے کہ اگر موافق ہے تو پھر کوئی بات نہیں اور اگر مخالف ہے تو بھی اس کو رد کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ اس طرح خبر کو قیاس سے رد کرنا لازم آئے گا، اور یہ نظریہ مردود و باطل ہے. سنت ہمیشہ قیاس پر مقدم رہے گی (۲).

حدیث کبھی بھی قرآن کا مخالف نہیں:

امت اسلامیہ اس بات پر متفق ہے کہ حدیثِ صحیح کبھی بھی مخالفِ قرآن نہیں ہو سکتی، حدیثِ نبوی تو قرآن کی تشریح و تفصیل ہے. اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو اس کی ذمہ داری دی تھی، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ﴾ (تاکہ لوگوں کے لئے جو کچھ نازل کیا گیا ہے، اسے آپ ان کے لئے کھول کر بیان کر دیجئے) اور یہ پہلے ہی ثابت ہو چکا ہے کہ آپ کا بیان بھی اللہ کی طرف سے وحی ہے. لہذا اس کا مخالفِ قرآن ہونا ممکن نہیں، اس لئے بھی ممکن نہیں ہے کہ دونوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کئے گئے ہیں، اگر دونوں میں یکسانیت نہیں ہوتی تو نصوص کے آپسی ٹکراؤ کی وجہ سے دین فاسد ہو جاتا، اور اس کی عمارت منہدم ہو جاتی.

(۱) إعلام الموقعين: ۳ر ۴۰.
(۲) قواعد التحدیث: ص ر ۸۹.

اور رسول اللہ ﷺ کا بیان کبھی قرآن کی تلاوت کے ذریعہ ہوتا ہے، اور کبھی اس کے معانی کی تشریح، اور اس کے اجمال کی تفصیل اور اس کے احکام کی توضیح کے ذریعہ، اور کبھی کچھ احکام کا اضافہ کر کے، اگر قرآن میں ایسا اجمالی حکم ہوتا ہے جس کے جزئیات وتفاصیل کو جانے بغیر کسی شخص کے لئے اس کی پیروی کرنا ممکن نہیں تو رسول اس کا بیان فرماتے ہیں اور کبھی رسول اللہ ﷺ کسی ایسے کام کا حکم دیتے ہیں جس کے متعلق قرآن میں کوئی نص موجود نہیں ہوتا.

جن اجمالی احکام کی رسول اللہ ﷺ نے تشریح فرمائی اور جن کے جزئیات وتفاصیل کا بیان فرمایا، اور جو احکام صرف سنت میں مذکور ہیں جن کا قرآن کریم میں کہیں ذکر نہیں ہے بجز ان آیات کے جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی اطاعت کو مستقلا فرض قرار دیا ہے. ان احکام کو اور آپ کے بیان وتفسیر کو قرآن کا مخالف نہیں کہا جا سکتا. ورنہ ان تمام تفصیلات اور آپ کے جملہ بیان وتفسیر نیز حدیث نبوی کے بیان کردہ احکامات کو مخالفِ قرآن ماننا پڑے گا، اور علماء مجتہدین میں سے کوئی بھی اس کا قائل نہیں ہے.

اور وہ احادیث جنہیں معاندین قرآن کے مخالف کے طور پر پیش کرتے ہیں وہ اگر صحیح ہیں تو یقیناً مخالف قرآن نہیں ہوسکتیں، امام شافعی نے ''الرسالہ'' میں تفصیلاً ان کی تردید کی ہے. اور اگر صحیح نہیں ہیں تو پھر وہ باطل ومردود ہیں معارضِ قرآن بننے کے لائق نہیں ہیں (۱).

اس مختصر کلام کے بعد اب میں یہ بتانا چاہوں گا کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح اپنے رسول کو بذریعہ وحی تشریعی اختیارات سے نوازا ہے. اور رسول کے فیصلے وفتاویٰ کو کس طرح اپنے فیصلے سے تعبیر کیا ہے، اور اس بات سے بھی واقفیت کراؤں گا کہ رسول اللہ ﷺ قرآن کے شارح وترجمان تھے، اس طریقے سے ہمیں یقین ہو جائے گا کہ رسول اللہ ﷺ سے جو ثابت ہے وہ حق ہے، وہ مخالفِ قرآن ہرگز نہیں ہوسکتا.

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ الذِّكْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ وَ لَعَلَّهُمْ یَتَفَكَّرُوْنَ﴾ (اور آپ پر ہم نے قرآن نازل کیا ہے، تا کہ لوگوں کے لئے جو کچھ نازل کیا گیا ہے، اسے آپ ان کے لئے کھول کھول کر بیان کر دیجئے، اور تا کہ لوگ غور وفکر کریں) (۲). نیز ارشاد ہے: ﴿وَ مَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَیِّنَ لَهُمُ الَّذِی اخْتَلَفُوْا فِیْهِ ۙ وَ هُدًی وَّ رَحْمَةً لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ﴾ (اور ہم نے آپ پر کتاب اس لئے نازل کی ہے، تا کہ جس بات میں وہ آپس میں اختلاف کرتے ہیں، اسے آپ ان کے لئے کھول کر بیان کر دیجئے، اور وہ کتاب ان لوگوں

(۱) ملاحظہ ہو الرسالہ: ص/ ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۱۰۵، ۱۰۸، ۱۴۶، ۱۶۵، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۹۸، ۲۱۲، ۲۲۱، ۲۳۰، ۲۳۲، ۵۴۶.

(۲) سورۃ النحل: آیت/ ۴۴.

کے لئے ہدایت اور رحمت ہے جو اُس پر ایمان رکھتے ہیں)[(۱)].

اس مفہوم کی دیگر اور بھی آیات ہیں جو ہمارے سامنے مقامِ رسول اور ان کی ذمہ داریوں کی صحیح تصویر پیش کرتی ہیں .اور قرآن کریم کی تشریح وتفسیر کو ان کی اولین ذمہ داری قرار دیتی ہیں .ارشادِ باری تعالیٰ ہے:﴿وَإِذَا دُعُوٓا إِلَى ٱللَّهِ وَرَسُولِهِۦ لِيَحۡكُمَ بَيۡنَهُمۡ إِذَا فَرِيقٞ مِّنۡهُم مُّعۡرِضُونَ ۝ وَإِن يَكُن لَّهُمُ ٱلۡحَقُّ يَأۡتُوٓاْ إِلَيۡهِ مُذۡعِنِينَ ۝ أَفِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ أَمِ ٱرۡتَابُوٓاْ أَمۡ يَخَافُونَ أَن يَحِيفَ ٱللَّهُ عَلَيۡهِمۡ وَرَسُولُهُۥۚ بَلۡ أُوْلَٰٓئِكَ هُمُ ٱلظَّٰلِمُونَ ۝ إِنَّمَا كَانَ قَوۡلَ ٱلۡمُؤۡمِنِينَ إِذَا دُعُوٓاْ إِلَى ٱللَّهِ وَرَسُولِهِۦ لِيَحۡكُمَ بَيۡنَهُمۡ أَن يَقُولُواْ سَمِعۡنَا وَأَطَعۡنَاۚ وَأُوْلَٰٓئِكَ هُمُ ٱلۡمُفۡلِحُونَ ۝ وَمَن يُطِعِ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ وَيَخۡشَ ٱللَّهَ وَيَتَّقۡهِ فَأُوْلَٰٓئِكَ هُمُ ٱلۡفَآئِزُونَ﴾(اور جب انہیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے،تاکہ ان کے درمیان فیصلہ کردے،تو ان کا ایک گروہ منہ موڑ کر چل دیتا ہے،اور اگر وہ حق بجانب ہوتے ہیں تو اس کے پاس اطاعت گزار بن کر آجاتے ہیں،کیا ان کے دلوں میں نفاق کی بیماری ہے،یا انہیں آپ کی نبوت میں شبہ ہے،یا انہیں ڈر ہے کہ اللہ اور اس کا رسول ان پر ظلم کرے گا،بلکہ وہ خود اپنے آپ پر ظلم کرنے والے ہیں،مؤمنوں کو جب اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ ان کے درمیان فیصلہ کردیں،تو کہتے ہیں کہ ہم نے یہ بات سن لی اور اسے مان لیا،اور وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں،اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کریں گے،اور اللہ سے ڈریں گے،اور اس کا تصور کرکے تقویٰ کی راہ اختیار کریں گے،تو وہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں)[(۲)].

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤۡمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيۡنَهُمۡ ثُمَّ لَا يَجِدُواْ فِيٓ أَنفُسِهِمۡ حَرَجٗا مِّمَّا قَضَيۡتَ وَيُسَلِّمُواْ تَسۡلِيمٗا﴾(پس آپ کے رب کی قسم،وہ لوگ مومن نہیں ہوسکتے جب تک آپ کو اپنے اختلافی امور میں اپنا فیصل نہ مان لیں،پھر آپ کے فیصلہ کے بارے میں اپنے دلوں میں کوئی تکلیف نہ محسوس کریں،اور پورے طور سے اسے تسلیم کرلیں)[(۳)].

ان آیات اور اس قسم کی دیگر آیات سے یہی بات سمجھ میں آتی ہے کہ شریعت کے بیان میں رسول اللہ ﷺ سے جو کچھ ثابت ہے اس میں ان کی اطاعت واتباع واجب ہے،اس لئے کہ پہلی دو آیتوں میں وارد نص صریح کے

---

(۱) سورہ النحل: آیت/ ۶۴.

(۲) سورۃ النور: آیات/ ۴۸-۵۲.

(۳) سورۃ النساء: آیت/ ۶۵.

مطابق آپ اللہ تعالیٰ کے مراد کو بیان کرنے والے ہیں. اس سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ لوگوں کو اختلافات کے تصفیے کے لئے اللہ کے رسول کی طرف بلایا جانا درحقیقت اللہ کے حکم کی طرف بلایا جانا ہے، اس لئے کہ حاکم اللہ کے رسول ہیں، اور جب ان کے حکم کو تسلیم کرلیا گیا تو گویا اللہ تعالیٰ کے اس حکم کو تسلیم کیا گیا جو رسول اللہ ﷺ کی پیروی کو فرض قرار دیتا ہے. ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ﴾ (جس نے رسول کی اطاعت کی اُس نے اللہ کی اطاعت کی).

اللہ تعالیٰ نے احکامِ رسول کی اتباع کا حکم دیا ہے اور ان لوگوں سے ایمان کی نفی کی ہے جو بلا ردّ و کد دل کی گہرائی سے آپ کے احکام کو تسلیم نہیں کرتے اس لئے کہ اختلافات کے تصفیہ کے لئے آپ ہی کی طرف رجوع کرنا ہے. لہٰذا آپ کی تابعداری بھی ضروری ہے. پھر اللہ تعالیٰ اپنی ربوبیت کی قسم کھا کر کہتا ہے کہ جب تک لوگ آپ کے احکام کو مکمل طور سے قبول نہ کرلیں تب تک مؤمن نہیں ہوسکتے. اور وہ احکام جن کے نہ تسلیم کرنے سے ایمان سے خروج لازم آتا ہے لوگوں کے خاص معاملات میں رسول اللہ ﷺ کی طرف سے صادر خصوصی احکامات ہیں.

امام شافعی فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے کتابُ اللہ کے مطابق جو سنت جاری فرمائی ہے وہ بالکل نصِ کتاب اللہ کے موافق ہے، اور قرآن کے اجمالی حکم میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا بیان پیش فرمایا ہے، اور بیان اجمال سے زیادہ مفصل ہوتا ہے اور اگر رسول کی کوئی ایسی سنت ہے جس کے متعلق کتاب اللہ میں کوئی نص نہ ہو تو آپ ﷺ کی اطاعت سے متعلق اللہ تعالیٰ کے حکمِ عام کی بنا پر اس میں بھی ہم آپ کی اطاعت کریں گے[1].

امام موصوف آگے فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ جب ایسی سنت جاری فرماتے جس کے بارے میں قرآنی حکم نہیں ہوتا تو اسے اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہی جاری فرماتے. اللہ تعالیٰ نے اپنے اس قول میں اسی کی طرف اشارہ کیا ہے: ﴿وَ اِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ صِرَاطِ اللّٰهِ......﴾ الآیۃ (اے میرے نبی! آپ یقیناً لوگوں کو سیدھی راہ دکھاتے ہیں، اس اللہ کی راہ......).

رسول اللہ ﷺ کبھی کتابُ اللہ میں موجود حکم کے مطابق سنت جاری فرماتے اور کبھی ایسی بھی سنت جاری کرتے جس کے بارے میں نصِ قرآنی نہیں ہوتی. اور آپ نے جو کچھ جاری کیا ہے اس کی پیروی ہم پر لازم ہے، اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی اطاعت میں اپنی اطاعت کو اور آپ کی معصیت میں اپنی معصیت کو داخل کردیا ہے، اس بارے میں نہ کوئی عذر مقبول ہے اور نہ آپ کی سنتوں کی اتباع سے بھاگنے کا راستہ ہے، جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں

(۱) الرسالہ: ص ر ۲۱۲، فقرہ ر ۵۷۰.

اور جس کی طرف رسول اللہ ﷺ کا یہ قول اشارہ کر رہا ہے. ہم کو سفیان نے سالم مولی عمر بن عبید اللہ کے حوالہ سے خبر دی کہ انہوں نے عبید اللہ بن ابی رافع سے سنا وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: «لَا ألفين أحدكم متكئًا على أريكته يأتيه الأمر من أمري مما أمرت به أونهيت عنه فيقول: لَا أدري ما وجدنا في كتاب الله اتبعناه» ''میں تم میں کسی ایسے شخص کو اپنی مسند پر ٹیک لگائے نہ پاؤں جس کے پاس امر ونہی سے متعلق میری کوئی حدیث پہنچتی ہے تو وہ کہتا ہے: میں اسے نہیں جانتا ہمیں کتاب اللہ میں جو ملے گا اسی کی اتباع کریں گے''(١).

اس سے قبل بتایا جا چکا ہے کہ بعض سنتوں کو مخالفِ قرآن بتانے والوں کا امام شافعی نے پُرزور رد کیا ہے. اس ضمن میں آیتِ محرمات کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: اللہ تبارک وتعالیٰ نے محرمات کو بیان کرنے کے بعد فرمایا: ﴿وَاُحِلَّ لَکُمۡ مَّا وَرَآءَ ذٰلِکُمۡ ...... ﴾ ان کے علاوہ بقیہ عورتیں حلال ہیں.

مگر رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: «لَا يجمع بين المرأة وعمتها ولَا بين المرأة وخالتها» ''عورت اور اس کی پھوپھی یا عورت اور اس کی خالہ کے درمیان جمع نہیں کیا جائے گا''. اس حکم کی اتباع میں کسی کے اختلاف کا مجھے علم نہیں ہے. اس سے دو باتیں ظاہر ہوئیں: ایک یہ کہ رسول اللہ کی سنت بہر حال مخالفِ کتابُ اللہ نہیں ہو سکتی، بلکہ اس کے عام اور خاص کا بیان پیش کرتی ہے(٢).

نیز امام شافعی فرماتے ہیں: ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاَحَلَّ اللّٰہُ الۡبَیۡعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا﴾ الآیۃ (حالانکہ اللہ نے خرید وفروخت کو حلال کیا ہے، اور سود کو حرام قرار دیا ہے)(٣)، اور ﴿یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَاۡکُلُوۡۤا اَمۡوَالَکُمۡ بَیۡنَکُمۡ بِالۡبَاطِلِ اِلَّاۤ اَنۡ تَکُوۡنَ تِجَارَۃً عَنۡ تَرَاضٍ مِّنۡکُمۡ﴾ الآیۃ (اے ایمان والو! تم لوگ اپنا مال آپس میں ناحق نہ کھاؤ، سوائے اس طور پر کہ آپس کی رضامندی سے بذریعہ تجارت ہو)(٤).

اور ہم دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کچھ بیوع کو حرام قرار دیا ہے، جیسے ایک مدت کے لئے دنانیر کو دراہم سے بیچنا وغیرہ. رسول اللہ ﷺ کے حرام کرنے کے بعد مسلمانوں نے اسے حرام سمجھا، چنانچہ نہ تو یہ اور نہ اس قسم کے

---

(١) الرسالہ: ص/٨٨، فقرات: ٢٩٢-٢٩٤، اور اس حدیث کو ابوداؤد نے کتاب السنہ، باب لزوم السنۃ: ٤/٢٠٠ میں اور ابن ماجہ نے مقدمہ میں حدیث نمبر ١٣، ترمذی کتاب العلم، باب نمبر ١٠، ٥/٣٧ میں اور امام احمد نے ٦/٨ میں روایت کیا ہے.

(٢) الرسالہ: ص/٢٢٧، فقرات/٦٢٨-٦٢٩.

(٣) سورۃ البقرۃ: آیت/٢٧٥.

(٤) سورہ النساء: آیت/٢٩.

دوسرے احکام کتاب اللہ کے خلاف ہیں. اللہ تعالیٰ نے تو آپ کو اپنا شارح وترجمان بنایا ہے اور اپنے بندوں پر آپ کے حکم کی پیروی کو فرض کیا ہے. اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا﴾ یعنی اللہ نے اس بیع کو حلال کیا ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی منع کردہ بیوع میں سے نہ ہو(۱).

امام ابن حزم نے ''الإحکام'' میں درج ذیل حدیث پر گفتگو کرتے ہوئے اس مسئلہ کو بھی شامل بحث بنایا ہے.

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: **«سیأتی ناس یحدثون عنی حدیثاً یضارع القرآن فأنا قلته، ومن حدثکم بحدیث لَا یضارع القرآن فلم أقله، فإنما هو حسوة من النار»** ''آئندہ کچھ ایسے لوگ آئیں گے جو ہماری حدیث بیان کریں گے. اگر وہ موافقِ قرآن ہو تو سمجھنا کہ میں ہی اس کا قائل ہوں اور اگر مخالفِ قرآن ہو تو میں اس کا قائل نہیں ہوں. بلکہ وہ جہنم کا گھونٹ ہے''(۲).

یہ حدیث اس شخص کی تردید کرتی ہے جو کہتا ہے کہ جو حکم قرآن میں ہے اس کی اتباع کریں گے، اور جو اس میں نہیں ہے اور اس کا مخالف یا موافق بھی نہیں ہے تو اس کی بھی پیروی کریں گے. اور جو مخالفِ قرآن ہے اسے چھوڑ دیں گے. امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: انہیں جواب دیا جائے گا کہ صحیح احادیث میں سے کوئی بھی حدیث مخالفِ قرآن نہیں ہے. اگر ''زیادتی حکم'' کو معارض تصور کیا جائے تو پھر صرف ایک ''فلس'' سونے کے عوض چور کا ہاتھ کاٹنا لازم آئے گا. کیونکہ قرآن میں قطع ید کا حکم عام ہے. اسی طرح پاخانہ کو بھی حلال کہنا ہوگا. کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿قُلْ لَّآ اَجِدُ فِیْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ یَّكُوْنَ مَیْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِیْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَیْرِ اللّٰهِ بِهٖ﴾ (آپ کہہ دیجئے کہ جو کتاب مجھے بذریعہ وحی دی گئی ہے اس میں کسی کھانے والے کے لئے کوئی چیز حرام نہیں پاتا ہوں، سوائے اس کے کہ کوئی مُردار جانور ہو، یا بہنے والا خون، یا خنزیر کا گوشت ہو، کیونکہ وہ ناپاک ہے، یا ایسا جانور جو غیر اللہ کے نام پر چھوڑا گیا ہو) [الأنعام: ۱۴۵]. اس آیت میں کہیں بھی پاخانہ کے حرام ہونے کا ذکر نہیں ہے. اگر وہ کہے کہ یہ ''رجس'' میں شامل ہے تو ہم کہیں گے ہر حرام شے ''رجس'' ہے، خصوصاً اس صورت میں جب کہ ہمارا مخاطب اونٹ کے پیشاب و پاخانہ کو حلال سمجھنے والا ہو. اگر زیاتی حکم تسلیم نہ کیا جائے تو آخر ان پاخانوں میں کس طرح فرق کیا جائے گا. نیز اس سے یہ بھی لازم آئے گا کہ پھوپھی اور بھتیجی کے درمیان جمع کرنے کو حلال قرار دیا جائے. کیونکہ قرآن نے محرمات کی تفصیل بیان کرنے کے بعد کہا ہے: ﴿وَ اُحِلَّ

---

(۱) الرسالہ: ص ر ۲۳۲، فقرات ر ۶۴۴-۶۴۶.

(۲) الإحکام فی اصول الأحکام: ص ر ۱۹۷-۱۹۸.

لَكُمْ مَّاوَرَآءَ ذٰلِكُمْ﴾ (اوران کے علاوہ (عورتوں سے شادی کرنا) تمہارے لئے حلال ہے) اگر ''زیادتی'' کو مخالفِ قرآن تصور کیا جائے گا تو وہ چیزیں بھی لازم آئیں گی جن کا تذکرہ میں نے کیا ہے.

آگے فرماتے ہیں: محمد بن عبداللہ بن میسرہ فرماتے ہیں: حدیث کی تین قسمیں ہیں: وہ حدیث جو حکمِ قرآنی کے موافق ہو، اور اس کی اتباع فرض ہے. دوسری وہ حدیث جو حکم قرآنی سے زائد ہو، مگر اس کی اضافت بھی قرآن ہی کی طرف کی جائے گی اور اس کی اتباع بھی واجب ہوگی. تیسری وہ جو حکمِ قرآنی کی مخالف ہو اور یہ مردود ہوگی، علی بن احمد کا قول ہے: اصلاً کسی خبر صحیح کے قرآن مخالف ہونے کی کوئی وجہ نہیں، ہر خبر شریعت کا حصہ ہے، اسے یا تو ہم قرآن ہی کی طرف مضاف مانیں گے اور اسی پر عطف کریں گے اور اس کے اجمال کی تفسیر سمجھیں گے، یا اس سے مستثنیٰ مانتے ہوئے اجمال قرآن کا بیان سمجھیں گے، اس میں کسی تیسری صورت کی گنجائش نہیں ہے [1].

بہرحال اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر دو طریقوں سے حجت قائم کیا ہے. اور ان دونوں کی اصل کتابُ اللہ میں ہے، اور ان سے مراد قرآنِ کریم اور رسول کی سنت ہے، اس طور پر کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اس کی اتباع کو فرض کہا ہے.

صحابہ کرام سنت کو شریعت سمجھ کر سیکھا کرتے تھے:

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے رسول کو عالمِ انسانیت کی طرف اپنے پسندیدہ دین کے ساتھ مبعوث کیا. آپ نے اپنی دعوت کا اظہار کرتے ہوئے قوم کے سرداروں اور عام لوگوں کو اس دین کی دعوت دی. لوگ اسلام میں داخل ہوئے، اور وہ اس کے مشتاق ومتلاشی تھے جو انہیں تاریکی سے نکال کر نور کے راستہ پر گامزن کردے. اسلام کو ان گم گشتہ راہ نفوس سے سابقہ پڑا اور وہ ان کے دلوں پر چھا گیا اور ان کی رگوں میں ایمان خون کی طرح دوڑنے لگا، اور انہیں اچھی طرح معلوم ہوگیا کہ ان کا یہ دین پوری انسانیت کی سعادت کا سرچشمہ اور ان کی عزت کا تمغہ ہے. چنانچہ وہ قرآن کریم کے چشمۂ شفاف سے سیراب ہونے لگے اور کتابُ اللہ کے بیان یا تشریعی احکام کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کے فرمودات کو ہاتھوں ہاتھ لینے لگے اور پورے شوق اور فہم کے ساتھ اسے اپنے سینوں میں محفوظ کرتے رہے، یہی نہیں بلکہ آپ کی مجلسوں میں شرکت کے بے حد متمنی رہتے، اور اگر کسی کے لئے ہر روز حاضر ہونا مشکل ہوتا تو باری لگا لیتے تھے.

(۱) الإحکام فی اصول الأحکام: ص ر ۲۰۱.

عمر بن خطاب فرماتے ہیں: میں اور میرا ایک انصاری پڑوسی جو بنوامیہ بن زید سے تھا، رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے ہم نے باری مقرر کر رکھی تھی. ایک دن وہ حاضر ہوتا تو دوسرے دن میں، جس دن میں جاتا تو اس دن کی پوری خبر سے خواہ وہ وحی سے متعلق ہوتی یا غیر وحی سے، اُسے آگاہ کر دیتا، اگر وہ جاتا تو مجھے اس دن کی پوری خبر سے آگاہ کرتا(۱).

غرضیکہ صحابہ کرام آپ کی طرف اور آپ کے عمل وفرمودات کی طرف اتباع وانقیاد کی نظر سے دیکھا کرتے تھے. کبھی مسلمانوں کے مابین کوئی حادثہ وقوع پذیر ہوتا اور لوگ آپ سے اس کا حکم پوچھتے اور آپ مکمل وضاحت کے ساتھ اس کا جواب دیتے، تا کہ لوگوں کے دل حقیقت کو سمجھ کر مطمئن ہو جائیں.

کبھی لوگ اپنے معاملات اور مسائل کو بلا جھجک آپ کے سامنے پیش کرتے، انہیں استفسار سے کوئی روکنے والا نہیں تھا. چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک دور دراز کا رہنے والا دیہاتی آپ سے اسی طرح ہم کلام ہوتا تھا جس طرح آپ کے جان نثار و وفادار صحابہ ہم کلام ہوا کرتے تھے. تمام لوگ حق کے متلاشی تھے. وہ صحابہ کرام جو اپنے ذاتی معاملات اور دینی امور سے متعلق سوالات کیا کرتے تھے ان کے لئے عبادات اور عقائد کے متعلق سوال کرنے سے کوئی چیز مانع نہیں تھی.

اسی طرح صحابہ آپ کے تصرفات اور معاملات کا مشاہدہ کیا کرتے تھے، اور اس کی مثالیں بہت ہیں.

نبی اکرم ﷺ کے مجالس کا دائرہ مردوں ہی تک محدود نہیں تھا، بلکہ بہت سی عورتیں بھی مسجد میں آتیں، اور آپ کی حدیث سنتی تھیں. عام جلسوں جیسے عید وغیرہ کے موقعوں پر بھی عورتیں عیدگاہ آتیں اور آپ کے وعظ ونصیحت سے اپنا دامنِ مراد بھرتیں. اکثر عورتوں کے ساتھ نئے نئے مسائل پیدا ہوتے رہتے، اور وہ عورتیں اپنی پریشانیوں اور دینی مسائل کو لے کر آپ کے پاس حاضر ہوتیں، اور آپ سے سوال کرنے میں شرماتی نہیں تھیں، کیوں کہ انہیں معلوم تھا کہ دین سیکھنے میں شرم وحیا سے کام نہیں لینا چاہئے.

تاریخِ عالم کی ان عدیم النظیر قربانیوں کا ہی ثمرہ ہے کہ صحابہ کرام نے قرآنِ کریم کے ساتھ سنت کی بھی حفاظت کی، گرچہ اس میں صحابہ کی کوششیں مختلف اور ان کی حصہ داریاں الگ الگ رہیں. کچھ صحابہ نے کثرت کے ساتھ احادیث کو حفظ کیا اور کچھ نے کم، اور کچھ صحابہ اس میں متوسط رہے، لیکن ان سبھوں نے مل کر پوری امانت ودیانت کے ساتھ اپنے لئے اور قیامت تک آنے والے تمام لوگوں کے لئے احادیثِ رسول کو محفوظ کر دیا.

(۱) بخاری، کتاب العلم، باب التناوب فی العلم: ۱/ ۴۷.

تیسری فصل

حجیتِ سنت پر امت اسلامیہ کا اجماع

آیاتِ قرآنیہ کی شہادت کے ساتھ اتباعِ سنت پر امت اسلامیہ کا اجماع قائم ہو چکا ہے جس کے بعد اس میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں رہتی، اس سلسلے کی بیشتر آیتیں پہلے ہی ذکر کی جا چکی ہیں. اگر اس کے بعد بھی کوئی اتباعِ سنت کا منکر ہے تو گویا وہ مؤمنین کے شاہراہ سے بھٹکا ہوا ہے.

امام شافعی نے ''جماع العلم'' کی بحث کے ابتداہی میں لکھا ہے[1]: میں نے کسی بھی ایسے شخص کو جو خود کو عالم کہتا ہے یا لوگ اسے عالم کہتے ہیں، اس بات میں اختلاف کرتے نہیں سنا کہ اللہ تعالیٰ نے حکمِ رسول کی اتباع کو فرض قرار دیا ہے. یعنی ہر شخص کو آپ کی اتباع کرنی ہی ہے، اور کسی قول کا التزام تب تک نہیں کیا جائے گا جب تک کتاب وسنت نہ لازم کرے، اِن دونوں کے علاوہ جو ہے وہ اِن کا تابع ہے. اور اللہ تعالیٰ نے ہم پر، بعد والوں پر اور گزرے ہوئے لوگوں پر رسول اللہ ﷺ کی خبر کو صدق دل سے قبول کرنے کو یکساں فرض کیا ہے، صرف ایک فرقہ ہے جس کے بارے میں انشاء اللہ آئندہ گفتگو کریں گے.

امام ابن حزم ''الاحکام'' میں لکھتے ہیں[2] اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ إِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ﴾ الآیۃ (پھر اگر کسی معاملہ میں تمہارا اختلاف ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹا دو اگر تم اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو)[3]. فرماتے ہیں: پوری امت اسلامیہ اس بات پر متفق ہے کہ اس آیت کریمہ کے مخاطب ہم اور قیامت تک آنے والے تمام جن وانس ہیں، بالکل اسی طرح جس طرح اس کے مخاطب عہدِ رسول اور اس کے بعد اور ہم سے پہلے کے لوگ تھے.

امتِ اسلامیہ کے تمسک والتزام بالسنّت کے بارے میں اتنی زیادہ روایتیں پائی جاتی ہیں کہ انہیں شمار کرنا مشکل ہے. ہم ان روایات میں سے بعض کو ذکر کر رہے ہیں، تاکہ یہ دیکھیں کہ آخر حجیتِ سنت پر امت اسلامیہ کا عملی اجماع کیونکر قائم ہوا.

---

(۱) الأم: ج/۷، ۲۷۳.

(۲) الإحکام: ص/۸۸.

(۳) سورہ النساء: آیت/۵۹.

۱-قبیصہ بن ذؤیب کی روایت ہے، فرماتے ہیں: ابوبکر کی خدمت میں ایک ''جدّۃ'' (دادی) اپنی میراث کے سلسلے میں آئی. ابوبکر نے اس سے کہا: کتاب اللہ میں تمہارے لئے کچھ نہیں ہے اور میرے علم کے مطابق سنت رسول میں بھی کچھ نہیں ہے، ویسے ابھی تم جاؤ. اس سلسلے میں لوگوں سے دریافت کرتا ہوں. آپ نے لوگوں سے پوچھا تو مغیرہ بن شعبہ نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے دادی کو سُدُس (۱/۶) دیا ہے. ابوبکر نے کہا: کیا اس وقت تمہارے ساتھ کوئی اور بھی تھا؟ یہ سن کر محمد بن مسلمہ کھڑے ہوئے اور مغیرہ بن شعبہ کی تائید کی، اس کے بعد ابوبکر نے جدۃ ''دادی'' کے لئے سُدُس مقرر کردیا(۱).

۲-زہری سعید بن مسیّب سے روایت کرتے ہیں کہ عمر بن خطاب فرمایا کرتے تھے: دیت ''عاقلہ'' کے لئے ہے، بیوی کو اس کے شوہر کی دیت سے کچھ نہیں ملے گا. مگر جب ضحاک بن سفیان نے انہیں بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے اشیم ضبابی کی بیوی کو اس کی دیت سے حصہ دینے کے متعلق ان کے پاس خط لکھا تھا، تب عمر نے اپنی رائے سے رجوع کرلیا(۲).

۳-امام شافعی فرماتے ہیں: ہمیں مالک نے خبر دی وہ سعد بن اسحاق بن کعب بن عجرۃ کے حوالے سے اور وہ اپنی پھوپھی زینب بنت کعب کے حوالے سے کہ فریعہ بنت مالک بن سنان نے انہیں بتایا کہ ایک مرتبہ وہ رسول اللہ ﷺ سے یہ دریافت کرنے آئی کہ میں بنی خدرہ میں اپنے والدین کے پاس رہنا چاہتی ہوں. اس کا شوہر اپنے غلاموں کی تلاش میں گیا تھا، واپسی میں راستے میں ان غلاموں نے اسے قتل کردیا، اس نے آپ سے پوچھا، میرے شوہر کے پاس اپنا کوئی مکان نہیں تھا، کیا میں اب اپنے خاندان والوں کے ساتھ رہ سکتی ہوں؟ وہ کہتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا. ہاں، اس کے بعد میں واپس ہوئی، ابھی میں حجرہ ہی میں تھی یا مسجد میں تھی کہ دوبارہ رسول اللہ ﷺ نے آواز دی اور فرمایا: تم نے کیا کہا تھا؟ میں نے دوبارہ اپنی بات پیش کی اور اپنے شوہر کے ساتھ پیش آنے والے واقعہ کو دہرادیا. آپ نے مجھ سے کہا کہ تم اس وقت تک اپنے گھر میں رُکی رہو جب تک کتاب اپنے اجل کو نہ پہنچ جائے. (یعنی عدت کی مدت مکمل نہ ہوجائے) میں اس گھر میں چار مہینہ دس دن تک عدت میں رہی. جب عثمان کے دور میں اسی طرح کا واقعہ پیش آیا تو آپ نے میرے یہاں ایک شخص کو بھیجا، میں نے اسے پوری بات بتادی اور عثمان

(۱) اسے مالک نے مؤطا، کتاب الفرائض، باب میراث الجدۃ، ۲/ ۵۱۳، ابوداؤد، کتاب الفرائض، باب میراث الجدۃ، رقم: ۲۸۹۴ میں، اور ترمذی کتاب الفرائض، باب ماجاء فی میراث الجدۃ، ۲۱۰۱ میں روایت کیا ہے.

(۲) مسند امام احمد: ۳/ ۴۵۲، ابو داؤد کتاب الفرائض، باب فی المرأۃ ترث من دیۃ زوجھا، حدیث/ ۲۱۱۱.

نے اسی کے مطابق فیصلہ دیا[۱].

۴-امام شافعی فرماتے ہیں: ہمیں امام مالک نے خبر دیا عبداللہ بن دینار کے حوالے سے اور وہ ابن عمر کے حوالے سے کہ انہوں نے فرمایا: ایک مرتبہ لوگ قباء میں صبح کی نماز ادا کر رہے تھے کہ اسی اثناء میں ایک شخص نے آ کر یہ خبر دی ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر قرآن نازل ہوا ہے. اور آپ کو استقبالِ کعبہ کا حکم ملا ہے، آپ لوگ بھی کعبہ کی طرف رخ کرلیں. لوگ شام کی طرف متوجہ تھے اس خبر کو سن کر کعبہ کی طرف مڑ گئے[۲].

گویا کہ تمام صحابہ کرام کا یہ عقیدہ تھا کہ سنتِ نبویہ اصول دین میں سے ایک بنیادی اصل ہے اور قرآن کے بعد شریعت کے لئے یہ بنیادی حیثیت رکھتی ہے. وہ لوگ سنت کے مقابلہ میں کسی کی رائے کو کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے. اگر کوئی رسول اللہ ﷺ کے جاری کردہ طریقہ سے ذرہ برابر بھی انحراف کرتا تو صحابہ کرام سخت برہم ہوتے تھے اور شدت کے ساتھ اس کا انکار کرتے تھے. اس سے قبل ''احادیث نبویہ سے حجیتِ سنت کی تائید'' اور ''سنتِ نبویہ کے ذریعہ قرآن کا بیان'' کی بحث میں اس قسم کے بہت سے واقعات اور روایات ذکر کئے جا چکے ہیں. اور صحابہ ہی نہیں بلکہ تابعین وتبع تابعین اور ان کے بعد کے مسلمانوں کا طریقہ بھی یہی رہا ہے.

۵-ایک شخص نے مطرف بن عبداللہ بن شخیر سے کہا کہ ہم سے صرف قرآن کے حوالے سے ہی بات کرو. مطرف نے کہا: اللہ کی قسم میں کسی چیز کو قرآن کا بدل قرار نہیں دیتا مگر میں اس شخص کی بات کر رہا ہوں جو ہم سے کہیں زیادہ قرآن کا جاننے والا تھا[۳].

۶-عروہ کے لئے بھیجے جانے والے عمر بن عبدالعزیز کے پیغام میں لکھا تھا: لوگوں کے مابین فیصلہ کرنے کے

---

(۱) الرسالہ: ص/۴۳۸، اور حدیث کے لئے دیکھئے مؤطا: ۵۹۱/۲، کتاب الطلاق، باب مقام المتوفى عنها زوجها في بيتها حتى تحل، ابوداؤد، کتاب الطلاق، باب في المتوفىٰ عنها تنتقل، حدیث نمبر ۲۳۰۰، ترمذی کتاب الطلاق، باب أين تعتد المتوفى عنها زوجها، حدیث نمبر ۱۲۰۴ میں اور نسائی کتاب الطلاق، باب مقام المتوفىٰ عنها زوجها في بيتها حتى تحل: ۱۹۹/۶، مسند احمد، اور ابوداؤد طیالسی، ابن ماجہ اور دارمی، ابن حبان وحاکم ودیگر علماء نے اسے صحیح کہا ہے.

(۲) صحیح بخاری کتاب الصلاۃ، باب ما جاء في القبلہ: ۳۲/۸، کتاب التفسیر، باب قول الله تعالىٰ وما جعلنا القبلة اور باب: ولئن أتيت الذين أوتوا الكتاب، وباب: الذين آتيناهم الكتاب يعرفونه، وباب: ومن حيث خرجت فول وجهک، اور کتاب خبر الواحد باب ما جاء في إجازة خبر الواحد الصدوق، مسلم، کتاب المساجد، باب تحويل القبلة حدیث نمبر ۵۲۶، مالک: ۱۹۵/۱، باب ما جاء في القبلة، ترمذی کتاب الصلاۃ، باب ما جاء في ابتداء القبلة حدیث: ۳۴۱، اور نسائی ۶۱/۲ کتاب القبلہ، باب استبانة الخطأ بعد الاجتهاد میں روایت کیا ہے.

(۳) جامع بیان العلم: ۳۰/۲.

طریقۂ کار کے بارے میں تم نے مجھ سے دریافت کیا ہے تو جان لو کہ سب سے افضل کتاب اللہ کے ذریعہ فیصلہ کرنا ہے، اس کے بعد سنتِ رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ...... الخ[۱]۔

۷- عبداللہ بن مبارک کہتے ہیں کہ میں نے ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو کہتے سنا: جب رسول اللہ ﷺ کا کوئی حکم مل جاتا ہے تو اسے دل و جان سے قبول کرتا ہوں...... الخ[۲]۔

۸- امام احمد بن حنبل سے ایک مرتبہ کسی نے سوال کیا کہ کیا روئے زمین پر اللہ تعالیٰ کے ابدال ہیں؟ آپ نے فرمایا: کیوں نہیں، آپ سے پوچھا گیا وہ کون لوگ ہیں؟ آپ نے جواب دیا. اگر اہل حدیث ابدال نہیں ہیں تو دوسرا کوئی نہیں ہوسکتا[۳]۔

۹- ابن وہب بیان کرتے ہیں کہ امام مالک نے فرمایا: حکم دو ہی طرح کا ہے. ایک وہ جو کتاب اللہ میں ہے اور دوسرا وہ جسے سنت نے ثابت کیا ہے[۴]۔

یہی وہ چیز ہے جس پر پوری امت اسلامیہ کے علماء متفق ہیں. ان حضرات نے کبھی بھی لوگوں کے آراء کو سنت کے مقابلہ میں گوارہ نہیں کیا، اور اس راستے سے وہی منحرف ہوا جس سے کبھی کسی خیر کی امید نہیں رہی۔

(۱) جامع بیان العلم: ۲/ ۳۰۔
(۲) مفتاح الجنۃ: ص/ ۲۱۔
(۳) مصدر سابق: ص/ ۴۸۔
(۴) جامع بیان العلم: ۲/ ۳۰۔

دوسرا باب

قرآن کریم کے مقابلہ میں سنت نبویہ کا مقام ومرتبہ

اس میں دو بحثیں ہیں:

پہلی بحث: اخذ واعتبار میں سنت کا مقام

دوسری بحث: سنت قرآن کریم کا بیان ہے

پہلی بحث

اخذ و اعتبار میں سنت کا مقام و مرتبہ

اس میں کوئی شک نہیں کہ اعتبار واستدلال اور احکام شرعیہ کے استنباط میں قرآن کریم کے بعد سنت کو دوسرا مقام حاصل ہے. یعنی کوئی مجتہد کسی واقعہ کے متعلق حکم معلوم کرنا چاہتا ہے تو سنت کی طرف تب رجوع کرتا ہے جب اس واقعہ سے متعلق حکم قرآن میں نہیں پاتا. کیوں کہ قرآن کریم شریعت کی بنیاد اور اس کا مصدرِ اول ہے. جب قرآن حکم طے کردے تو مجتہد اس کا پابند ہوگا، اور اگر قرآن میں کسی واقعہ کا حکم بیان نہ ہو تو سنت کی طرف رجوع کرے گا. اگر اس میں حکم مل گیا تو اسی کو اختیار کرے گا.

امام شاطبی نے موافقات میں اس کے لئے کئی امور سے استدلال کیا ہے:

۱- کتابُ اللہ قطعی ہے اور سنت ظنی، اور اجمالاً سنت کو قطعی کہا جاسکتا ہے تفصیلاً نہیں، جب کہ کتابُ اللہ اجمالاً وتفصیلاً دونوں طرح سے قطعی ہے. اور مقطوع بہ مظنون پر مقدم ہوتا ہے، چنانچہ قرآن کو سنت پر مقدم کرنا لازم ہے.

۲- یا تو سنت قرآن کا بیان ہوگی یا اس سے زائد حکم پر مشتمل ہوگی. اگر بیان ہے تو اعتبار میں مُبیَّن کے بعد ہوگی، اس لئے کہ مُبیَّن کے ساقط ہونے سے بیان کا ساقط ہونا لازم ہے، مگر بیان کے ساقط ہونے سے مُبیَّن کا ساقط ہونا لازم نہیں ہے، اور جس کا مقام یہ ہو اسی کو مقدم کرنا بہتر ہے. اور اگر بیان نہیں ہے تو اس کا اعتبار تب تک نہیں کیا جائے گا جب تک کتابُ اللہ میں اس کا عدمِ وجود ثابت نہ ہو. اور یہ اعتبار کتابُ اللہ کی تقدیم کی دلیل ہے.

۳- اس کی تائید وتوثیق اخبار وآثار سے بھی ہوتی ہے، معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی مشہور حدیث ہے، رسول اللہ ﷺ نے ان سے کہا کہ تم لوگوں کے مسائل میں کس طرح فیصلہ دوگے؟ انہوں نے جواب دیا: کتاب اللہ کے ذریعہ. آپ ﷺ نے ان سے کہا: اگر کتاب اللہ میں نہ پاؤ؟ انہوں نے کہا: سنت رسول ﷺ کے ذریعہ فیصلہ کروں گا. آپ ﷺ نے فرمایا: اگر سنت رسول میں بھی نہ پاؤ؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں اجتہاد کروں گا. الحدیث[1].

---

(۱) ابوداؤد، کتاب الأقضیہ، باب اجتهاد الرائي في القضاء، حدیث: ۳۵۹۲، ترمذی، الأحکام، باب ما جاء في القاضي کیف یقضی؟ حدیث: ۱۳۲۷، اور ترمذی نے کہا ہے: یہ حدیث صرف اسی سند سے مروی ہے، نیز میرے نزدیک اس حدیث کی سند متصل نہیں ہے. حافظ ابن حجر تلخیص میں فرماتے ہیں: امام بخاری نے تاریخ میں لکھا ہے حارث بن عمرو عن اصحاب معاذ وعنہ ابوعون: یہ حدیث صحیح نہیں ہے اور یہ کسی دوسری سند سے مروی بھی نہیں ہے. دارقطنی علل میں فرماتے ہیں: شعبہ نے ابوعون سے اسی طرح روایت کیا ہے، اور ابن مہدی اور دوسرے لوگوں نے ان سے مرسل روایت کی ہے، اور مرسل ہی زیادہ صحیح ہے.

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے قاضی شریح کے پاس لکھا تھا کہ اگر تمہارے پاس کوئی ایسا معاملہ آئے جس کا حکم قرآن میں موجود ہے تو حکم قرآن کے ذریعہ فیصلہ دینا. اگر کتاب اللہ میں نہ ہو تو سنتِ رسول کے ذریعہ فیصلہ کرنا...... الخ. ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں: جب کتاب اللہ میں کوئی حکم مل جائے تو اسی کے مطابق فیصلہ دو کسی اور کی طرف متوجہ نہ ہو. اس معنی کو دوسری جگہ یوں بیان فرمایا ہے: قرآن کریم سے مسئلہ واضح ہو جائے تو پھر دوسرے کسی سے مت پوچھو. اگر کتاب اللہ سے تم نہیں سمجھ سکو تو اس میں سنتِ رسول کی اتباع کرو.

نیز عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، آپ فرماتے ہیں: تم میں سے جس کسی کے پاس کوئی مسئلہ آئے تو کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ دے. اگر کتاب اللہ میں نہ پائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کے مطابق فیصلہ کرے.

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ سے جب بھی کسی چیز کے متعلق سوال کیا جاتا، اور اس کا جواب کتاب اللہ میں ہوتا تو اسی کو سنا دیتے، اگر کتاب اللہ میں نہیں ہوتا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہوتا تو پھر اسے ہی نقل کر دیتے(۱).

مذکورہ بالا بیشتر آثار و اخبار محدثین کی کسوٹی پر کھرے نہیں اُترتے مگر بحیثیت مجموعی ان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ عظام کے نزدیک سنت کا مقام قرآن کے بعد ہے اور یہ کہ مراتبِ اعتبار میں سنت قرآن کا ہمسر نہیں ہے.

اور جو لوگ احتجاج و اعتبار میں سنت کو کتاب اللہ پر مقدم مانتے ہیں. ان کے اس قول کی بنیاد وہ روایت ہے جس میں آیا ہے کہ سنت ''قرآن پر غالب'' ہے اس کے برخلاف قرآن ''سنت پر غالب'' نہیں ہے، ان لوگوں کے نزدیک اس کی توجیہ یہ ہے کہ بسا اوقات کتاب میں دو یا اس سے زائد معانی کا احتمال ہوتا ہے اور سنت آ کر کسی ایک معنی کو متعین کرتی ہے. اس وقت سنت کا اعتبار کیا جاتا ہے اور کتاب کے اجمالی معنی کو چھوڑ دیا جاتا ہے.

یہ بھی دلیل دیتے ہیں کہ کبھی کوئی آیت بظاہر امر معلوم ہوتی ہے مگر سنت آ کر اس کو ظاہر سے نکال کر دوسرے معنی میں خاص کر دیتی ہے. اور یہ تقدیم سنت کی ایک اہم دلیل ہے. ویسے تقدیم سنت کے لئے اتنا کافی ہے کہ وہ قرآن کے اطلاق کی تقیید اور اس کے عموم کی تخصیص کرتی ہے اور اس کو اس کے ظاہری معنی سے ہٹا کر دوسرے معنی کی طرف موڑ دیتی ہے. اس کے بعد ان لوگوں نے ان احادیث کا ذکر کیا ہے جن کے ذریعہ قرآن کی تخصیص یا تقیید کی گئی ہے یا اس کو اس کے ظاہری مفہوم سے دوسرے مفہوم کی طرف پھیر دیا گیا ہے.

---

(۲) الموافقات: ۴/ ۵-۶.

ان کی دلیل یہ بھی ہے کہ کتاب وسنت کے باہم متعارض ہونے کی صورت میں علمائے اصول کے درمیان اختلاف ہے کہ قرآن وسنت میں سے کس کو مقدم کیا جائے گا یا اسے متعارض تسلیم کیا جائے گا؟

اس کے بعد قولِ اول کی دلیلوں پر رد کرتے ہوئے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی خبر کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ خلاف دلیل ہے. کتاب اللہ کے کل حکم کو کل سنت پر مقدم نہیں کیا جا سکتا، اس لئے کہ اخبارِ متواترہ دلالت میں کتاب کی دلالت سے کمزور نہیں ہیں. اور اخبارِ آحاد ظواہر کتاب کے ساتھ محلِ اجتہاد ہوتے ہیں. اسی وجہ سے اختلافات ہوئے ہیں.

اور حدیث پر قرآن کو مقدم کرنے کے حکم کی تاویل یہ کیا ہے کہ اس کا منشأ اسہل اور اقرب سے شروع کرنا ہے اور وہ کتاب اللہ ہے. اور جب صورت حال ایسی ہے تو پھر علی الاطلاق قرآن کو مقدم کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے. بلکہ اعتبار دلیل کا کیا جانا چاہئے.

امام شاطبی نے قولِ اوّل کو راجح بتاتے ہوئے قولِ ثانی کے دلائل کا رد کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ سنت کو "قرآن پر غالب" کہنے کا یہ ہرگز مفہوم نہیں کہ وہ اس پر مقدم ہے. بلکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ سنت کی تعبیر ہی کتاب اللہ کا مراد ہے. اور سنت تفسیر وشرح کے مرتبہ میں ہے.

لیکن میرے فہم کے مطابق یہ اختلاف لفظی ہے، کیونکہ دوسرے قول کے قائلین اس بات کا انکار نہیں کرتے ہیں کہ ایک مجتہد کسی واقعہ کا حکم معلوم کرنے کے لئے اس وقت سنت کی طرف رجوع کرے گا جب وہ اس کا حکم قرآن میں نہ پائے اور پہلے قول کا مطلب یہی ہے. اسی طرح قول اول کے حامی اس کا انکار نہیں کرتے کہ سنت قرآن کو اس کے ظاہر سے پھیرتی ہے. اس کے اطلاق کو مقید کرتی اور اس کے عموم کی تخصیص کرتی ہے اور دوسرے قول کا مفہوم بھی یہی ہے.

گویا قرآن کریم احتجاج واعتبار میں اس طرح مقدم ہے کہ سنت کی طرف اسی وقت رجوع کیا جا سکتا ہے جب قرآن میں حکم نہ ملے. اور سنت کلام الٰہی کا بیان ہے، قرآن کو اس کے ظاہر سے پھیرنے والی ہے. اس کے اطلاق کو مقید کرنے والی، اور اس کے عام کو خاص کرنے والی ہے، نیز اس کے دامن میں ایسے احکام بھی ہیں جن کے متعلق قرآن میں کوئی نص نہیں ہے. بجز ان عمومی آیات کے جن کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی اتباع کو بالاستقلال فرض کیا ہے.

اصول قرآن کی تشریح وتوضیح میں سنت رسول کے اہم کردار کو دیکھ کر ہی بعض علماء سابقین نے سنت کو قرآن پر غالب کہا ہے. امام اوزاعی رحمہ اللہ نے تو یہاں تک فرما دیا: «الكتاب أحوج إلى السنة من السنة إلى

الکتاب» ''سنت قرآن کی اتنی محتاج نہیں جتنا قرآن سنت کا محتاج ہے''(۱).

امام اوزاعی وغیرہ کے کلام کا مقصد یہ ہے کہ معانی قرآن کو سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے رسول امین ﷺ ہی سمجھتے ہیں جو خواہش نفس سے کچھ نہیں کہتے بلکہ جو کچھ کہتے ہیں یا جو ادا ہوتا ہے وہ وحی ہوتی ہے.

یہی وجہ ہے کہ جب مطرف بن عبداللہ بن شخیر کو یہ کہا گیا کہ صرف کتاب اللہ کی روشنی میں بات کریں تو انہوں نے جواب دیا تھا میرا ارادہ قرآن کا بدل پیش کرنا نہیں ہے، بلکہ میں اس کے قول کو بیان کرنا چاہتا ہوں جو ہم سبھوں سے زیادہ قرآن کو سمجھتا ہے(۲).

چنانچہ سنت یا تو مجملات قرآن کی تفسیر ہوتی ہے یا قرآن کریم میں غیر مذکور حکم کی تاصیل کرتی ہے اور یہی چیز اسے دوسرا مقام عطا کرتی ہے. نیز اس نکتہ کی بھی وضاحت کرتی ہے کہ شریعت اسلامیہ بیک وقت دو اصولوں پر قائم ہے یعنی قرآن اور حدیث، جس کی تائید رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث سے ہوتی ہے. «ترکتُ فیکم أمرین لن تضلّوا ما تمسکتم بھما کتاب اللّٰہ وسنتی»(۳).

(۱) جامع بیان العلم، ج ۲، ص: ۱۹۱، اور موافقات: ۴/۱۹.

(۲) موافقات، ج: ۴، ص: ۱۹، اور جامع بیان العلم: ۲/۱۹۱.

(۳) اس حدیث کو امام مالک نے موطا حدیث رقم: ۳، باب النھي عن القول بالقدر بلاغاً کے تحت روایت کیا ہے. اور حاکم نے ۱/۹۳ میں اس کو ابن عباس سے بسندِ حسن روایت کیا ہے جس سے حدیث کو تقویت حاصل ہوتی ہے.

دوسری بحث

سنتِ نبویہ قرآنِ کریم کا بیان ہے

قرآن وسنت کے رشتہ کی وضاحت اور سنت کے بیانِ قرآن ہونے کی تفصیل کے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ قرآن سے سنت کی نسبت تین طرح کی ہے:

۱- یا تو سنت کسی قرآنی حکم کی مؤیِّد ہوگی، اس صورت میں اس حکم کے دو مصدر ہوں گے اور اس کی دو دلیلیں ہوں گی. ایک قرآن کی آیت جو دلیلِ مُثبِت ہوگی، اور دوسری سنتِ رسول اللہ ﷺ جو دلیل مؤیِّد کہلائے گی. اس قسم کے احکام میں سے نماز وروزہ، اور حج وزکاۃ کا حکم، شرک باللہ وجھوٹی شہادت، والدین کی نافرمانی اور بغیر حق کے کسی کو قتل کرنے کی ممانعت جیسے وہ اوامر ونواہی ہیں، جن کو قرآن نے بیان کیا ہے اور سنت نے ان کی تائید کی ہے، اور ان دونوں سے ان پر استدلال کیا جاتا ہے.

۲- یا سنت کسی ایسے حکم کو قائم وثابت کرنے والی ہوگی جس کے بیان سے قرآن خاموش ہو. اس صورت میں یہ حکم سنت سے ثابت ہوگا. اور قرآنی نص اس کے اظہار سے قاصر ہوگی.

اس قسم کے احکامات میں سے عورت اور اس کی پھوپھی کے درمیان جمع کرنے کی حرمت [(۱)] نوکیلے دانت والے جانوروں کی حرمت [(۲)]، مردوں کے لئے ریشمی ملبوسات اور سونے کی انگوٹھی استعمال کرنے کی حرمت [(۳)] اور

---

(۱) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے کہ کسی عورت سے نکاح کیا جائے اس کی پھوپھی کے اوپر یا اس کی خالہ کے اوپر. بخاری، کتاب النکاح، باب لَا تنكح المرأة على عمتها، مسلم، کتاب النکاح، باب تحريم الجمع بين المرأة وعمتها أو خالتها، حدیث نمبر: ۱۴۰۸، امام مالک مؤطا: ۲/ ۵۳۲، کتاب النکاح، باب ما لَا يجمع بينه من النساء، ابوداؤد، کتاب النکاح، باب ما يكره أن يجمع بينهن من النساء، حدیث: ۱۰۶۵-۱۰۶۶، ترمذی، کتاب النکاح، باب ما جاء لَا تنكح المرأة على عمتها ولَا على خالتها، حدیث: ۱۱۲۶، نسائی، کتاب النکاح، باب الجمع بين المرأة وعمتها، وباب تحريم الجمع بين المرأة وخالتها: ۶/ ۹۶-۹۸.

(۲) عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نوکیلے دانت کے جانوروں اور پنجہ سے نوچ کر کھانے والی چڑیوں کے گوشت سے منع کیا ہے. امام مسلم، کتاب الصيد، باب تحريم أكل كل ذی ناب من السباع، حدیث: ۱۹۳۴، ابوداؤد، كتاب الأطعمة، باب نهي عن أكل السباع، رقم حدیث: ۳۸۰۳-۳۸۰۵ اور نسائی، کتاب الصيد، باب إباحة أكل لحوم الدجاج: ۳/ ۲۰۶.

(۳) عبداللہ بن زریر سے روایت ہے کہ انہوں نے علی بن ابی طالب کو کہتے سنا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اپنے داہنے ہاتھ میں ریشم اور بائیں ہاتھ میں سونا لئے ہوئے دیکھا آپ فرما رہے تھے: یہ دونوں ہماری امت کے مردوں کے لئے حرام ہیں. ابوداؤد، کتاب اللباس، باب فی الحریر للنساء، حدیث: ۴۰۵۷، نسائی، کتاب الزینۃ، باب تحریم الذھب علی الرجال: ۸/ ۱۶۰، حدیث نمبر: ۴۰۵۷.

حدیثِ رسول «يحرم من الرضاع ما يحرم من النسب» ''نسب سے جو رشتے حرام ہوتے ہیں وہ رضاعت سے بھی حرام ہو جاتے ہیں''(۱) جیسے احکامات داخل ہیں.

۳- یا سنت قرآن میں وارد اجمال کی تفسیر ہوگی. یا اس کے مطلق کو مقید اور اس کے عام کو خاص کرنے والی ہوگی، گویا یہ تفسیر یا تقیید یا تخصیص جو کہ سنت میں وارد ہوئی ہے دراصل قرآن کے مراد کو اجاگر کرتی ہے.

امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: قرآن کے ساتھ سنت کی تین شکلیں ہیں:

پہلی یہ کہ سنت ہر اعتبار سے قرآن کے موافق ہو، دوسری یہ کہ وہ قرآن کے مقاصد کو بیان کرنے والی ہو اور تیسری یہ کہ وہ ایسے حکم کو ثابت کرتی ہو جس کے متعلق قرآن خاموش ہو. اس تیسری قسم کو نبی اکرم رسول اللہ ﷺ کی طرف سے جاری کردہ حکم کہیں گے، اور اس میں آپ کی اطاعت واجب ہوگی...... الخ.

اللہ تبارک وتعالیٰ نے محمد رسول اللہ ﷺ پر قرآن نازل کرنے کے بعد انہیں اس بات سے آگاہ کر دیا کہ لوگوں کو قرآن کریم میں جہاں کہیں دشواری پیش آئے وہاں آپ ان کے لئے اس کو کھول کر بیان کریں. ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ﴾ (اور آپ پر ہم نے قرآن نازل کیا ہے، تا کہ لوگوں کے لئے جو کچھ نازل کیا گیا ہے اسے آپ ان کے لئے کھول کر بیان کر دیجئے)(۲).

اس آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے مؤمنوں کو سنتِ نبویہ کی تشریعی حیثیت سے آگاہ کیا ہے اور بتایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے اقوال وافعال اور تقریرات ''بیانِ قرآن'' ہیں وہ اس کے اجمال کی تفصیل، اطلاق کی تقیید اور اس کے عام الفاظ کی تخصیص کرتے ہیں. اور قرآن نے جن مقادیر وحدود اور جزئیات کی تعیین نہیں کی ہے اس کی سنت تعیین کرتی ہے. اور سنت کو یہ اختیار حاصل ہے کہ اگر قرآن کسی مسئلہ کے متعلق خاموش رہ جائے تو وہ اپنا حکم جاری کرے. نیز اسے یہ بھی اختیار ہے کہ اگر قرآن کسی مسئلہ کی وضاحت کی ذمہ داری اس پر ڈال دے تو وہ اس ذمہ داری کو بھی ادا کرے.

یہ بات محتاجِ بیان نہیں کہ قرآنِ کریم میں کچھ ایسے نصوص ہیں جن کی حقیقت تک پہنچنے سے ایک مجتہد قاصر رہ جاتا ہے. اور اگر سنت کا بیان نہیں ہوتا تو اس پر عمل کرنا بھی ممکن نہ ہوتا. اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ

(۱) علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے جنھیں نسب کی وجہ سے حرام قرار دیا ہے انہیں رضاعت کی وجہ سے بھی حرام قرار دیا ہے. ترمذی، کتاب الرضاع، باب ماجاء يحرم من الرضاع ما يحرم من النسب ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث صحیح ہے، حدیث ۱۱۴۶.

(۲) سورۃ النحل: آیت ر ۴۴.

وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ﴾ (نماز قائم کرو اور زکاۃ ادا کرو)(۱).

مطلوبہ نماز کیا ہے؟ اس کی کیفیت کیا ہے؟ اوقاتِ نماز کی حد کیا ہے؟ زکاۃ کا کیا معنی ہے؟ اس کی مقدار کتنی ہے؟ کس قسم کے مال سے زکوٰۃ ادا کرنا ہے اور کب کرنا ہے؟ یہ سب باتیں اس آیت سے واضح نہیں ہوتیں.

ارشادِ باری ہے: ﴿وَ كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَاۤ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ﴾ (اور ہم نے تورات میں ان کے لئے حکم جاری کر دیا تھا کہ جان کے بدلے جان)(۲) نیز ارشاد ہے: ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى﴾ (اے ایمان والو! مقتولین کے بارے میں تمہارے اوپر قصاص کو فرض کر دیا ہے)(۳).

مذکورہ دونوں آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر قاتل سے قصاص لینا واجب ہے. اللہ تعالیٰ کا یہ عام حکم ہے اور رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: «أَلَا لَا يقتل مسلم بكافر» ''خبردار! کافر کے بدلے کوئی مسلمان قتل نہیں کیا جائے گا''(۴). اس حدیث سے مذکورہ دونوں آیتوں کے عموم کی تخصیص ہوتی ہے.

نیز ارشاد ہے: ﴿وَ الَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَ الْفِضَّةَ وَ لَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ﴾ (اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں، اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ہیں، تو آپ انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری دے دیجئے)(۵).

مجاہد ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو مسلمانوں پر بڑی گراں ثابت ہوئی. لوگ آپس میں گفتگو کرتے تے کہ اب ہم میں کا کوئی اپنے بعد اپنی اولاد کے لئے کچھ نہیں چھوڑ سکے گا. عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں تم لوگوں کی مصیبت دور کر دیتا ہوں، اور وہ رسول اللہ ﷺ کی طرف چل پڑے، آپ کے پیچھے ثوبان بھی ہو گئے. عمر نے کہا: اے اللہ کے نبی! آپ کے اصحاب پر یہ آیت گراں گذر رہی ہے. رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تبارک وتعالیٰ نے کھانے پینے کے بعد بچ جانے والے مال کی پاکی کے لئے زکاۃ فرض کیا ہے، اور تم جو مال چھوڑ جاتے ہو

---

(۱) سورۃ البقرۃ: آیت/ ۴۳.

(۲) سورۃ المائدہ: ۴۵.

(۳) سورۃ البقرۃ: آیت: ۱۷۸.

(۴) بخاری نے کتاب الدیات، باب لَا يقتل المسلم بالكافر، اور كتاب العلم، باب كتابة العلم، اور كتاب الجهاد، باب فكاك الاسير میں روایت کیا ہے. ترمذی نے كتاب الديات، باب ما جاء لَا يقتل مسلم بكافر، حدیث ۱۲ ۱۴ میں. نسائی نے كتاب القسامه، باب سقوط القود من المسلم للكافر: ۸/ ۲۳ میں روایت کیا ہے.

(۵) سورۃ التوبہ: آیت/ ۳۴.

اس میں ورثہ کے حصے مقرر کیا ہے. یہ سن کر عمر نے اللہ اکبر کہا. الحدیث (۱).

آگے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ﴾ (جولوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کو شرک کے ساتھ خلط ملط نہیں کیا، انہی کے لئے امن ہے اور وہی راہ راست پر ہیں) (۲).

جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ کرام میں بے چینی پیدا ہوگئی تب رسول اللہ ﷺ نے انہیں بتایا کہ ظلم سے مراد شرک ہے تو ان کی بے چینی ختم ہوئی.

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت اتری تو لوگ پریشان ہوگئے. اور لوگوں نے آپ سے کہا کہ اے اللہ کے رسول ہم میں سے کون اس ظلم کا مرتکب نہیں ہے، آپ نے فرمایا: تم لوگ جو سمجھ رہے ہو وہ بات نہیں ہے، کیا تم لوگوں نے عبد صالح کا یہ قول نہیں سنا: ﴿يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ۗ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ﴾ (اے میرے بیٹے! کسی کو اللہ کا شریک نہ بنا، بے شک شرک ظلم عظیم ہے) ظلم سے مراد شرک ہے (۳).

عمران بن حصین نے بھی ایسا ہی سمجھا تھا جب انہوں نے ایک شخص کو سخت سست اور کم فہم کہا پھر اسے ڈانٹے اور پھٹکارتے ہوئے فرمایا: تم احمق آدمی ہو کیا تم کتاب اللہ میں ظہر کی چار رکعت بلا جہر کا حکم پاتے ہو. اس طرح آپ نے نماز وزکوٰۃ اور دیگر امور کا نام لیا اور فرمایا: کیا یہ تمام چیزیں کتاب اللہ میں بالتفصیل موجود ہیں؟ کتاب اللہ نے انہیں مبہم ذکر کیا ہے اور سنتِ رسول نے اس کی تفسیر وتشریح کی ہے (۴).

امام اوزاعی (۵) حسان بن عطیہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ پر وحی نازل ہوتی تھی اور جبریل

---

(۱) ابوداؤد نے کتاب الزکاۃ، باب فی حقوق المال، رقم، ۱۶۶۴ میں بسند حسن روایت کیا ہے اور حاکم نے مستدرک میں روایت کیا ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے ۴/ ۳۳۳.

(۲) سورۃ الأنعام: آیت/ ۸۲.

(۳) صحیح بخاری، کتاب الإیمان، باب ظلم دون ظلم، کتاب الأنبیاء، باب قوله تعالیٰ: ﴿وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا﴾، اور باب قوله تعالیٰ: ﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ﴾ تفسیر سورۃ الأنعام، باب ﴿وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ﴾ تفسیر سورۃ لقمان، وفي استتابة المرتدين والمعاندين، اور باب ماجاء في المتاولين. مسلم، کتاب الإيمان، باب بيان حكم عمل الكافر إذا أسلم بعده، حدیث: ۱۱۴ میں، ترمذی، حدیث ۳۰۶۹، کتاب التفسیر، باب من سورۃ الأنعام اور مسند احمد، حدیث ۳۵۸۹، ۴۰۳۱ اور ۴۲۴۰.

(۴) جامع بیان العلم: ۲/ ۱۹۱.

(۵) عبدالرحمن بن عمرو بن محمد اوزاعی (۸۸-۱۵۷ھ) فقہ وزہد میں بلاد شام کے امام ہیں. شام کے اندر عظیم الشان شخصیت کے مالک تھے. آپ سے ستر ہزار سوالات کئے گئے اور آپ نے سبھوں کا جواب دیا. آپ کی رائے کے مطابق ہی اندلس میں فتوے دیئے جاتے تھے. (ملاحظہ ہو حلیۃ الاولیا: ۶/ ۱۳۵، تہذیب الاسماء واللغات: ج ۱ ق ۱/ ۲۹۸، الفہرست، ابن ندیم: ۱/ ۲۲۷.

علیہ السلام اس کی تفسیر کے لئے سنت لے کر آیا کرتے تھے.

امام اوزاعی فرماتے ہیں: سنت قرآن کی جتنی محتاج نہیں ہے اس سے زیادہ قرآن اس کا محتاج ہے. ابن عبدالبر فرماتے ہیں: ان کے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ سنت قرآن تفصیل کرتی ہے اور اس کے مراد کو بیان کرتی ہے. امام احمد بن حنبل سے جب اس حدیث کے بارے میں پوچھا گیا جس میں سنت کو ''قرآن کا فیصلہ کرنے والی'' کہا گیا ہے تو آپ نے فرمایا: میں یہ کہنے کی جسارت تو نہیں کرسکتا لیکن اتنا ضرور کہوں گا کہ سنت اس کی تشریح وتوضیح کرتی ہے[۱].

یہی وجہ ہے کہ جب بھی صحابہ کرام کو کسی آیت کے سمجھنے یا قرآن سے حکم کے استنباط میں کوئی دقت پیش آتی تو رسول اللہ ﷺ کی طرف رجوع کرتے، جو بھی حادثہ وقوع پذیر ہوتا اس کے متعلق آپ سے فتویٰ طلب کرتے. اور رسول اللہ ﷺ ان کے ہر اشکال کو دور فرماتے اور مخفی امور کی وضاحت فرماتے تھے. مثال کے طور پر جب روزے کی آیات نازل ہوئیں تو اس کے ساتھ بھول چوک کر کھا پی لینے کا حکم نہیں کیا گیا تھا، چنانچہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا: اے اللہ کے رسول! میں نے روزہ کی حالت میں بھول کر کھا لیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے اس کے روزے کو صحیح ٹھہرایا، کیونکہ غلطی اور بھول چوک پر مواخذہ نہیں ہے. اللہ تعالیٰ کا قول ہے: ﴿وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيمَا أَخْطَأْتُمْ بِهِ وَلَٰكِنْ مَا تَعَمَّدَتْ قُلُوبُكُمْ﴾ (اور تم سے اس بارے میں اب تک جو غلطیاں ہوئی ہیں ان کا تم پر کوئی گناہ نہیں ہے، البتہ جن باتوں کا تمہارے دلوں نے قصد وارادہ کر لیا تھا، ان پر تمہاری گرفت ہوگی).

صاحب تفسیر ''جامع البیان'' اللہ تعالیٰ کے اس قول: ﴿وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ﴾ (اور ہم نے قرآن نازل کیا ہے، تاکہ لوگوں کے لئے جو کچھ نازل کیا گیا ہے، اسے آپ ان کے لئے کھول کر بیان کر دیجئے، اور تاکہ لوگ غور وفکر کریں)[۲] کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ''یعنی آپ پر قرآن نازل ہوا ہے تاکہ لوگوں کو اجمالی احکام کی تفصیل بتائیں، جس کا سمجھنا مشکل ہو اس کی تشریح کریں، کیوں کہ جو آپ پر نازل ہوا ہے اس کا بہتر علم آپ ہی کے پاس ہے.

تفسیر فتح البیان[۳] میں ہے: ''کتاب اللہ کے بیان کا کام سنت سے لیا جائے گا. اور اس کو بیان کرنے والے رسول اللہ ﷺ ہوں گے. اسی لئے کہا جاتا ہے کہ جب قرآن وحدیث میں (بظاہر) تعارض ہو تو اس صورت

(۱) جامع بیان العلم: ۲/۱۹۱
(۲) سورۃ النحل: آیت/۴۴.
(۳) تفسیر فتح البیان: ۵/۲۴۴.

میں حدیث کو مقدم کرنا واجب ہے کیونکہ قرآن مجمل ہے. اور آیت مذکورہ کے مطابق حدیث اس کا بیان ہے اور مُبیِّن مجمل پر مقدم ہوتا ہے...... الخ.

تفسیر خازن[۱] میں ہے: ﴿لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ﴾ یعنی آپ قرآن کے ان احکام کی توضیح وتشریح کریں جو آپ پر مجمل اتارے گئے ہیں. اور کتاب اللہ کے بیان کا کام سنت سے لیا جائے گا. اور اس اجمال کے بیان کرنے والے رسول اللہ ﷺ ہوں گے.

نص کتاب کے موافق بیانِ رسول کے چند نمونے:

کتاب اللہ کے بیان کی صورتوں میں سے ایک صورت یہ بھی ہے کہ سنت نص قرآن کے موافق ہو، اس صورت میں وہ قرآن کی تائید وتاکید کا فریضہ انجام دیتی ہے. یہاں اس کی چند مثالیں پیش کی جارہی ہیں:

۱- اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَ اَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ﴾ (اور بے شک یہی میری سیدھی راہ ہے، پس تم لوگ اسی کی پیروی کرو، اور دوسرے طریقوں پر نہ چلو جو تمہیں اس کی (سیدھی) راہ سے الگ کردیں، اللہ نے تمہیں ان باتوں کا حکم دیا ہے)[۲].

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں بتایا ہے کہ اس کا راستہ ایک اور سیدھا ہے، اس کے علاوہ بہت سے راستے ہیں جن پر چلنے والوں کو وہ راستے اللہ تعالیٰ کے سیدھے راستے سے پھیر دیتے ہیں. اس کو رسول اللہ ﷺ نے سنت کے ذریعہ بیان فرمایا ہے.

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمارے سامنے ایک لکیر کھینچی اس کے بعد فرمایا: یہ اللہ تعالیٰ کا راستہ ہے پھر اس کے دائیں بائیں کچھ اور لکیریں کھینچیں اور فرمایا: یہ چند راستے ہیں اور ہر راستہ پر شیطان بیٹھا ہے، جو اس کی طرف لوگوں کو بلاتا ہے، اس کے بعد اس آیت کی تلاوت فرمائی: ﴿وَ اَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ﴾ الآیة[۳].

---

(۱) تفسیر خازن: ۴/۷۶.

(۲) سورۃ الأنعام: آیت/ ۱۵۳.

(۳) السنۃ للمروزی: ص/۵، امام نسائی نے اسے سنن کبریٰ، کتاب التفسیر میں روایت کیا ہے. ملاحظہ ہو تحفۃ الاشراف: ۷/۲۵، ۴۹، امام احمد نے بھی تقریباً اسی لفظ کے ساتھ روایت کیا ہے. حاکم وابن حبان نے بھی روایت کیا ہے.

۲- اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ مَنْ ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ ۚ﴾ الآیۃ (اے ایمان والو! تم اپنے بچاؤ کی فکر کرو، اگر تم راہِ راست پر چلتے رہو گے، تو کسی دوسرے کی گمراہی تمہیں نقصان نہیں پہنچائے گی)(۱).

رسولِ اکرم ﷺ سے جب اس آیت کے متعلق پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم آپس میں ایک دوسرے کو بھلائی کا حکم دو اور برائی سے روکو. اور جب دیکھو کہ لوگ بخالت کے عادی، خواہش کے غلام اور محبتِ دنیا میں گرفتار ہو گئے ہیں، اور ہر ذی رائے اپنی رائے کو ہی سب کچھ سمجھ رہا ہے تو اس وقت اپنے نفس کی فکر کرو، لوگوں کے معاملات سے دور رہو. اس کے بعد اتنے سخت دن آنے والے ہیں کہ ان میں صبر کرنا آگ کو ہاتھ میں پکڑنے کے مانند ہوگا. اس وقت جو حق کی پیروی کریں گے انہیں پچاس لوگوں کے عمل کا ثواب ملے گا''(۲).

۳- اللہ تبارک وتعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے اصحاب مہاجرین وانصار کی تعریف وتوصیف بیان کی ہے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی باتوں کو قبول کیا. اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ ۚ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ﴾ (محمد اللہ کے رسول ہیں، اور جو لوگ اُن کے ساتھ ہیں، وہ کافروں کے لئے بڑے سخت ہیں، اور آپس میں نہایت مہربان ہیں)(۳).

نیز ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ﴾ (یقیناً اللہ مومنوں سے راضی ہو گیا، جب وہ آپ سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے)(۴).

پس یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے بعد اللہ تعالیٰ کے بندوں کے لئے حجت ہیں، رسول اللہ ﷺ نے جو کچھ ان تک پہنچایا ہے اسے وہ دوسروں تک پہنچاتے ہیں، اس لئے کہ آپ نے انہیں اس کا حکم دیا ہے، آپ کا فرمان ہے: «ليبلغ الشاهد منكم الغائب» جو لوگ یہاں موجود ہیں وہ میری بات غیر موجود لوگوں تک پہنچائیں.

نیز ان لوگوں کی تعریف کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں: «خير الناس قرني» سب سے بہتر لوگ میرے

---

(۱) سورۃ المائدہ: آیت/ ۱۰۵.

(۲) السنۃ للمروزی: ص/ ۹، ابوداود، كتاب الملاحم، باب الأمر والنهي، حدیث، ۴۳۴۱، ترمذی، کتاب التفسیر، باب ومن سورۃ المائدۃ حدیث، ۳۰۶۰، ابن ماجہ، کتاب الفتن، باب قول الله تعالى: ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنْفُسَكُمْ ۚ﴾ حدیث: ۴۰۱۴، امام ترمذی نے کہا ہے: یہ حدیث حسن اور غریب ہے، لیکن اس کے شواہد ہیں جن سے اس کو قوت ملتی ہے.

(۳) سورۃ الفتح: آیت/ ۲۹.

(۴) سورۃ الفتح: آیت/ ۱۸.

زمانہ کے ہیں، آپ نے اپنی اور خلفاء راشدین کی سنت کو اختیار کرنے کا حکم دیا ہے اور بعد میں پیدا ہونے والے بدعات وخرافات سے دور رہنے کی تاکید کی ہے اور اس کے بدعت ہونے کی خبر دی ہے[۱]۔

۴- اسی سے متعلق اللہ تعالیٰ کا یہ قول بھی ہے: ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَ أَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَ امْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَ أَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ﴾ الآية (اے ایمان والو! جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو تو اپنے چہروں کو، اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں تک دھولو اور اپنے سروں کا مسح کرلو، اور اپنے پاؤں دونوں ٹخنوں تک دھولو)[۲]۔

قرآن کریم نے واضح کیا ہے کہ جو حدث اصغر کا مرتکب ہو (یعنی وضو ٹوٹ جائے) اور نماز پڑھنے کا ارادہ رکھتا ہو وہ وضو کئے بغیر نماز ادا نہ کرے، اور سنت نے اس قرآنی حکم کی یوں موافقت کی:

امام بخاری نے ہمام بن منبہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو کہتے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''محدث (ناپاک) کی نماز اس وقت تک مقبول نہیں ہوگی جب تک وہ وضو نہ کرلے''[۳]

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا قول ہے: ﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْ أُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْآنُ﴾ (وہ رمضان کا مہینہ تھا جس میں قرآن نازل ہوا) اور اس قسم کی آیتوں کے بیان میں سنتِ نبویہ وارد ہوئی ہے، جو رمضان کی تحدید رؤیتِ ہلال سے کرتی ہے۔

امام بخاری نے عبداللہ بن عمر سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے رمضان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا تھا: ''اس وقت تک روزہ نہ رکھو جب تک چاند نہ دیکھ لو، اور بغیر چاند دیکھے افطار بھی نہ کرو، اگر آسمان ابر آلود ہو تو تیس (۳۰) پورے کرو''[۴]۔

---

(۱) السنۃ للمروزی: ص/۱۰۔

(۲) سورۃ المائدہ: آیت/۶۔

(۳) بخاری، کتاب الوضوء، باب لا تقبل صلاۃ بغیر طهور، اور کتاب الحیل، باب فی الصلاۃ، مسلم، کتاب الطهارۃ، باب وجوب الطهارۃ للصلاۃ: ۲۲۵، ابوداؤد، کتاب الطهارۃ، باب فرض الوضوء: ۶۰، ترمذی، الطهارۃ، باب ما جاء فی الوضوء من الریح: ۷۶۔

(۴) بخاری کتاب الصوم، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا رأیتم الهلال فصوموا واذا رأیتموہ فافطروا، اس کے علاوہ دیگر ابواب میں بھی اس کو ذکر کیا ہے۔ اور کتاب الطلاق، باب اللعان میں بھی ہے۔ مسلم، کتاب الصوم، باب وجوب صوم رمضان لرؤیۃ الهلال، ۱۰۸۵، مؤطا، کتاب الصیام، باب ما جاء فی رؤیۃ الهلال للصوم: ۱/۲۸۶، نسائی: کتاب الصوم، باب ذکر الاختلاف علی الزهری: ۴/۱۳۴، ابوداؤد: کتاب الصوم، باب الشهر یکون تسعاً وعشرین۔

عبداللہ بن عمر کی دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: 'مہینہ انتیس کا بھی ہوتا ہے لہذا چاند دیکھ کر روزہ رکھو، اگر آسمان ابر آلود ہو تو تیں دن پورے کرو'' (۱).

امام بخاری نے عبداللہ بن عمر سے یہ بھی روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: ''ہم لوگ اُمّی ٹھہرے، لکھنا اور حساب کتاب نہیں جانتے، ہاں اتنا جانتے ہیں کہ مہینہ کبھی انتیس اور کبھی تیں کا ہوتا ہے'' (۲).

یہاں سنت نصِ قرآن کی موافقت میں ہے اور رؤیتِ ہلال کے ذریعہ رمضان کی تحدید میں آیتِ کریمہ کے معنی کی مُؤیّد ومُوکّد بھی ہے.

قرآنی اجمال کا بیان:

امام مروزی اپنی کتاب ''السنۃ'' (۳) میں فرماتے ہیں: ''میں نے محسوس کیا ہے کہ فرائضِ اسلام میں سے کسی بھی فریضہ کی تشریح وتفسیر یا اس کی ادائیگی یا اس پر عمل رسول اللہ ﷺ کے ترجمہ وتفسیر کے بغیر ممکن نہیں ہے''.

۱- اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿إِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا﴾ (بے شک نماز مقررۃ اوقات میں مومنوں پر فرض کردی گئی ہے).

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں نماز کی فرضیت کو اجمالاً بیان کیا ہے نہ اس کی تفسیر بیان کی ہے اور نہ ہی نماز کی تعداد اور اس کے اوقات کو بتایا ہے. بلکہ اس کی ذمہ داری رسول اللہ ﷺ پر ڈال دی کہ اس کے عموم وخصوص، تعداد واوقات اور اس کے حدود وقیود سے لوگوں کو آگاہ کریں. اور آپ نے بتایا کہ شب وروز کے مخصوص ومتعین اوقات میں اللہ تعالیٰ نے پانچ وقت کی نماز فرض کی ہے. مزید وضاحت کرتے ہوئے آپ نے کہا کہ فجر میں دو رکعت، ظہر وعصر اور عشاء میں چار چار رکعت اور مغرب میں تین رکعت نماز ادا کی جائے گی. آپ نے کہا کہ آزاد وغلام اور مرد وعورت میں عاقل وبالغ پر ہی نماز فرض ہے، صرف حائضہ عورتیں اس میں داخل نہیں ہیں، نیز آپ نے سفر وحضر کی نمازوں کے الگ الگ احکام بتائے. رکوع وسجود وقرأت کو مکمل بیان کیا، اور ان تمام اعمال سے لوگوں کو آگاہ کیا جنہیں تکبیرِ تحریمہ سے لے کر سلام تک حالتِ نماز میں ادا کئے جاتے ہیں.

۲- نماز ہی کی طرح آپ ﷺ نے زکاۃ کی بھی تفسیر بیان کی، آپ نے بتایا کہ زکوۃ ان کے مقرر کردہ

(۱) بخاری، کتاب الصوم، باب: ۱۱.

(۲) بخاری، کتاب الصوم، باب: ۱۳.

(۳) السنۃ: ص/ ۳۱.

اوقات اور متعین حدود کے ساتھ کچھ اموال میں واجب ہوتی ہے اور کچھ میں نہیں. آپ نے سونا چاندی، جانوروں میں اونٹ گائے، بکری اور زمین سے نکلنے والی کچھ اشیاء میں زکوۃ واجب قرار دی، اور دوسرے اموال سے لوگوں کو معافی دے دی. پھر جن چیزوں میں زکوۃ واجب ہے جب تک وہ ایک متعین حد کو نہ پہنچ جائیں تب تک ان میں زکاۃ نہیں ہے. اس سلسلے میں آپ ﷺ نے فرمایا: پانچ اوقیہ سے کم چاندی میں زکوۃ نہیں، پانچ وسق سے کم غلہ میں زکوۃ نہیں اور پانچ اونٹ سے کم میں زکوۃ نہیں (۱)، چالیس سے کم بکری میں زکوۃ نہیں (۲)، اسی طرح تیس سے کم گائے میں زکاۃ نہیں (۳).

آپ نے اس کی بھی وضاحت کر دی کہ صاحب نصاب پر اس وقت تک زکوۃ واجب نہیں جب تک اس مال پر اس کی ملکیت کا ایک سال مکمل نہ ہو جائے. اس کے بعد مستقبل میں ہر سال کے گذرنے پر زکوۃ واجب ہوتی رہے گی، زمین سے نکلنے والی اشیاء میں سال کی کوئی قید نہیں ان میں کاٹتے اور اکھاڑتے وقت ہی زکوۃ واجب ہو جاتی ہے اور ایک ہی مرتبہ ہوتی ہے، اگر اس کے بعد بھی وہ چیز باقی رہتی ہے تو دوبارہ اس میں زکوۃ واجب نہیں ہوگی. یہ تمام کی تمام باتیں رسول اللہ ﷺ کی سنت ہی سے ماخوذ ہیں. اتنی تفصیل کے ساتھ کتاب اللہ میں موجود نہیں ہیں.

۳- روزہ کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے. اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ﴾ (تم پر روزے فرض کر دیئے گئے) (۴).

رسول اللہ ﷺ نے آزاد و غلام اور مرد و عورت میں صرف بالغان پر روزہ فرض قرار دیا ہے، حائضہ کو اس سے الگ رکھا گیا ہے، کیونکہ ان پر روزہ فرض نہیں ہے. نماز و روزہ کو حائضہ سے ساقط کر دیا، لیکن قضاء میں دونوں کے درمیان فرق کر دیا اور صرف روزہ کی قضاء کو واجب کہا. آپ نے یہ بھی بیان فرمایا کہ طلوع فجر سے لے کر رات کی آمد تک پورے عزم و استقلال کے ساتھ ان کے منع کیے ہوئے امور سے رکنے اور باز رہنے کا نام روزہ ہے. اس کے بعد امام مروزی نے اپنی سند سے درج ذیل احادیث روایت کی ہے.

ام المؤمنین حفصہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو قبل از فجر روزہ کی نیت نہیں کر لیتا

---

(۱) اسے بخاری، مسلم، مالک، ابوداؤد، نسائی اور ترمذی نے تقریبا ایک ہی الفاظ سے روایت کیا ہے ملاحظہ ہو: جامع الاصول فی احادیث الرسول، کتاب الزکاۃ: باب ۲، ۴/ ۵۸۷.

(۲) اسے ابوداؤد اور ترمذی نے متقارب الفاظ کے ذریعہ روایت کیا ہے. ملاحظہ ہو: جامع الأصول، کتاب الزکاۃ: ۴/ ۵۹۱.

(۳) ترمذی نے تقریبا اسی لفظ کے ساتھ روایت کیا ہے. ملاحظہ ہو: جامع الأصول، کتاب الزکاۃ، باب زکاۃ النعم: ۴/ ۵۹۵.

(۴) سورۃ البقرہ: آیت/ ۱۸۳.

اس کا روزہ درست نہیں“[۱]۔

عدی بن حاتم سے روایت ہے فرماتے ہیں: جب یہ آیت نازل ہوئی: ﴿وَ کُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَکُمُ الْخَیْطُ الْاَبْیَضُ مِنَ الْخَیْطِ الْاَسْوَدِ﴾ (اور کھاؤ اور پیو، یہاں تک کہ صبح کی سفید دھاری کالی دھاری سے جدا ہوجائے) تو میں نے ایک کالی اور ایک سفید رسی اپنے تکیہ کے نیچے رکھ لی، رات کو میں انہیں دیکھتا رہا مگر سیاہی وسپیدی کا فرق معلوم نہیں ہوسکا. چنانچہ علی الصباح رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور رات کا واقعہ دہرایا. آپ نے (ہنستے ہوئے) فرمایا کہ تمہارا تکیہ بڑا لمبا چوڑا ہے جس میں رات دن دونوں سما جاتے ہیں. دیکھو اس سے رات کی سیاہی اور دن کی روشنی مراد ہے[۲]۔

۴- امام مروزی کہتے ہیں حج کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حج فرض قرار دیا ہے، فرماتا ہے: ﴿وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا﴾ (اللہ کی رضا کے لئے بیت اللہ کا حج کرنا ان لوگوں پر فرض ہے، جو وہاں پہنچنے کی استطاعت رکھتے ہوں)[۳]۔

اور رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے مراد کو یہ کہتے ہوئے واضح فرمایا کہ حج زندگی میں صرف ایک مرتبہ فرض ہوتا ہے.

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: لوگو! اللہ تعالیٰ نے تم پر حج فرض کیا ہے. ایک شخص کھڑا ہوکر کہتا ہے: کیا ہر سال حج کرنا ہوگا؟ اس نے تین مرتبہ پوچھا، اور رسول اللہ ﷺ ہر مرتبہ اس کے سوال کو نظر انداز کرتے رہے، پھر فرمایا: اگر میں ہاں کردوں تو ہر سال واجب ہوجائے گا اور اگر ایسا ہوا تو پھر تم اس کی ادائیگی نہیں کرسکو گے، اس کے بعد آپ نے فرمایا: ”جسے میں چھوڑ دیتا ہوں اس کے متعلق مت پوچھا کرو. تم سے پہلے جو لوگ ہلاک ہوئے ہیں وہ کثرت سوال اور اپنے انبیاء سے اختلاف کی وجہ سے ہوئے ہیں. میں تمہیں جس کام کا حکم دوں حسب استطاعت اس کو انجام دو اور جس چیز سے منع کروں اس سے بچو“[۴]۔

---

(۱) ابوداؤد، کتاب الصوم، باب النية في الصيام، نمبر: ۲۴۵۴، ترمذی، کتاب الصوم، باب ما جاء لا صيام لمن لم يعزم في الليل، حدیث نمبر: ۷۳۰.

(۲) اسے امام بخاری، مسلم اور ترمذی نے متقارب الفاظ کے ذریعہ روایت کیا ہے. بخاری کتاب الصوم: باب/۱۶، مسلم، کتاب الصوم، حدیث/۱۰۹۰، ابوداؤد، کتاب الصیام: حدیث/۲۳۴۹.

(۳) سورۃ آل عمران: آیت/۹۷.

(۴) مسلم: کتاب الحج، باب فرض الحج مرۃ فی العمر، حدیث: ۱۳۳۷، کتاب الفضائل، باب توقيره ﷺ وترك إكثار سواله، حدیث: ۱۳۳۷، نسائی: کتاب الحج، باب وجوب الحج: ۵/۱۱۰، ۱۱۱، دونوں نے قریب قریب ایک ہی لفظ کے ذریعہ روایت کیا ہے.

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿فَمَنْ فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ﴾ (جس نے ان مہینوں میں اپنے اوپر حج کو فرض کرلیا)[۱].
رسول اللہ ﷺ نے اپنی سنت کے ذریعہ یہ واضح فرمایا کہ حج فرض کرنے سے مراد احرام کی نیت ہے، پھر آپ نے احرام کی نیت اور حج وعمرہ کے مواقیت کی وضاحت کی. اور بتایا کہ محرم کونسا لباس پہنے گا اور کونسا نہیں، غرضیکہ آپ نے ان تمام امور کی تفصیل بیان کردی جن کا بیان کتاب اللہ میں نہیں ہے.

اس قسم کی روایتوں میں سے ایک روایت جابر بن عبد اللہ کی ہے، فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ اور ہم صحابہ آپ کے ساتھ حج کے سفر پر نکلے یہاں تک کہ ذو الحلیفہ پہنچے. آپ نے وہاں کی مسجد میں نماز ادا کی پھر قصواء پر سوار ہوئے، جب آپ کی اونٹنی بیداء پہاڑی پر چڑھی تو میں نے نگاہ اٹھا کر دیکھا آپ کے دائیں بائیں اور آگے پیچھے تا حد نگاہ پیدل وسوار لوگوں کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر نظر آرہا تھا. رسول اللہ ﷺ ہمارے درمیان موجود تھے آپ پر قرآن نازل ہورہا تھا اور آپ اس کی تاویل وتفسیر سے آگاہ کررہے تھے، آپ اس دوران جو کچھ کرتے ہم لوگ بھی اس پر عمل کرتے، چنانچہ آپ نے تلبیہ پڑھنا شروع کیا: «لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ لَبَّيْكَ، إِنَّ الْحَمْدَ لله وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ» ''میں حاضر ہوں، اے اللہ! میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں تیرا کوئی شریک نہیں، میں حاضر ہوں، بے شک تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں اور تمام نعمتیں، اور تمام اقتدار تیرے لئے ہیں، تیرا کوئی شریک نہیں[۲].

سالم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا: محرم کے لباس سے متعلق رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: محرم قمیص، عمامہ (پگڑی)، برنس[۳] پاجامہ، ورس،[۴] اور زعفران سے رنگا ہوا کپڑا اور جوتا کی موجودگی میں خف (چرمی موزہ) نہیں پہنے گا. اگر نعل (جوتا) دستیاب نہ ہو تو خف کو اتنا کاٹ دے گا کہ کعب (ٹخنہ) سے نیچے ہوجائے[۵].

---

(۱) البقرۃ: آیت/ ۱۹۷.

(۲) بخاری: الحج، باب قول اللہ تعالیٰ: ﴿يَأْتُوكَ رِجَالًا وَعَلَى كُلِّ ضَامِرٍ﴾، ترمذی: (الحج، باب ما جاء من أي موضع أحرم النبی ﷺ بحج وعمرة، حدیث نمبر/ ۸۱۷). ابوداؤد: (المناسک: باب کیفیة التلبیة، حدیث نمبر: ۱۸۱۳) ابن ماجہ: (المناسک: باب التلبیة، حدیث نمبر: ۲۹۱۹).

(۳) برنس: اس لمبی ٹوپی کو کہتے ہیں جسے لوگ ابتدائے اسلام میں استعمال کیا کرتے تھے.

(۴) ورس: پیلے رنگ کا پودا جو یمن میں ہوتا ہے.

(۵) بخاری: کتاب الحج، باب ما لا یلبس المحرم من الثیاب، اور باب ما ینهی من الطیب للمحرم والمحرمة، مسلم: کتاب الحج، باب ما یباح للمحرم بحج أو عمرة، حدیث: ۱۱۷۷.

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے اہل مدینہ کے لئے ذوالحلیفہ کو، اہل شام کے لئے جحفہ کو، اہل نجد کے لئے قرن المنازل کو اور اہل یمن کے لئے یلملم کو میقات مقرر فرمایا ہے. اور آپ ﷺ نے فرمایا: یہ مواقیت وہاں کے باشندوں کے لئے ہیں اور ان دوسرے لوگوں کے لئے ہیں جو وہاں سے حج وعمرہ کی نیت سے گزریں گے. جو ان جگہوں کے اندر کے ہوں گے وہ اپنے گھر ہی سے احرام باندھیں گے، یہاں تک کہ مکہ کے باشندے مکہ ہی سے احرام باندھیں گے (۱).

نیز اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَ لْیَطَّوَّفُوْا بِالْبَیْتِ الْعَتِیْقِ﴾ (اور بیت عتیق یعنی خانۂ کعبہ کا طواف کریں) رسول اللہ ﷺ نے عدد طواف اور کیفیت طواف کی وضاحت اپنی سنت سے کی ہے، جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ گھر سے نکلے اور کعبہ تشریف لائے، پھر سات مرتبہ اس کا طواف کیا (اس کا سات چکر لگایا)، تین چکر میں رمل کیا اور چار مرتبہ عام چال چلے (۲).

ابن شہاب سے روایت ہے کہ سالم بن عبداللہ نے اپنے باپ کے حوالے سے مجھے بتایا کہ انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ جب آپ مکہ پہنچے اور رکن اسود کے استلام (بوسہ دینے) سے فارغ ہوئے تو پہنچنے کے بعد جو پہلا طواف کیا اس کے سات پھیروں میں سے تین میں رمل کیا (۳).

۵- اللہ تعالیٰ نے قرآن کے ذریعہ جہاد فرض قرار دیا ہے، ارشاد باری ہے: ﴿اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّ ثِقَالًا وَّ جَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ﴾ (مسلمانو! راہ جہاد میں نکلو ہلکے ہو تب اور بھاری ہو تب، اور اپنے

---

(۱) بخاری: كتاب الحج، باب مهل أهل مكة للحج والعمرة، باب مهل أهل الشام، اور باب مهل من كان دون المواقيت، وباب مهل أهل اليمن، اور باب دخول الحرم ومكة بغير إحرام. ومسلم: الحج، باب مواقیت الحج والعمرة رقم ۱۱۸۱، ابوداؤد: المناسک، باب فی المواقیت رقم: ۱۷۳۸، نسائی: كتاب الحج، باب ميقات أهل اليمن اور باب من كان أهله دون الميقات: ۵/ ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵.

(۲) مسلم نے تقریباً اسی لفظ سے روایت کیا ہے، كتاب الحج، باب حجة النبي صلى الله عليه وسلم، رقم: ۱۲۱۸، اور باب استحباب الرمل في الطواف والعمرة، حدیث: ۱۲۶۳، موطأ: كتاب الحج، باب الرمل في الطواف: ۱/ ۳۶۴، ترمذی: كتاب الحج، باب ما جاء في كيفية الطواف، حدیث: ۸۵۶، اور باب ما جاء في الرمل من الحجر الى الحجر، حدیث: ۸۵۷، نسائی: كتاب الحج، باب طواف القدوم واستلام الحجر: ۵/ ۲۲۸، ابن ماجہ: كتاب المناسک، باب الرمل حول البيت، حدیث: ۲۹۵۱، الدارمی: كتاب المناسک: ۱/ ۴۲، احمد: ۳/ ۳۲۰، ۳۴۰، ۳۷۳، ۳۸۸، ۳۹۴، ۳۹۷.

(۳) بخاری: كتاب الحج، باب استلام الحجر الأسود حين يقدم مكة، مسلم: كتاب الحج، باب استحباب الرمل في الطواف والعمرة، حدیث: ۱۲۶۲، مؤطا: كتاب الحج، باب الرمل في الطواف: ۱/ ۳۶۵، ابو داؤد: كتاب الحج، باب الدعاء في الطواف، حدیث: ۱۸۶۳، اور باب في الرمل، حدیث: ۱۸۹۱، نسائی: كتاب الحج، باب الخبّ في الثلاثة من السبع، اور باب الرمل في الحج والعمرة: ۵/ ۲۲۹، ۲۳۰.

مال ودولت کے ذریعہ اللہ کی راہ میں جہاد کرو)[۱]۔

نیز ارشاد باری ہے:﴿اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ ۫ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ ؕ﴾ (بے شک اللہ نے مومنوں سے ان کی جانوں اور مالوں کا سودا اس عوض میں کرلیا ہے کہ انہیں جنت ملے گی، وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں، پس دشمنوں کو قتل کرتے ہیں اور خود بھی قتل کئے جاتے ہیں، اللہ کا یہ برحق وعدہ تورات اور انجیل اور قرآن میں موجود ہے)[۲]۔

اس کے علاوہ بھی بہت سی آیتیں ہیں جو جہاد کو واجب بتاتی ہیں اور جہاد کا حکم دیتی ہیں۔

ان آیتوں کے ظاہری مفہوم اور ان کے الفاظ کے عموم سے یہ لازم آتا ہے کہ جہاد فرداً فرداً ہر مسلمان پر فرض ہے اور حسب قدرت سبھوں کے لئے جہاد کرنا لازم ہے، الّا یہ کہ کتاب یا سنت یا اجماع امت میں سے کوئی دلیل اس عموم کو خاص کردے، چنانچہ کتاب وسنت میں ہم یہ پاتے ہیں کہ جہاد فرداً فرداً ہر مسلمان پر فرض نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:﴿ وَ مَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ؕ﴾ (اور یہ بات مناسب نہیں ہے کہ تمام ہی مومنین جہاد کے لئے چلے جائیں)[۳]۔

اس سے معلوم ہوا کہ جہاد فرض کفایہ ہے اور یہ بعض مخصوص حالات میں ہی فرض عین ہوتا ہے اور ان حالات کو فقہ کی کتابوں میں بیان کیا گیا ہے۔ انتہیٰ۔

زیادتی حکم کے ذریعہ قرآن کریم کا بیان:

امام شافعی نے رسالہ میں[۴] رسول اللہ ﷺ کی ان تمام سنتوں سے بحث کیا ہے جن کے بارے میں قرآنی نص نہیں ہے۔ اس ضمن میں انہوں نے چار طرح کے اقوال ذکر کئے ہیں جو سنت کے اضافی احکام پر مہر اقرار واثبات ثبت کرتے ہیں۔ ان احکام کی اہمیت اور شریعت اسلامیہ میں ان کی حجیت کی صلاحیت سے بحث کرتے ہوئے امام موصوف اس نقطۂ فکر کی ترجیح کی طرف مائل نظر آتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کوئی ایسی سنت قائم نہیں کی ہے جس کی

---

(۱) سورۃ التوبہ: آیت ر ۴۱۔

(۲) سورۃ التوبہ: آیت ر ۱۱۱۔

(۳) سورۃ التوبہ: آیت ر ۱۲۲۔

(۴) الرسالہ: ص ر ۹۱۔

کتاب اللہ میں کوئی بنیاد نہ ہو[۱]۔

امام شاطبی نے بھی موافقات میں اس رائے کے قوی ہونے کی صراحت کی ہے، آپ فرماتے ہیں: سنت بلحاظ معنی کتاب اللہ سے منسلک ہے، یہ قرآن کے اجمال کی تفصیل، اس کے مشکلات کی توضیح اور اس کے اختصار کی تشریح ہے، کیونکہ یہ قرآن کریم کا بیان وترجمان ہے اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول: ﴿وَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ﴾ (اور ہم نے قرآن نازل کیا ہے، تاکہ لوگوں کے لئے جو کچھ نازل کیا گیا ہے، اسے آپ ان کے لئے کھول کر بیان کردیجئے) اسی بات کی عکاسی کرتا ہے. آپ فرماتے ہیں: سنت میں تمہیں کوئی ایسا حکم نہیں ملے گا جس کے سلسلے میں قرآن کی اجمالی یا تفصیلی دلیل موجود نہ ہو''[۲]۔

خواہ راجح جو ہو مگر سب اس پر متفق ہیں کہ سنت نے اپنی طرف سے کچھ ایسے احکامات صادر فرمائے ہیں جن کا قرآن میں ذکر نہیں ہے اور یہ کہ سنت کو مستقل تشریعی حیثیت حاصل ہے، گرچہ جن احکام وشرائع کو سنت نے استقلالاً ذکر کیا ہے اس کی تائید اجمالی یا تفصیلی طور پر کسی نہ کسی صورت میں قرآن سے ہوتی ہے. اس کی وضاحت ان مثالوں سے ہوتی ہے.

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَ يُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾ (پس آپ کے رب کی قسم، وہ لوگ مومن نہیں ہوسکتے جب تک آپ کو اپنے اختلافی امور میں اپنا فیصل نہ مان لیں، پھر آپ کے فیصلہ کے بارے میں اپنے دلوں میں کوئی تکلیف نہ

(۱) امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے کچھ ایسی سنتیں جاری فرمایا ہے جن کے متعلق قرآن میں کوئی نص نہیں ہے. اس بارے میں بعض کا کہنا ہے: اللہ تعالیٰ نے آپ کی اطاعت کو فرض کرکے اس کا اختیار دیا ہے نیز اللہ تعالیٰ کو پہلے سے علم تھا کہ اس کی توفیق سے آپ یہ سنتیں جاری کریں گے. کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ آپ نے ایسی کوئی سنت قائم نہیں کی جس کی کتاب میں کوئی اصل نہ ہو. جیسا کہ آپ نے فرضیت صلاۃ کے قرآنی اصل کو پیش نظر رکھ کر نماز کی تعداد اور اس کے متعلقہ امور کی سنت کے ذریعہ وضاحت فرمایا ہے. اسی طرح آپ نے بیوع ودیگر شرائع کے متعلق بھی سنت جاری کیا، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ﴿وَ لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ﴾ (اور تم اپنے اموال آپس میں ناحق نہ کھاؤ) اور ﴿وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا﴾ (حالانکہ اللہ نے خرید وفروخت کو حلال کیا ہے، اور سود کو حرام قرار دیا ہے) فرما کر ایک اصل قائم کردیا تھا اور آپ نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حرام وحلال کردہ اشیاء کی اسی طرح تشریح فرمائی جس طرح آپ نے نماز کی تشریح کی ہے. کچھ لوگ کہتے ہیں: نہیں یہ تمام احکام اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئے ہیں سنت نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے انہیں ثابت کیا ہے. کچھ لوگ یہ مانتے ہیں کہ آپ نے جو سنتیں جاری کیں انہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل میں ڈال دیا تھا. اور آپ کی سنتیں وہ حکمتیں ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ کی جانب سے آپ کے دل میں ڈالا گیا گویا آپ کے دل میں جو کچھ ڈالا گیا وہ آپ کی سنت ہے.

(۲) ملاحظہ ہو: الموافقات للشاطبی: ۴/۹.

محسوس کریں، اور پورے طور سے اسے تسلیم کر لیں)(۱).

اس آیت کے سبب نزول کے بارے میں زبیر بن عوام سے روایت ہے کہ کھیت سیراب کرنے والے نالے کے سلسلے میں ایک انصاری سے ان کا جھگڑا ہو گیا، انصاری نے ان سے کہا کہ پانی مت روکو پہلے مجھے سیراب کرنے دو انہوں نے انکار کر دیا، دونوں رسول کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہیں صورت حال سے آگاہ کیا. رسول اللہ ﷺ نے زبیر بن عوام سے کہا: تم سیراب کر لو پھر اپنے پڑوسی کے لئے پانی چھوڑ دو. یہ سن کر انصاری ناراض ہو گیا اور رسول اللہ ﷺ سے مخاطب ہو کر کہا: وہ آپ کی پھوپھی کا لڑکا ہے، اسی لئے یہ فیصلہ دیا ہے؟ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ کے چہرے کا رنگ بدل گیا اور آپ ﷺ نے فرمایا: اے زبیر! تم اپنا باغ سیراب کرو اور جب تک پانی جڑ تک نہ پہنچ جائے اسے روکے رکھو. زبیر فرماتے ہیں: اللہ کی قسم! میرا خیال ہے کہ یہ آیت ﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ﴾ اسی سلسلے میں نازل ہوئی ہے(۲).

یہ تمام باتیں قرآن کریم میں مذکور نہیں ہیں. رسول اللہ ﷺ کے حکم کو نہ تسلیم کرنے اور اس سے راضی نہ ہونے کی پاداش میں جو وعید نازل ہوئی وہی ان کی بنیاد ہے.

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ ۖ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ﴾ (اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو، اور رسول کی اطاعت کرو، اور تم میں سے اقتدار والوں کی، پھر اگر کسی معاملہ میں تمہارا اختلاف ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹا دو اگر تم اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو)(۳).

اللہ تعالیٰ کی طرف رد کرنے کا مطلب کتاب اللہ کی طرف رد کرنا ہے اور رسول اللہ کی طرف رد کرنے کا مطلب آپ کی وفات کے بعد آپ کی سنت کی طرف رد کرنا ہے.

ارشاد باری ہے: ﴿فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ

---

(۱) سورۃ النساء: آیت/۶۵.

(۲) بخاری: كتاب الشرب والمساقاة، باب سكر الأنهار، اور باب شرب الأعلى قبل الأسفل اور باب شرب الأعلى الى الكعبين، كتاب الصلح، باب إذا أشار الإمام بالصلح فأبى حكم عليه بالحكم المبين، تفسير سورة النساء، باب: فلا وربك الآية: ۵/۲۶، ۲۹، مسلم: كتاب الفضائل، باب وجوب اتباعه ﷺ، حدیث: ۲۳۵۷، ترمذی: الأحكام، باب ما جاء في الرجلين يكون أحدهما أسفل من الآخر في الماء، حدیث: ۱۳۶۳، نسائی: كتاب القضاة، باب إشارة الحاكم بالرفق: ۸/۲۴۵، ابوداؤد: كتاب الأقضيه، باب أبواب في القضاء: حدیث: ۳۶۳۷.

(۳) سورۃ النساء: آیت/۵۹.

اَلِیۡمٌ﴾ (پس جو لوگ رسول اللہ کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں، انہیں ڈرنا چاہئے کہ ان پر کوئی بلا نہ نازل ہو جائے، یا کوئی دردناک عذاب نہ انہیں آ گھیرے)۔ رسول اللہ ﷺ کے کچھ خصوصی احکامات ہیں جن میں آپ کی اطاعت کی جائے گی اور یہ آپ کی وہ سنتیں ہیں جو قرآن میں بیان نہیں کی گئیں ہیں.

قرآنی دلائل یہ ثابت کرتے ہیں کہ رسول کے تمام احکامات اور آپ کے جملہ مامورات ومنہیات قرآنی احکام کے تحت ہیں، چنانچہ ان کا زائد از قرآن ہونا لازم ہو جاتا ہے.

جابر سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس کسی تک میری کوئی حدیث پہنچی اور اس نے اس کی تکذیب کر دی تو دراصل اس نے تین کی تکذیب کی. اللہ کی، اس کے رسول کی اور راوئ حدیث کی (۱).

رسول اکرم ﷺ سے روایت ہے آپ نے فرمایا: ہوسکتا ہے تم میں سے کوئی اپنی مسند پر ٹیک لگائے میری کوئی حدیث بیان کرتے ہوئے کہے: ہمارے اور تمہارے درمیان کتاب اللہ موجود ہے. اس میں جس کو حلال پائیں گے اسے حلال سمجھیں گے اور جس کو حرام پائیں گے اسے حرام سمجھیں گے. خبردار! رسول اللہ ﷺ نے جسے حرام ٹھہرایا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے حرام کردہ کے مثل ہے (۲).

یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ دامن سنت میں کچھ ایسے احکام ہیں جو کتاب اللہ میں نہیں ہیں اور سنت کے ان احکامات پر اسی طرح عمل کرنا واجب ہے جس طرح قرآنی احکامات پر.

جس طرح بحث واستقراء سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سنت کے اندر کچھ ایسی باتیں ہیں جو قرآن میں نہیں ہیں اور سنت اپنے تمام تفصیلی بیانات کے ساتھ قرآن کی طرف لوٹتی ہے. اسی طرح یہ بھی حقیقت ہے کہ اہل علم میں سے کسی نے بھی اس بات کی مخالفت نہیں کی ہے کہ سنت پر عمل کرنا دراصل قرآن پر عمل کرنا ہے، کیونکہ قرآن کریم خود عمل بالسنت کو واجب قرار دیتا ہے، اصول کے اندر قرآن وحدیث کے مابین جو اتفاق نظر آتا ہے اس سے ان احکام کی نفی نہیں ہوتی جس کی بنا سنت نے رکھی ہے. اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو امام اور ان کی سنت کو رہنما بنایا ہے اور نبوی ہدایت کو ان لوگوں کے لئے مشعلِ راہ بنایا ہے جو اللہ اور یومِ آخرت پر یقین رکھتے ہیں اور بکثرت ذکرِ الٰہی کرتے ہیں.

---

(۱) ملاحظہ ہو: مجمع الزوائد: ۱/ ۱۴۸، صاحب کتاب فرماتے ہیں: اسے طبرانی نے اوسط میں روایت کیا ہے. اور اس میں میسور بن محفوظ ہے جسے ابن ابی حاتم نے ذکر کیا ہے لیکن تجریح یا تعدیل نہیں کیا ہے.

(۲) ابن ماجہ نے مقدمہ میں روہت کیا ہے. باب تعظیم حدیث رسول اللہ ﷺ، حدیث: ۱۲، ابوداؤد نے بھی تقریباً اسی لفظ کے ساتھ روایت کیا ہے کتاب السنة، باب لزوم السنة، حدیث: ۴۶۰۴، ترمذی: کتاب العلم، باب نمبر: ۶۰، حدیث: ۲۶۶۶، أحمد فی المسند: ۴/ ۱۳۰-۱۳۲.

بیانِ قرآن بذریعہ نسخ آیات:

سنت نبویہ کے ذریعہ آیتِ قرآنیہ کو منسوخ کرنے کے سلسلے میں علماء کے تین اقوال ہیں:

ا-امام شافعی نے رسالہ میں سنت کے ذریعہ نسخ قرآن کو مطلقاً ناجائز قرار دیا ہے. آپ کے بیشتر اصحاب اور اہل ظاہر نے اسی کو اختیار کیا ہے، امام احمد ایک روایت میں اسی کے قائل ہیں.

۲. متکلمین میں اشاعرہ ومعتزلہ، فقہاء میں امام مالک اور امام ابوحنیفہ کے اصحاب کا کہنا ہے کہ سنت کے ذریعہ قرآن کی منسوخی عقلاً جائز ہے، مگر ان کے یہاں وقوع نسخ کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے (۱).

۳-ابن حزم رحمہ اللہ نے سنت کے ذریعہ قرآن کی منسوخی کو مطلقا جائز قرار دیا ہے. خواہ سنت متواتر ہو یا خبر واحد (۲)، حنفیہ نے اس رائے کو اس شرط کے ساتھ قبول کیا ہے کہ سنت کم از کم مشہور ہو.

جو لوگ عدم وقوع نسخ کے دعویٰ کے ساتھ سنت متواترہ کے ذریعہ نسخ قرآن کو جائز بتاتے ہیں ان کی نظر قرآن کریم میں واردان عام دلیلوں پر ہے جو سنت قطعیہ کی حجیت کو ثابت کرتی ہیں اور وقوع نسخ کے منکر اس وجہ سے ہیں کہ ان کے خیال سے ذخیرۂ احادیث میں احکام سے متعلق متواتر درجہ کی سنت نہیں پائی جاتی. اور نسخ قرآن کے لئے سنت کے متواتر ہونے کی شرط اس بنا پر لگاتے ہیں کہ قرآن لفظاً متواتر ہے. اور متواتر و قطعی السند کو منسوخ کرنے کے لئے اسی مرتبہ کا متواتر ضروری ہے (۳).

امام شافعی اور ان کے ہم خیال لوگوں نے درج ذیل امور سے استدلال کیا ہے:

ا-اللہ تعالیٰ کا قول ہے: ﴿مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا﴾ الآیۃ (ہم جب کوئی آیت منسوخ کر دیتے ہیں یا اُسے بھلا دیتے ہیں تو اس سے بہتر یا اسی طرح کی آیت لاتے ہیں) (۴) اور ﴿وَاِذَا بَدَّلْنَآ اٰيَةً مَّكَانَ اٰيَةٍ﴾ الآیۃ (اور جب ہم کسی آیت کے بدلے دوسری آیت لاتے ہیں) (۵). اور ﴿قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۚ﴾ الآیۃ (آپ کہہ دیجئے کہ میں اسے اپنی

(۱) الاحکام للآمدی: ۲/ ۱۵۳.

(۲) الإحکام لابن حزم، ص: ۴۷۷.

(۳) الإحکام للآمدی: ۲/ ۱۵۳ اور اس کے بعد کے صفحات ملاحظہ فرمائیے.

(۴) سورۃ البقرہ: آیت/ ۱۰۶.

(۵) سورۃ النحل: آیت/ ۱۰۱.

جانب سے نہیں بدل سکتا، میں تو صرف اس کی پیروی کرتا ہوں جو مجھ پر وحی ہوتی ہے)[(۱)]

یہ لوگ فرماتے ہیں کہ ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کو صرف قرآن کے ذریعہ ہی منسوخ کیا جا سکتا ہے.

جن لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ نسخ کتاب بذریعہ سنت جائز ہے وہ یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ جب اللہ تبارک وتعالیٰ قرآن میں ایک حکم جاری کرتا ہے پھر اس حکم کی منسوخی اور اس کی جگہ پر دوسرے حکم کی بحالی کے سلسلے میں اپنے رسول کو وحی فرماتا ہے، اس کے بعد رسول اس نئے حکم سے لوگوں کو آگاہ کرتے ہیں مگر اس بارے میں کوئی آیت نازل نہیں ہوتی، تو لوگوں کا فریضہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی تصدیق کریں اور آپ کی بات کو تسلیم کریں اور اس کا یقین رکھیں کہ رسول اللہ ﷺ قرآن کی کسی آیت یا حکم کو اللہ تعالیٰ کی وحی کے ذریعہ ہی منسوخ کریں گے اگر چہ وہ وحی متلو نہ ہو. کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَ مَا یَنۡطِقُ عَنِ الۡہَوٰی ؕ﴿۳﴾ اِنۡ ہُوَ اِلَّا وَحۡیٌ یُّوۡحٰی ﴾ (اور وہ اپنی خواہشِ نفس کی پیروی میں بات نہیں کرتے ہیں، وہ تو وحی ہوتی ہے جو اُن پر اُتاری جاتی ہے)[(۲)] نیز فرماتا ہے: ﴿اِنۡ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوۡحٰۤی اِلَیَّ ۚ﴾ (میں تو صرف اس کی پیروی کرتا ہوں جو مجھ پر وحی ہوتی ہے)[(۳)]. گویا ایک وحی قرآن ہے اور ایک قرآن کے علاوہ ہے. ابن حزم کا قول ہے: نسخ کہتے ہیں حکم وارد کے ساتھ بعض زمانہ کو خاص کر دینا بقیہ زمانہ کو نہیں. اور وہ سنت کے ذریعہ ''بعض اَعیان'' کی تخصیص کے قائل ہیں جیسے نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: ''ربع دینار سے کم چوری میں قطع ید نہیں ہے''. تو آخر سنت کے ذریعہ بعض اَعیان کی تخصیص کے جواز اور بعض ازمان کے تخصیص کے جواز کے درمیان کیا فرق ہے؟ ایک کی تخصیص کے ممنوع ہونے اور دوسرے کی تخصیص کے موجود ہونے کی کیا توجیہ کی جائے گی؟

ابن حزم فرماتے ہیں: اگر وہ یہ کہیں کہ تخصیص اور نسخ میں فرق ہے اس لئے کہ تخصیص سے رفع نص لازم نہیں آتا اور نسخ سے لازم آتا ہے، تو اس کے جواب میں یہ کہا جائے گا کہ جب بعض نص کو نص ہی کہا جاتا ہے اور سنت کے ذریعہ بعض نص کا منسوخ ہونا جائز ہے، تو پھر اس کے ذریعہ بقیہ بعض کو کیوں منسوخ نہیں کیا جا سکتا؟[(۴)]

امام مروزی اور امام ابن حزم نے امام شافعی کے دلائل کا مناقشہ کیا ہے. امام مروزی فرماتے ہیں. اللہ تعالیٰ نے کہا ہے: ﴿مَا نَنۡسَخۡ مِنۡ اٰیَۃٍ اَوۡ نُنۡسِہَا نَاۡتِ بِخَیۡرٍ مِّنۡہَاۤ اَوۡ مِثۡلِہَا ؕ﴾ الآیۃ اس نے یہ نہیں فرمایا: «نأت بآية خير

(۱) سورۃ یونس: آیت ۱۵.
(۲) سورۃ النجم: آیت ۳.
(۳) سورۃ الأنعام: آیت ۵۰.
(۴) الإحکام: ص ۴۸۲.

منھا ولا بقرآن خیر منھا‘‘ ’’کہ منسوخ کرنے کے بعد ہم اس سے بہتر آیت یا اس سے عمدہ قرآن لاتے ہیں‘‘۔

اس کے بعد انہوں نے سفیان بن عیینہ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ وہ فرماتے تھے، میں اس آیت کو پڑھتا تھا مگر اس کا مفہوم نہیں سمجھ پاتا تھا۔ میں سوچتا کہ یہ بھی قرآن ہے اور وہ بھی قرآن ہی ہے تو پھر ایک دوسرے سے بہتر کیسے ہوسکتا ہے، جب مجھے اس کی تفسیر بتائی گئی تو سمجھ میں آیا کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ ہم تمہارے لئے اس سے بہتر آیت لاتے ہیں جو تمہارے لئے آسان، ہلکی اور سہل ہو (۱)۔

اور ابن حزم فرماتے ہیں: آیت مذکورہ سے ان کا استدلال کرنا صحیح نہیں ہے، کیونکہ قرآن کا بھی بعض حصہ بعض سے بہتر نہیں ہے بلکہ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ میں تمہارے لئے اس سے بہتر لاتا ہوں یا اس کے مثل لاتا ہوں۔ اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ناسخ پر عمل کرنا منسوخ پر عمل کرنے سے بہتر ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ قبل از نسخ ناسخ پر عمل کرنے کا ثواب منسوخ پر عمل کرنے کے ثواب کے مثل ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے زیادہ ہو (۲)۔

ابن حزم فرماتے ہیں: وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے اس قول سے بھی استدلال کرتے ہیں: ﴿وَإِذَا بَدَّلْنَآ ءَايَةً مَّكَانَ ءَايَةٍ ۙ وَٱللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ﴾ (اور جب ہم کسی آیت کے بدلے دوسری آیت لاتے ہیں، اور اللہ جو کچھ نازل کرتا ہے اُسے خوب جانتا ہے) مگر اس میں ان کے لئے کوئی حجت نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں کہا: «إني لا أبدل آية إلا مكان آية» ’’کہ ہم کسی آیت کو کسی آیت کے ذریعہ ہی بدلتے ہیں‘‘۔ بلکہ اس نے یہ کہا ہے: «انه يبدل آية مكان آية» ’’وہ کسی آیت کو کسی آیت سے بدل دیتا ہے‘‘۔ اور ہم لوگ اس کا انکار نہیں کرتے بلکہ اس کا تو اقرار ہی کرتے ہیں۔

لیکن ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آیت کو آیت سے بدلتا ہے اور دوسری چیز (سنت) سے بھی بدلتا ہے یعنی وہ وحی غیر متلو کو کسی آیت کی جگہ پر تبدیل کر دیتا ہے (۳)۔

یہ لوگ اپنی حجت میں اللہ تعالیٰ کا یہ قول بھی پیش کرتے ہیں: ﴿قُلْ مَا يَكُونُ لِيٓ أَنْ أُبَدِّلَهُۥ مِن تِلْقَآئِ نَفْسِيٓ ۖ﴾ (آپ کہہ دیجئے کہ میں اسے اپنی جانب سے نہیں بدل سکتا) مگر یہ آیت بھی ان کے لئے حجت نہیں ہے۔ کیونکہ ہم ہرگز نہیں کہتے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے اختیار سے تبدیلی کرتے ہیں ایسا کہنے والا تو کافر ہے۔ بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ وحی الٰہی کے ذریعہ منسوخ کرتے ہیں جیسا کہ انہیں یہ کہنے کا حکم دیا گیا ہے کہ ﴿إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا

(۱) السنۃ للمروزی: ص/۲۶۔

(۲) الإحکام: ص/۴۷۸۔

(۳) الإحکام: ص/۴۷۹۔

یُوْحٰٓی اِلَیَّ﴾ (میں تو صرف اس کی پیروی کرتا ہوں جو مجھ پر وحی ہوتی ہے) گویا وحی کو وحی سے منسوخ کرنے کا جواز نص سے ثابت ہے اور سنت بھی وحی ہے، لہذا نسخ قرآن بذریعہ سنت جائز ہے (۱).

قرآنی حکم کو سنت سے منسوخ کئے جانے کی مثالیں:

﴿کُتِبَ عَلَیْکُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَکُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَیْرَا ۖ الْوَصِیَّةُ لِلْوَالِدَیْنِ وَ الْاَقْرَبِیْنَ﴾ (جب تم میں سے کسی کی موت قریب ہو، اور وہ مال و جائداد چھوڑ کر دنیا سے رخصت ہو رہا ہو، تو تمہارے اوپر والدین اور قریبی رشتہ داروں کے لئے مناسب وصیت فرض کردی گئی ہے) (۲).

علماء کا اجماع ہے کہ وارثین کے حق میں وصیت کا حکم منسوخ ہے اور نبی اکرم ﷺ کے اس قول: «لَا وصية لوارث» (۳) کے ذریعہ منسوخ ہوا ہے. اور یہ کہنا کہ وصیت کی منسوخی آیات میراث کے ذریعہ ہوئی ہے اور سنت رسول نے صرف اس کی وضاحت فرمائی ہے بالکل صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے جہاں ورثاء کے حصے بیان کئے ہیں وہاں یہ بھی فرمادیا ہے کہ وصیت کے نفاذ کے بعد ہی تقسیم میراث عمل میں آئے گی. چنانچہ حصے بیان کرنے کے فوراً بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿مِنْۢ بَعْدِ وَصِیَّةٍ یُّوْصِیْ بِهَآ اَوْ دَیْنٍ﴾ کہ ترکہ کی تقسیم وصیت کے نفاذ یا قرض کی ادائیگی کے بعد کی جائیگی.

آیت کے ظاہری مفہوم سے یہ لازم آتا ہے کہ میت اگر اپنے والدین یا دیگر ورثاء کے لئے وصیت کرتا ہے تو پہلے وصیت کے مطابق انہیں دیا جائے گا پھر اس کے بعد ترکہ کو تقسیم کیا جائے گا مگر سنت رسول نے وصیت کے وجوب کو منسوخ کردیا ہے.

آیت کے ظاہری مفہوم سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ غیر وارث کے حق میں کل مال کی بھی وصیت کی جاسکتی ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے تقسیم میراث سے پہلے وصیت نافذ کرنے کا حکم دیا ہے، مگر اس کی کوئی تحدید بیان نہیں کی ہے کہ کتنے کی وصیت کی جاسکتی ہے، ثلث کی یا اس سے کم یا زیادہ کی.

اگر نبی اکرم ﷺ یہ نہیں بتاتے کہ ثلث سے زیادہ کی وصیت کرنا جائز نہیں تو قرآن کے ظاہری اور عمومی الفاظ

(۱) الإحکام: ص/ ۴۷۸.

(۲) سورۃ البقرہ: آیت/ ۱۸۰.

(۳) ابوداؤد: کتاب الوصایا، باب ما جاء في الوصية للوارث، حدیث: ۲۸۷۰، ترمذی، کتاب الوصایا، باب ما جاء لَا وصية لوارث، حدیث: ۲۱۲۲، نسائی: کتاب الوصایا: باب إبطال الوصية للوارث: ۶/ ۲۴۷.

کے مطابق اس سے زیادہ کی وصیت جائز ہوتی لیکن سنت نے وصیت کو ثلث کے اندر محدود کر دیا ہے.

سعد بن ابی وقاص سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ ﷺ میری اس بیماری میں جس میں مرتے مرتے بچا تھا میری عیادت کے لئے تشریف لائے میں نے آپ سے کہا اے اللہ کے رسول. آپ دیکھ ہی رہے ہیں کہ میں کس تکلیف میں مبتلا ہوں. اور میں مال و دولت والا ہوں اور ایک بیٹی کے علاوہ میرا کوئی دوسرا وارث نہیں ہے، کیا میں اپنی دولت کا دو تہائی صدقہ کر سکتا ہوں؟ آپ نے کہا نہیں، میں نے کہا نصف کر سکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا نہیں، ہاں ثلث (ایک تہائی) دے سکتے ہو جبکہ وہ بھی بہت ہے [1].

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَ اَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَ امْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ﴾ الآیۃ (جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو تو اپنے چہروں کو، اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں تک دھولو اور اپنے سروں کا مسح کرلو، اور اپنے پاؤں دونوں ٹخنوں تک دھولو) [2].

«أرجلكم» میں کسرہ و فتحہ دونوں قرأت ہیں، دونوں قراءتوں کے مطابق ہم اسے «رؤوس» پر عطف کریں گے، کیونکہ معطوف اور معطوف علیہ کے مابین ایسی کوئی خبر نہیں لائی جا سکتی جو معطوف علیہ سے متعلق نہ ہو، اس لئے کہ اس سے اشکال اور تلبیس لازم آتا ہے. آپ یہ بول کر کہ «ضربت محمداً وزيداً، ومررت بخالد وعمرو» یہ معنی نہیں لے سکتے کہ آپ نے محمد و زید کی طرح عمرو کو بھی مارا.

لیکن جب پاؤں دھونے کے سلسلے میں سنت رسول آ گئی تو مسح کرنے کا حکم منسوخ ہو گیا. عملِ صحابہ اسی کی شہادت دیتا ہے، پہلے صحابۂ کرام پاؤں کا مسح کرتے تھے اور جب حکم رسول «ويل للأعقاب والعراقيب من النار» آ گیا تو مسح ترک کر دیا. اسی طرح ابن عباس سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: قرآن ''مسح رجلین'' کے حکم کے ساتھ نازل ہوا [3].

امام مروزی نے اپنی کتاب ''السنۃ'' میں نسخ قرآن بذریعہ سنت کی بہت سی مثالیں ذکر کی ہیں اور اس کے ساتھ

(۱) السنۃ للمروزی، ص: ۶۹، اور حدیث کو بخاری نے کتاب الجنائز، کتاب الایمان، کتاب الوصایا، فضائل اصحاب النبی ﷺ، کتاب المغازی، کتاب النفقات، کتاب المرض، کتاب الدعوات اور کتاب الفرائض میں روایت کیا ہے. مسلم، کتاب الوصیۃ، حدیث: ۱۶۲۸، مؤطا، کتاب الوصیۃ: ۲/ ۷۶۳، ترمذی، الجنائز، حدیث: ۹۷۵ اور کتاب الوصایا، ابو داؤد، الوصایا، حدیث: ۲۸۶۴، نسائی، کتاب الوصایا: ۶/ ۲۴۱، ۲۴۳.

(۲) سورۃ المائدہ: آیت/ ۶.

(۳) الاحکام، ص: ۴۸۲.

منکرین نسخ کی تاویلات کا تجزیہ بھی کیا ہے۔ اسی طرح امام ابن حزم نے ''احکام'' میں کچھ اور مثالیں ذکر کی ہیں [۱]۔ چونکہ بیانِ مقصد کے لئے اتنا ہی کافی ہے لہذا ہم اسی پر اکتفا کرتے ہیں۔

تخصیص اور تعمیم کے ذریعہ قرآن کا بیان:

سنتِ متواترہ کے ذریعہ عمومِ قرآن کی تخصیص بلا اختلاف جائز ہے، لیکن اگر سنت ''آحاد'' کے نوع سے ہو تو اس کے سلسلے میں بھی آمدی نے ''احکام'' میں ائمہ اربعہ سے جواز نقل کیا ہے [۲]۔

البتہ کچھ لوگوں نے اسے مطلق ممنوع قرار دیا ہے اور کچھ اس کی تفصیل بیان کرتے ہیں۔ لیکن تفصیل میں ان کے مابین اختلاف پایا جاتا ہے۔ عیسیٰ بن ابان [۳] کے نزدیک خبر واحد کے ذریعہ تخصیص اس صورت میں جائز ہے کہ قرآن کی کسی قطعی دلیل کے ذریعہ تخصیص ہو چکی ہو۔

کرخی [۴] کا موقف ہے کہ اگر دلیل منفصل کے ذریعہ قرآن کی تخصیص ہوئی ہے (دلیل متصل کے ذریعہ نہیں) تو خبر واحد کے ذریعہ اس کی تخصیص درست ہے۔ اور قاضی ابوبکر [۵] توقف کے قائل ہیں۔

اور راجح ائمہ اربعہ کا مذہب ہے۔ امام شافعی نے رسالہ [۶] میں اس نام سے ایک باب قائم کیا ہے «**باب ما نزل عاماً دلت السنة خاصة علی أنه یراد به الخاص**» اس امر کا بیان کہ ایک حکم قرآن میں عام نازل ہوا ہے اور سنت بتاتی ہے کہ اس سے مراد خاص ہے، یہ باب انہوں نے بیانِ قرآن بذریعہ سنت کی بحث میں قائم کیا ہے۔ ان کی رائے ہے کہ سنت کے ذریعہ قرآن کریم کے بیان کی قسموں میں سے ایک قسم سنت کے ذریعہ قرآن کے عموم کی تخصیص بھی ہے۔ ابن حزم نے بھی احکام میں اس رائے کے لئے اپنی حمایت کا اعلان کیا ہے [۷] اور کچھ ایسی جگہوں

---

(۱) الاحکام، ص: ۴۷۷-۴۸۲۔

(۲) الاحکام للآمدی، ج ۲، ص: ۲۲۔

(۳) یہ عیسیٰ بن ابان بن صدقہ ابوموسیٰ قاضی ہیں اور فقہاء حنفیہ میں سے ایک بڑے فقیہ ہیں۔ بیس سال تک بصرہ میں منصب قضاء پر فائز رہے اور بصرہ ہی میں وفات بھی ہوئی (۰۰۰-۲۲۱)، متعدد کتابیں لکھیں جن میں سے اثبات القیاس، اجتہاد الرأی اور الجامع فی الفقہ ہیں۔

(۴) یہ عبیداللہ بن الحسین الکرخی ہیں ان کی کنیت أبوالحسن ہے۔ بلند پایہ فقیہ ہیں۔ عراق میں حنفیہ کی ریاست انہیں پر ختم ہوتی ہے، کرخ میں پیدا ہوئے اور بغداد میں وفات پائے۔ (۲۶۰-۳۴۰ھ)۔

(۵) محمد بن طیب بن محمد بن جعفر، ابوبکر ان کی کنیت ہے، قاضی ہونے کے ساتھ علماء کلام میں ایک خاص مقام رکھتے تھے، مذہب اشاعرہ کی سطوت وسلطنت انہیں پر جاکر ختم ہو جاتی ہے۔ بصرہ میں پیدا ہوئے اور بغداد میں سکونت پذیر ہوئے اور وہیں ان کا انتقال بھی ہوا۔ (۳۳۸-۴۰۳ھ)۔

(۶) ملاحظہ ہو الرسالہ: ص/ ۶۴-۷۳۔

(۷) الاحکام: ص/ ۱۸۹۔

کی نشاندہی کی ہے جہاں تخصیصِ قرآن کے منکرین سنت کے ذریعہ قرآن کی تخصیص وقتاً فوقتاً حسب ضرورت کرتے آئے ہیں مگر اس جگہ اس کے منکر ہیں.

آگے فرماتے ہیں: ہم یہ بتا دینا چاہتے ہیں کہ کوئی بھی مسلمان اپنی طرف سے آیت اور حدیث کے مابین تعارض کھڑا نہ کرے. اور یہ نہ کہے کہ خبر واحد کے اندر تخصیصِ قرآن کی صلاحیت نہیں ہے، کیونکہ عرباض بن ساریہ سے روایت ہے کہ وہ خدمتِ رسول میں حاضر ہوئے تو آپ لوگوں سے خطاب فرما رہے تھے کہ ”تم میں کا ایک شخص اپنی مسند پر ٹیک لگائے یہ کہتا نظر آئے گا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں جس کو حرام قرار دیا ہے صرف وہی حرام ہے، آگاہ رہو، اللہ کی قسم، میں نے کسی کو حکم دیا ہے، وعظ ونصیحت کی ہے، اور کچھ چیزوں سے منع بھی کیا ہے، یہ سب قرآن کے مانند ہیں یا اس سے زیادہ ہیں“(۱).

اور ہمیں پہلے ہی معلوم ہو چکا ہے کہ ہمارے نزدیک قرآن وحدیث کی اطاعت میں کوئی فرق نہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَ مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى﴾ (اور وہ اپنی خواہشِ نفس کی پیروی میں بات نہیں کرتے ہیں، وہ تو وحی ہوتی ہے جو اُن پر اُتاری جاتی ہے).

اور ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ اس امر میں کوئی دو آدمی مختلف نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے قول: ﴿فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ﴾ (نماز کو قائم کرو) میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے واجب ہونے اور رسول اللہ ﷺ کے فرمان: «أن يصلي المقيم الظهر أربعاً، والمسافر ركعتين» میں آپ کی اطاعت کے واجب ہونے کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے.

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (فی الحقیقت تم مسلمانوں کے لئے رسول اللہ کا قول وعمل ایک بہترین نمونہ ہے)(۲).

دوسری جگہ ارشاد فرمایا ہے: ﴿وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا﴾ (اگر یہ غیر اللہ کے پاس سے ہوتا تو اس میں بہت زیادہ اختلاف پاتے)(۳).

اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا کلام مرادِ رب کے موافق ہے، اور ان دونوں کے مابین کوئی اختلاف اور تعارض نہیں ہے. اور یہ کہ ذخیرۂ سنت میں کوئی ایسی حدیث نہیں جو اہمیت اور وجوب عمل میں قرآن سے

---

(۱) الإحکام: ص/۱۵۱، اور اس حدیث کو ابو داؤد نے کتاب الخراج والامارة. باب في تفسير أهل الذمة إذا اختلفوا بالتجارات، حدیث: ۳۰۵۰ میں روایت کیا ہے.

(۲) سورۃ الأحزاب: آیت/۲۱.

(۳) سورۃ النساء: آیت/۸۲.

کمتر ہو. پس اس سے ان لوگوں کا مذہب باطل ہو جاتا ہے جو یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ اخبارِ آحاد سے قرآن کی تخصیص جائز نہیں ہے.

اس کے علاوہ ہمارے علم میں ایسی بہت سی آیتیں ہیں جن کی اخبارِ آحاد سے تخصیص کی گئی ہے، ذیل میں چند آیتیں پیش کی جارہی ہیں تا کہ مسئلہ کی مزید وضاحت ہو جائے:

۱- محرمات کا ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَ اُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ﴾ (اور تمہارے لئے ان کے علاوہ عورتوں سے مہر دے کر شادی کرنا حلال کر دیا ہے)(۱).

تمام صحابہ کا اتفاق ہے کہ یہ آیت ابو ہریرہ کی اس حدیث سے خاص ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے عورت اور اس کی پھوپھی یا عورت اور اس کی خالہ کے مابین جمع کرنے سے منع کیا ہے(۲).

۲- اللہ تعالیٰ کے قول: ﴿يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ﴾ (اللہ تمہیں تمہاری اولاد کے بارے میں حکم دیتا ہے)(۳) کو بھی صحابہ نے رسول اللہ ﷺ کی حدیث «لَا يرث القاتل شيئًا» ''قاتل کو میراث سے کچھ نہیں ملے گا''(۴) اور «لَا يرث المسلم الكافر ولَا الكافر المسلم» ''مسلم کافر کا یا کافر مسلم کا وارث نہیں ہوگا''(۵) اور بخاری و مسلم کی حدیث جو ابو بکر و عمر اور عائشہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے «لَا نورث ما تركناه صدقه»(۶) سے خاص کر دیا ہے.

---

(۱) سورۃ النساء: آیت/ ۲۴.

(۲) بخاری: کتاب النکاح، باب لاَ تنكح المرأة على عمتها، مسلم: كتاب النكاح، باب تحريم الجمع بين المرأة وعمتها أو خالتها في النكاح، حدیث: ۱۴۰۸، مؤطا: كتاب النكاح، باب ما لاَ يجمع بينه من النساء: ۲/ ۵۳۲، ابو داؤد، کتاب النکاح حدیث: ۲۰۶۵، ۲۰۶۶، ترمذی فی النکاح، ۱۱۲۵، نسائی، کتاب النکاح: ۶/ ۹۶-۹۸.

(۳) سورۃ النساء: آیت/ ۱۱.

(۴) ابو داؤد، کتاب الدیات، حدیث، حدیث: ۴۵۶۴، ترمذی، الفرائض: ۲۱۱۰، اس کی سند میں اسحاق بن ابی فروۃ ہے جو متروک ہے. ابن ماجہ، کتاب الدیات، ۲۶۴۵، کتاب الفرائض، حدیث: ۲۷۳۵، بیہقی نے اس باب میں عمر اور ابن عباس و دیگر صحابہ کے آثار نقل کئے ہیں، جن کا مفہوم یہی ہے کہ قاتل مطلق وارث نہیں ہوگا.

(۵) بخاری، کتاب الفرائض، باب لاَ يرث المسلم الكافر ولاَ الكافر المسلم، مسلم، کتاب الفرائض: ۱۶۱۴، مؤطا، کتاب الفرائض، باب ميراث أهل الملك: ۲/ ۵۱۹، ابو داؤد، كتاب الفرائض: باب هل يرث المسلم الكافر: ۲۹۰۹، ترمذی، كتاب الفرائض، باب ما جاء في ابطال الميراث بين المسلم والكافر: ۲۱۰۸.

(۶) بخاری، کتاب الفرائض، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: لاَ نورث ما تركناه صدقة، اور كتاب الوصايا، باب نفقة القيم للوقف، كتاب الجهاد، باب نفقة نساء النبي صلى الله عليه وسلم بعد وفاته، مسلم: كتاب الجهاد، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: لاَ نورث ما تركناه صدقة: ۱۷۶۰، ۱۷۶۱.

۳-اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ قول بھی ہے: ﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْا اَيْدِيَهُمَا﴾ (۱).

اگر رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ اس آیت کی تشریح نہ کردی جاتی تو مال مسروقہ کی قلت وکثرت سے قطع نظر ہر اس شخص کا ہاتھ کاٹنا لازم آتا جسے چور کہا جاسکتا تھا. کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کسی چور کی تخصیص نہیں کی بلکہ ''سارق وسارقہ'' کا عام لفظ استعمال کیا ہے. اہل علم کا متفقہ فیصلہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی سنت کے مطابق مال مسروقہ کی قیمت جب تک اس متعین حد کو نہیں پہنچ جاتی جس کے بیان میں علماء مختلف ہیں تب تک چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا.

۴-اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ﴾ (اور تمہاری رضاعی بہنیں) (۲) اور ﴿وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ﴾ (اور تمہاری مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا) (۳).

اللہ تبارک وتعالیٰ نے رضاعی ماں اور بہن کو حرام قرار دیا ہے مگر آیت میں رضاعت کی تعیین نہیں کی ہے. آیت کریمہ کے ظاہری الفاظ اور اس کے عموم کے مطابق قلیل رضاعت اور کثیر رضاعت میں کوئی فرق نہیں، یعنی جس طرح کثیر سے حرمت ثابت ہوتی ہے اسی طرح قلیل رضاعت سے بھی ہوگی. بعض علماء نے اس کو اختیار بھی کیا ہے، لیکن رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا: ایک دو بار پینے سے حرمت ثابت نہیں ہوتی. پس جب آپ ﷺ سے یہ ثابت ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مطلق رضاعت کا ذکر کرکے ایک مخصوص رضاعت مراد لیا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے حرمت کو اس رضاعت کے ساتھ خاص کردیا ہے جو ایک یا دو بار چوسنے سے زیادہ ہو.

سنت کے ذریعہ نزول قرآن کے تین بنیادی مقاصد کا بیان:

مختلف وقائع وابواب سے متعلق شریعت کے جملہ کلی وجزئی احکام کے استقراء اور ان کی تشریعی علتوں اور حکمتوں کے استقراء سے جنہیں شارع نے بہت سے احکام کے ساتھ جوڑ رکھا ہے اور انہیں معتبر جانا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ شرعی احکام کی تشکیل سے شریعت کا عام مقصد حصول منفعت ودفع مضرت کے ذریعہ لوگوں کے ''مصالح'' کا حصول ہے. اور یہ مصالح امور ضروریہ، امور حاجیہ اور امور تحسینیہ میں داخل ہیں، اور جب لوگوں کو ضروریات، حاجات اور تحسینات حاصل ہوگئیں تو گویا ان کے مصالح مکمل ومتحقق ہوگئے، اور جو ان میں سے کسی کو مکمل کرتا ہے وہ اس کا تابع ہے (یعنی ضروریات کو مکمل کرنے والا ضروریات میں، اور حاجات کو مکمل کرنے والا حاجیات میں داخل ہے).

---

(۱) سورۃ المائدہ: آیت/ ۳۸.

(۲) سورۃ النساء: آیت/ ۲۳.

(۳) سورۃ النساء: آیت/ ۲۳.

شریعت اسلامیہ ایسے دو بنیادی ستونوں پر قائم ہے جن میں سے ایک دوسرے سے الگ نہیں اور نہ ہی ان دونوں کے بغیر شریعت مکمل ہوسکتی ہے۔ اوران میں سے ایک قرآن اوردوسرا سنت ہے۔

اس تعلق سے ہم قرآن کریم میں پاتے ہیں کہ اس نے دین و دنیا کے مصالح اور مفاسد کا اجمالی تذکرہ کیا ہے تاکہ مصالح کو حاصل کیا جائے اور مقاصد سے دور رہا جائے، اور ہم کہہ چکے ہیں کہ استقراء کے بعد مصالح کو تین چیزوں کے اندر ہی محصور پایا گیا ہے۔ ضروریات دین اوران کے مکملات، حاجات اوران کے مکملات، اور تحسینات اوران کے مکملات۔

اور جب ہم سنت کے اندر جھانکتے ہیں تو وہ ان امور کی تائید کرتی نظر آتی ہے۔ گویا قرآن نے ان امور کے اصول وقواعد منضبط کئے ہیں اور سنت نے ان کی تفصیل وتفریع بیان کی ہے۔ یعنی سنت میں ان ہی تینوں قسموں کی تفصیل وتفریع ہے۔

پس جس طرح ضروریات خمسہ کے اصول قرآن میں ذکر ہیں اسی طرح ان کی تفصیل سنت میں درج ہے، اسی طرح حاجیات اور تحسیئیات کے اصول کتاب نے بیان کئے ہیں، اور سنت نے ان کی تشریح وتفصیل پیش کی ہے۔ گویا پوری شریعت کتاب وسنت کے گرد گردش کرتی ہے۔

دین کی حفاظت، اسلام، ایمان اوراحسان کی حفاظت میں منحصر ہے۔ اوراس کی اصل کتاب میں ہے اوراس کی تشریح سنت میں ہے اوراس کو تین چیز مکمل بناتی ہیں۔ ترغیب وترہیب کے ذریعہ اس کی طرف لوگوں کو بلانا۔ جواس پر بری نگاہ ڈالے یا اس میں فساد کی کوشش کرے اس سے جہاد کرنا، اوراس کے اصل کو لاحق نقصانات کی تلافی کرنا۔ اس کی بھی اصل قرآن میں ہے اوراس کی مکمل تفصیل سنت میں ہے۔

''حفظ الناس''یعنی لوگوں کی حفاظت تین طرح سے ہوتی ہے۔ افزائشِ نسل، وجودِ انسانی کی بقاء کے تدابیر اختیار کرنا، اور کسی کے عدم سے وجود میں آنے کے بعد اس کے کھانے پینے اور لباس و پوشاک کے انتظامات کرنا۔ اسے بھی تین چیزیں مکمل بناتی ہیں:

۱- نکاح صحیح کے ذریعہ نفس کو زنا وغیرہ سے محفوظ رکھنا۔ اس میں متعلقات نکاح، طلاق، خلع، لعان بھی شامل ہے۔

۲- جن چیزوں کو بطور غذا استعمال کیا جاتا ہے ان کی حفاظت کرنا کہ وہ ضرر یا قتل و بیماری کا باعث نہ ہو، اوران چیزوں کو حاصل کرنا جن سے غذا حاصل ہوتی ہے جیسے مذبوحہ جانور اور شکار وغیرہ۔

۳- حدود وقصاص کو جاری کرنا، اور لاحق خطرات اور اضرار کا لحاظ کرنا اور نسل انسانی کی حفاظت بھی اس میں داخل ہے. یہاں بھی قرآن نے اس کے اصول بیان کیے ہیں اور سنت نے اس کی وضاحت کی ہے.

مال کی حفاظت اس طرح ہوگی کہ اسے املاک میں داخل کیا جائے اور فنا سے بچانے کے لئے اس کی افزائش اور نشو ونما کی کوشش کی جائے، مال کے مکملات میں سے تمام رکاوٹوں کو دور کرنا اور حدود زجرو تاوان کے ذریعہ اصل مال میں ہونے والے نقصانات کی تلافی کرنا ہے. اس کے اصول قرآن میں وارد ہوئے اور سنت نے اس کی تفسیر کا فریضہ انجام دیا ہے، عقل اور عزت کی حفاظت کے سلسلے میں یہی بات کہی جاسکتی ہے.

اگر آپ حاجیات کو دیکھیں تو ان میں بھی آپ اسی ترتیب یا اس کے مثل ترتیب کو دیکھیں گے، یہی نہیں تحسینات کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے. اس طور پر قرآن وحدیث کے ذریعہ شریعت کے قواعد واصول کی تکمیل ہو جاتی ہے اور اس کے احاطۂ بیان سے کوئی بھی چیز باہر نہیں رہتی.

طرفین میں سے کسی ایک طرف واسطہ کو پھیر کر قرآن کی تفسیر کرنا:

بیان کے اقسام میں سے ایک قسم وہ ہے جس کو اہلِ اصول ''دو واضح اطراف کے مابین پائے جانے والے محل اجتہاد میں غور وفکر'' کے نام سے موسوم کرتے ہیں. کبھی ایسا ہوتا ہے کہ قرآن کریم میں دو واضح اطراف کی دلیل ذکر کردی جاتی ہے اور ان کے درمیان ایک واسطہ ہوتا ہے جسے طرفین اجتہاد کے ذریعہ اپنی طرف کھینچتے ہیں. کبھی اس واسطہ میں غور وفکر کرنا آسان ہوتا ہے لہذا اس کو مجتہدین کے لئے چھوڑ دیا جاتا ہے. اور کبھی یہ کام مشکل ہوتا ہے یا امر تعبدی سے متعلق ہوتا ہے، اس وقت رسول اللہ ﷺ کی جانب سے یہ بیان آتا ہے کہ وہ طرفین میں سے فلاں کے ساتھ ملحق ہے یا دونوں اطراف سے ماخوذ ہے. ذیل کی مثالوں سے یہ بات صاف ہو جائے گی.

۱- اللہ تبارک وتعالیٰ نے طیبات کو حلال اور خبائث کو حرام کیا ہے. اب ان دونوں کے درمیان کچھ ایسی چیزیں ہیں جنہیں ان میں سے کسی کے ساتھ ملحق کیا جاسکتا ہے. رسول اللہ ﷺ نے پالتو گدھے [1] کے گوشت سے منع کر کے اس کی اس طرح وضاحت فرمادی کہ اس کا سمجھنا آسان ہوگیا.

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے قنفذ (ایک جانور جس کے پورے بدن پر کانٹا ہوتا ہے جسے اردو میں ''سیہی'' کہتے

(۱) اسے عبد اللہ بن ابی اوفی سے بخاری، مسلم اور نسائی نے روایت کیا ہے. عبد اللہ بن عمر سے بخاری، مسلم، نسائی نے انس بن مالک سے بخاری، مسلم اور ابوداؤد نے. زاہر اسلمی سے صرف بخاری نے. براء بن عازب سے بخاری، مسلم اور نسائی نے روایت کیا ہے ملاحظہ ہو: جامع الاصول فی احادیث الرسول: ۷/۵۶، ۴۵۶، ۴۵۷.

ہیں) کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے کہا اسے کھا سکتے ہو، پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی: ﴿قُلْ لَّآ اَجِدُ فِیْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا﴾...... الآیۃ. ایک شخص نے آپ سے کہا ابو ہریرہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: «هو خبيثة من الخبائث» ''کہ قنفذ خبائث میں سے ایک خبیث جانور ہے''. ابن عمر نے کہا: اگر یہ بات رسول نے کہی ہے تو پھر انہیں کی بات صحیح ہے (۱).

یہاں قنفذ کو خبائث سے ملحق کیا گیا ہے اور دوسری جگہ ضب (گوہ) اور ارنب (خرگوش) کو طیبات سے منسلک کیا گیا ہے.

۲- پینے کی ان چیزوں کو جن کے اندر نشہ نہ ہو اللہ تعالیٰ نے حلال قرار دیا ہے اور جس میں نشہ پایا جاتا ہے اسے حرام کیا ہے، ان دو اصلوں کے مابین کچھ چیزیں ہیں جو حقیقت میں نشہ آور نہیں ہیں لیکن نشہ آور ہو سکتی ہیں. جیسے کدو کے خول کا بنا ہوا ایسا برتن جس پر تار کول کا لیپ دیا گیا ہو، یا کسی درخت کی جڑ جسے کھود کر برتن بنایا جاتا ہے، ایسے برتنوں میں تیار کردہ نبیذ. سدّ ذرائع کے طور پر نشہ آور اشیاء سے ملحق کر کے اِن برتنوں میں بنی ہوئی نبیذ سے منع کر دیا گیا. اس کے بعد پھر اس اصل کو پیش نظر رکھ کر کہ اصلاً ہر چیز مباح ہے جیسے پانی اور شہد وغیرہ. رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «كنت نهيتكم عن الإنتباذ فانتبذوا، وكل مسكر حرام» ''میں تم لوگوں کو نبیذ بنانے سے منع کیا کرتا تھا مگر اب تم لوگ نبیذ تیار کرو، لیکن یہ یاد رہے کہ ہر نشہ آور چیز حرام ہے'' (۲).

۳- اللہ تعالیٰ نے مسلمان کے لئے تربیت یافتہ جانور کے کئے ہوئے شکار کو مباح کیا ہے. اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ غیر تربیت یافتہ کا شکار حرام ہے، کیونکہ وہ اپنے لئے شکار کرتا ہے. ان دونوں اصولوں کے مابین یہ مسئلہ گردش کرتا ہے کہ جانور تو تربیت یافتہ ہو مگر اس نے اپنے شکار کا کچھ حصہ کھا لیا ہو. تربیت وتعلیم سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس نے اپنے مالک کے لئے شکار کیا ہے مگر بعض حصے کے کھا جانے سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ اس نے اپنے لئے شکار کیا ہے، مالک کے لئے نہیں. یہاں دونوں اصولوں کے مابین تعارض پیدا ہوا لہذا سنت نے اس کی تشریح کر دی. رسول اللہ ﷺ نے

(۱) ابوداؤد، كتاب الأطعمة، باب في أكل حشرات الأرض، باب نمبر: ۳۰، مسند امام احمد: ۲/۳۸۱.

(۲) امام مالک فی المؤطا من حدیث أبي سعید الخدری، کتاب الضحایا، باب ادخار لحوم الأضاحی، ج ۲، ص: ۴۸۵، مسلم وابوداؤد اور نسائی «ونهيتكم عن النبيذ إلاّ في سقاء، فاشربوا في الأسقيه كلها ولا تشربوا مسكراً» کے لفظ سے روایت کیا ہے. مسلم: كتاب الجنائز، باب استئذان النبي ﷺ في زيارة قبر أمه، أبو داؤد، كتاب الجنائز، باب في زيارة القبور، حدیث: ۳۲۳۵، نسائی، كتاب الجنائز، باب زيارة القبور: ۴/۸۹.

فرمایا: اگر شکاری جانور نے شکار سے کچھ لیا ہے تو پھر تم مت کھاؤ. ہوسکتا ہے کہ اس نے اپنے لئے شکار کیا ہو[1].

یہ چند مثالیں ہیں جن سے دوسرے مسائل کو سمجھنے میں مدد لی جاسکتی ہے. اوران سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ سنت نبویہ دو منصوص اصلوں میں سے کسی ایک کی طرف واسطہ کو پھیر کر بھی بیان وتشریح کا کام کرتی ہے.

قرآن میں مذکور اصل کے ساتھ غیر مذکور فرع کو ملحق کر کے قرآن کی تفسیر کرنا:

قرآن کریم میں کچھ ایسے اصول پائے جاتے ہیں جو اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ جہاں کہیں اس قسم کے اصول پائے جائیں گے ان کا حکم وہی ہوگا جو قرآن میں مذکور اصولوں کا ہے. ان اصولوں کے اطلاق سے یہ بات بھی سمجھ میں آتی ہے کہ بعض مقیدات بھی انہی کے مثل ہیں. اور سنت نبویہ کے بیان کی بنیاد پر اس اصل سے کچھ فروعات اخذ کئے جاتے ہیں، گویا یہاں پر بھی کتاب اللہ اصل پیش کرتی ہے اور سنت رسول اس کا ہم معنی یا اس سے ملحق یا اس کے مشابہ وممائل قاعدہ پیش کرتی ہے، جس کا حکم اصل کا حکم ہوتا ہے. اس کی چند مثالیں درج ذیل ہیں.

۱- اللہ تعالیٰ نے ربا (سود) کو حرام ٹھہرایا ہے. اور دَین (قرض) کے ذریعہ دَین کے فسخ کو جاہلی ربا کہا جاتا ہے. طالب ربا کہتا ہے: یا تو دَین ادا کر دیا سود دو، نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے: جاہلیت کے ربا کو ممنوع ٹھہرایا جاتا ہے. جب بات ایسی ہے اور بلاعوض زیادہ مال لینے کی وجہ سے جاہلی ربا حرام ہے تو سنت نے ہر اس معاملہ کو جس میں زائد مال بغیر کسی معاوضہ طلب کیا جاتا ہے اس اصل کے ساتھ ملحق کر دیا. نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''سونے کو سونے سے، چاندی کو چاندی سے، گیہوں کو گیہوں سے، جو کو جو سے، کھجور کو کھجور سے اور نمک کو نمک سے مثل بہ مثل برابر برابر اور ہاتھ کے ہاتھ فروخت کیا جائے، جو زیادہ دے یا زیادہ طلب کرے تو یہ سود ہے. ہاں جب اجناس مختلف ہوں اور معاملہ ہاتھ کے ہاتھ ہو تو پھر جس طرح چاہو فروخت کرو''[2].

پھر رسول اللہ ﷺ نے اختلاف اجناس کی صورت میں "بیع نسأ" کے حکم کا اضافہ فرمایا اور اسے ربا میں شمار کیا، کیونکہ عوضین میں سے کسی ایک کی ادائیگی میں تاخیر بھی زیادتی کی متقاضی ہوتی ہے. اور معنوی اعتبار سے اس میں

(۱) بخاری: كتاب الوضوء، باب إذا شرب الكلب في إناء أحدكم فليغسله سبعاً، وكتاب البيوع، باب تفسير الشبهات اور كتاب الذبائح والصيد میں، اس کے علاوہ دیگر ابواب بھی اسے ذکر کیا ہے. مسلم: كتاب الصيد باب الصيد بالكلاب المعلمة، حدیث: ۱۹۲۹، ابوداؤد، كتاب الصيد، باب فى اتخاذ الكلب للصيد وغيره، حدیث: ۲۸۴۸.

(۲) اسے مسلم نے عبادۃ بن صامت سے روایت کیا ہے، كتاب المساقاة، باب الصرف وبيع الذهب بالورق نقداً، حدیث: ۱۵۸۷، ابوداؤد، كتاب البيوع، باب في الصرف، نسائی، البيوع، باب بيع البر بالبر وبيع الشعير بالشعير، ترمذی: البيوع، باب ما جاء أن الحنطة بالحنطة مثلاً بمثل، حدیث: ۱۲۴۰.

منافع بخش ''قرض'' داخل ہے. اس لئے کہ ایک جنس کو اس کے ہم مثل جنس سے فروخت کرنا دراصل ایک شئ کو نفس شئ سے منافع لے کر تبدیل کرنا ہے. پھر اضافی رقم کی ادائیگی کسی بدل کے بغیر عوض ادا کرنا ہے جو کہ شرعاً ممنوع ہے.

اور عام طور سے عوضین میں سے کسی کی ادائیگی میں مہلت تبھی دی جاتی ہے جب قیمت سے زائد رقم حاصل ہو، اس لئے کہ غائب کے بدلے حاضر کو اس وقت دیتے ہیں جب غائب کی قیمت حاضر کی قیمت سے زائد ہو. اور یہ اصل مال سے زائد ہوتا ہے. اس کے بعد یہ غور کرنے والی بات تھی کہ یہ چیز مطعومات (اشیاء خوردنی) اور نقدین (سونا چاندی) کے علاوہ کے لئے کیوں جائز ہے اور ان دونوں کے لئے کیوں جائز نہیں ہے. یہ ایک ایسا الجھاؤ تھا جس کو سلجھانا مجتہدین کے لئے مشکل تھا چنانچہ سنت نے اس کی تشریح کردی.

۲- اللہ تعالیٰ نے نکاح میں ماں بیٹی یا دو بہنوں کے درمیان جمع کو حرام کہا ہے. اور قرآن میں آیا ہے: ﴿وَ أُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ﴾ (اور تمہارے لئے ان کے علاوہ عورتوں سے مہر دے کر شادی کرنا حلال کر دیا ہے) لیکن رسول اکرم ﷺ کی جانب سے عورت اور اس کی پھوپھی یا خالہ کے مابین جمع کرنے کی ممانعت آئی ہے، کیونکہ جس سبب سے ان عورتوں کے مابین جمع کی مذمت بیان کی گئی ہے وہ یہاں بھی موجود ہے. اور وہ ہے قطع ارحام [1].

۳- اللہ جل شانہ نے نفس کی دیت بیان کردی، لیکن اعضاء واطراف کی دیت بیان نہیں کی. اور دیت ادا کرنے والے رشتہ داروں پر اس کا قیاس کرنا مشکل امر تھا، چنانچہ حدیث نے اطراف کی دیت کو واضح کیا [2].

۴- حرمت رضاعت کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَ أُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَ اَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ﴾ (تمہاری مائیں جنھوں نے تمہیں دودھ پلایا اور تمہاری رضاعی بہنیں تمہارے لئے حرام ہیں) [3].

نبی اکرم ﷺ نے ان دو عورتوں کے ساتھ ان تمام رضاعی رشتہ دار عورتوں کو ملحق کیا ہے جو نسب کی وجہ سے حرام ہوتی ہیں. رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «إن الله حرم من الرضاعة ما حرم من النسب» ''اللہ تعالیٰ نے

(۱) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے منع کیا ہے کہ کوئی عورت اپنی پھوپھی یا خالہ پر بیاہی جائے.'' حدیث کی تخریج گزر چکی ہے.

(۲) موطأ میں کتاب العقول ملاحظہ فرمائیں: باب ذکر العقول، باب فی عقل العین اذا ذهب بصرها، باب جامع عقل الإنسان اور باب العمل فی عقل الإنسان، بخاری: الدیات، باب دیة الأصابع، ابوداود: الدیات باب دیات الأعضاء، کتاب القسامة، باب عقل الإنسان، نسائی: کتاب القسامة: باب العین العوراء السادة لمکانها اذا طمست، وباب عقل الانسان اور باب عقل الأصابع وباب المواضح، وباب العقول، وباب کم دیة شبه العمد، الترمذی، کتاب الدیات، باب فی دیة الأصابع، وباب ما جاء فی الموضحة، اسی طرح سنن ابن ماجہ، صحیح ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکم اور بیہقی میں کتاب الدیات ملاحظہ فرمائیں.

(۳) سورۃ النساء: آیت ر ۲۳.

رضاعت کی وجہ سے ان سبھوں کو حرام کیا ہے جنہیں نسب کی وجہ سے حرام کیا ہے'' پھر مردوں کو عورتوں سے ملحق فرمایا ہے، کیونکہ عورت کی چھاتی میں دودھ مرد کی وجہ سے ہی پیدا ہوتا ہے(۱)۔

قرآن کے متفرق جزئیات کی بنیاد پر قاعدہ وضع کر کے اس کی تفسیر کرنا:

اقسام بیان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ قرآن کریم کے متفرق جزئیات کو ایک قاعدہ کلیہ کے تحت یا کسی جامع اصل کے تحت جمع کر دیا جائے اور سنت اس طرح کا قاعدہ پیش کرے جو تمام جزئیات پر مشتمل ہو اور لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ تمام جزئیات اس قاعدہ میں داخل ہیں.

۱- اس کی مثال نبی اکرم ﷺ کا یہ قول ہے: «لَا ضرر ولَا ضرار» '' نقصان اُٹھانا اور نقصان پہنچانا جائز نہیں ہے''(۲).

یہ ایک ایسا قاعدہ کلیہ ہے جس میں قرآن کے بہت سے متفرق جزئیات داخل ہو جاتے ہیں، جیسے اللہ تعالیٰ کا قول: ﴿وَ لَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا ۚ﴾ (اور انہیں نقصان پہنچانے کے لئے نہ روکو، تاکہ حد سے تجاوز کرو)(۳) اور ﴿وَ لَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ ؕ﴾ (اور تم انہیں تکلیف نہ دو تا کہ ان کا جینا دوبھر کر دو)(۴) اور ﴿لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا﴾ (ماں کو اس کے بچے کی خاطر نقصان نہ پہنچایا جائے)(۵).

نیز جان و مال اور عزت وآبرو پر حملہ، غصب وظلم اور ہر وہ فعل جس میں ''ضرر'' یا ''ضرار'' کا معنی پایا جاتا ہے اس میں داخل ہے، اسی طرح ''نفس یا عقل یا نسل یا مال پر زیادتی رسول اللہ ﷺ کے اس عمومی حکم: «لَا ضرر ولَا

(۱) ترمذی: کتاب الرضاع، باب ماجاء یحرم من الرضاع مایحرم من النسب، اور ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث صحیح ہے حدیث: ۱۱۴۶، امام مالک نے مؤطاً میں اور امام ترمذی نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ آپ سے ایک ایسے شخص کے متعلق پوچھا گیا جس کی زوجیت میں دو عورتیں ہیں ان میں سے ایک نے ایک بچی کو دودھ پلایا اور دوسری نے ایک بچے کو، تو کیا اس بچے کے لئے اس بچی سے شادی کرنا حلال ہے؟ آپ نے جواب دیا: نہیں کیونکہ لقاح ایک ہی ہے. ملاحظہ ہو: مؤطا: کتاب الرضاع: باب رضاعة الصغیر: ۲/ ۶۰۲-۶۰۳، ترمذی: کتاب الرضاع، باب ما جاء فی لبن الفحل، حدیث: ۱۱۴۹.

(۲) اس کو امام مالک نے مؤطا میں مرسلا روایت کیا ہے. کتاب الأقضیہ، باب القضاء فی المرفق: ۲/ ۷۴۵، ابن ماجہ نے ایک منقطع سند سے روایت کیا ہے اور دوسری سند میں جابر الجعفی ہے جو کہ ضعیف ہے، اور دارقطنی نے اس کو ابوہریرہ سے روایت کیا ہے، حاکم نے روایت کرنے کے بعد کہا ہے. ''صحیح الاسناد علی شرط مسلم'' مسلم کی شرط کے مطابق اس کی سند صحیح ہے. بیہقی نے روایت کرنے کے بعد کہا ہے: دراوردی سے روایت کرنے میں عثمان تنہا ہیں. نووی نے اربعین میں لکھا ہے: اس کے بہت سے طُرق ہیں، جو ایک دوسرے کو قوت پہنچاتے ہیں.

(۳) سورۃ البقرہ: آیت/ ۲۳۱.

(۴) سورۃ الطلاق: آیت/ ۶

(۵) سورۃ البقرہ: آیت/ ۲۳۳.

ضرار» میں داخل ہیں.

۲- اسی سے متعلق رسول اللہ ﷺ کا یہ قول ہے: «إنما الأعمال بالنيات وإنما لكل امرء ما نوى» ''جتنے (ثواب کے) اعمال ہیں وہ نیتوں سے ٹھیک ہوتے ہیں اور ہر آدمی کو وہی ملے گا جس کی وہ نیت کرے''(۱) یہ حدیث دراصل ایک ایسا قاعدہ ہے جس میں وہ تمام آیتیں آ جاتی ہیں جو اخلاص پر ابھارتی اور ریاء کی مذمت کرتی ہیں، نیز بتاتی ہیں کہ انسان کا عمل ہی اس کے لئے سب کچھ ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے یہ ارشادات ہیں: ﴿وَمَآ أُمِرُوٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ﴾ (اور انہیں صرف یہی حکم دیا گیا تھا کہ وہ اللہ کی عبادت کریں، اس کے لئے عبادت کو خالص کر کے)(۲) ﴿اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ﴾ (آگاہ رہئے کہ خالص بندگی صرف اللہ کے لئے ہے)(۳) ﴿فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّ لَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا﴾ (تو جو شخص اپنے رب سے ملنے کا یقین رکھتا ہے، اسے چاہئے کہ نیک عمل کرے، اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ بنائے)(۴) ﴿اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ﴾ (بے شک منافقین جہنم کی سب سے نچلی کھائی میں ہوں گے)(۵) ﴿وَ مَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ﴾ (اور جو شخص اپنے گھر سے اللہ اور اس کے رسول کی خاطر ہجرت کی نیت سے نکلتا ہے، پھر اس کی موت آ جاتی ہے، تو اس کا اجر اللہ کے نزدیک ثابت ہے)(۶) ﴿وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى يُرَآءُوْنَ النَّاسَ﴾ (اور جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو کاہل بن کر کھڑے ہوتے ہیں، لوگوں سے ریاکاری کرتے ہیں)(۷) اور ان کے علاوہ دوسری آیتیں ہیں.

---

(۱) بخاری: بدء الوحی اور کتاب الایمان، کتاب العتق، كتاب فضائل أصحاب النبی ﷺ، كتاب النكاح، كتاب الإيمان والنذور، اور كتاب الحيل، مسلم: كتاب الإمارة، باب قول النبی صلى الله عليه وسلم انما الأعمال بالنية، ابوداؤد: كتاب الطلاق، باب فيما عُني به الطلاق والنيات، ۲۲۰۱، ترمذی: كتاب فضائل الجهاد، باب ما جاء فيمن يقاتل رياء وللدنيا: ۱۶۴۷، نسائی: كتاب الطهارة، باب النية في الوضوء: ۱/ ۵۹، ۶۰.

(۲) سورۃ البینہ: آیت/ ۵.

(۳) سورۃ الزمر: آیت/ ۳.

(۴) سورۃ الکہف: آیت/ ۱۱۰.

(۵) سورۃ النساء: آیت/ ۱۴۵.

(۶) سورۃ النساء: آیت/ ۱۰۰.

(۷) سورۃ النساء: آیت/ ۱۴۲.

۳- رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: «من حام حول الحمى يوشک أن يقع فيه» ”جو چراگاہ کے آس پاس جانور چرائے گا تو ہوسکتا ہے کہ اس میں داخل ہوجائے“[۱] آپ کا یہ بھی ارشاد ہے: «دع ما يريبک إلى ما لا يريبک» ”مشکوک کو چھوڑ کر غیر مشکوک کو اختیار کرو“[۲].

مذکورہ دونوں حدیثوں کا مفہوم ذرائع فساد کا سدّ باب کرنا ہے. اور یہ ایسا قاعدہ کلیہ ہے جس کے متفرق جزئیات کو قرآن نے بیان کیا ہے. مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ کا قول: ﴿وَ لَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ﴾ (اپنے پاؤں زمین پر مار کر نہ چلیں، تا کہ ان کی پوشیدہ زینت لوگوں کو معلوم ہوجائے)[۳] نیز ارشاد باری ہے: ﴿لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا﴾ (تم لوگ (نبی کریم ﷺ کی رعایت کرنے کی درخواست کرتے وقت) ”راعنا“ نہ کہو، اور ”انظرنا“ کہو)[۴] اور ﴿وَ لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا﴾ (اور اگر کوئی تمہیں سلام کرے، تو اس سے یہ نہ کہو کہ تو مسلمان نہیں ہے)[۵].

مذکورہ مثالوں میں قرآن کریم نے کچھ متفرق جزئیات پیش کئے ہیں اور سنت رسول نے ایک ایسا جامع قاعدہ بیان کیا ہے جس میں قرآنی جزئیات داخل ہوجاتے ہیں نیز ان جزئیات کے اسرار کی معرفت بھی ہوتی ہے.

(۱) بخاری: كتاب الإيمان، باب فضل من استبرأ لدينه، اور كتاب البيوع، باب الحلال بين والحرام بين وبينهما مشتبهات، مسلم: كتاب المساقاة، باب أخذ الحلال وترک الشبهات، حدیث:۱۵۹۹، ابو داؤد: كتاب البيوع، باب في اجتناب الشبهات، حدیث:۳۳۲۹، ترمذی: كتاب البيوع، باب ماجاء في ترک الشبهات، حدیث:۱۲۰۵، نسائی: كتاب البيوع، باب اجتناب الشبهات في الكسب: ۲۴۱/۷، ابن ماجہ: كتاب الفتن، باب الوقوف عن الشبهات، حدیث: ۳۹۸۴، دارمی: كتاب البيوع، باب:۱، أحمد: ج ۴، ص: ۲۶۷، ۲۶۹، ۲۷۰.

(۲) ترمذی: كتاب صفة القيامة، باب نمبر: ۶۱، حدیث: ۲۵۲۰، نسائی: كتاب الأشربة، باب الحث على ترک الشبهات، ج ۸، ص: ۳۲۷، ۳۲۸، امام احمد و دیگر محدثین نے بھی روایت کیا ہے.

(۳) سورۃ النور: آیت/۳۱.

(۴) سورۃ البقرۃ: آیت/۱۰۴.

(۵) سورۃ النساء: آیت/۹۴.

تیسرا باب

حدیث کے بعض اقسام پر ایک نظر

اوّل: خبر واحد

دوم: حدیث مرسل

سوم: روایت بالمعنی

پہلی قسم

خبر واحد

محدثین کرام حدیث رسول کو دو قسموں میں منقسم کرتے ہیں:

متواتر: جس کو ابتدائے سند سے نبی اکرم ﷺ تک عادل وثقہ جماعت عادل وثقہ جماعت سے روایت کرے۔

آحاد: جس سے متواتر کے شرائط مفقود ہوں، خواہ راوی ایک ہو یا اس سے زیادہ ہوں۔

نظام معتزلی [(۱)] اور اس کے ہم خیال لوگوں کے علاوہ تمام علماء اسلام کے اتفاق کے مطابق متواتر حدیث علم کا فائدہ دیتی ہے اور اس پر عمل کرنا واجب ہے۔

خبر واحد کے سلسلے میں علماء کے مابین دو اعتبار سے اختلاف پایا جاتا ہے۔ خبر واحد واجب العمل ہے یا نہیں، اور یہ علم کا فائدہ دیتی ہے یا ظن کا۔

درج ذیل سطور میں ہم انہی مسائل پر گفتگو کریں گے اور اس میں مشہور مذاہب کے تذکرہ کے ساتھ ان شاء اللہ تعالیٰ راجح قول بھی بیان کیا جائے گا۔

خبر واحد واجب العمل ہے یا نہیں۔ اس بارے میں دو اقوال پائے جاتے ہیں:

۱- قدریہ [(۲)]، رافضہ [(۳)]، جبائی [(۴)]، قاشانی، اور ابن داؤد [(۵)] کے نزدیک خبر واحد واجب العمل نہیں ہے۔

---

(۱) ابراہیم بن سیار بن ہانی البصری ابو اسحاق النظام (۰۰۰-۲۳۱ھ) کبار معتزلہ میں سے ایک ہے۔ اس کو زندیق بھی کہا گیا ہے۔ اس کے کچھ مخصوص افکار ونظریات ہیں جن میں معتزلہ کی ''نظامیہ'' نامی جماعت اس کی پیروکار ہے۔ اہل حدیث کی مخالفت میں حد سے بڑھا ہوا تھا۔ ملاحظہ ہو لسان المیزان: ۱/۶۶، تاریخ بغداد: ۶/۹۷۔

(۲) قدریہ: ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جنہوں نے تقدیر کا انکار کیا ہے۔

(۳) رافضہ: ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جو رسول اللہ ﷺ کے بعد علی کو لوگوں میں سب سے افضل اور امارت کے سب سے زیادہ حقدار مانتے ہیں، پھر ان کے بعد ان کی اولاد کو۔ ان میں سے کچھ لوگ حد درجہ غلو پسند ہیں اور وہ علی بن ابی طالب اور ان کے بعد کے ائمہ کو الوہیت کے مقام پر فائز کرتے ہیں اور کچھ لوگ ان کی نبوت کے قائل ہیں اور تناسخ ارواح کا عقیدہ رکھتے ہیں اور کچھ علی کے دنیا میں لوٹنے کا عقیدہ رکھتے ہیں۔

(۴) محمد بن عبد الوہاب بن سلام جبائی (۲۳۵-۳۰۳ھ) اس کا شمار معتزلہ کے ائمہ میں ہوتا ہے۔ اپنے زمانہ میں علم کلام کا بہت بڑا ماہر تھا۔ ''جبائیہ'' گروہ کی نسبت اسی کی طرف کی جاتی ہے۔

(۵) ابن داؤد: علی بن داؤد بن سلیمان الأصفہانی کئی علوم کا جاننے والا تھا، اس کی تصنیفات میں «شرح فصوص الحکم لابن عربی، قواعد التوحید، مرأة الناظرین فی شرح منازل السائرین اور شرح نائیة ابن العارضی» شامل ہیں۔

۲- جمہور امت مسلمہ خبر واحد کو واجب العمل تصور کرتے ہیں، بلکہ تمام سلف صالحین کا اس پر اجماع رہا ہے اور ہے، اس میں اختلاف علم کلام کے ظہور کے بعد پیدا ہوا ہے.

امام شافعی نے ''رسالہ'' میں (۱) جمہور کے موقف کو راجح قرار دیا ہے اور اس کے ثبوت میں بہت سے دلائل پیش کئے ہیں. ابن حزم نے بھی ''احکام'' میں اس کی پرزور تائید کی ہے (۲)، چونکہ یہاں خبر واحد کی پوزیشن کے متعلق وارد شبہات کے تجزیہ کے ساتھ ساتھ اس کی تائید میں وارد تمام اقوال کا احاطہ ممکن نہیں ہے، لہذا ہم صرف امام ابن حزم اور امام شافعی کے آراء قلمبند کرنے پر اکتفا کرتے ہیں.

۱- خبر واحد کے واجب العمل ہونے پر اللہ تعالیٰ کا یہ قول پوری شدت کے ساتھ دلالت کرتا ہے: ﴿فَلَوْ لَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَ لِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوْٓا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ﴾ (ایسا کیوں نہیں ہوتا کہ ہر جماعت کے کچھ لوگ نکلیں، تاکہ دین کی سمجھ حاصل کریں، اور جب اپنی قوم کے پاس واپس لوٹیں تو انہیں اللہ سے ڈرائیں، تاکہ وہ برے کاموں سے پرہیز کریں) (۳).

اللہ تبارک وتعالیٰ نے کچھ افراد کو تفقہ فی الدین اور لوگوں کو ڈرانے کا حکم دے کر تمام لوگوں پر ان کی دعوت قبول کرنے کو واجب بتایا ہے اور لغت میں طائفہ کا اطلاق ایک پر بھی ہوتا ہے اور ایک سے زیادہ پر بھی اور «طائفة من الشيئ» کا معنی بعض شی ہوتا ہے (۴).

۲- ارشاد باری ہے: ﴿يَٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا إِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوْٓا أَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ﴾ (اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے، تو اس کی تحقیق کرلو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم کسی قوم کو نادانی میں نقصان پہنچادو، پھر اپنے کئے پر تمہیں ندامت اُٹھانی پڑے) (۵).

ابن حزم لکھتے ہیں: جو تفقہ فی الدین کے لئے مامور ہے وہ یا تو عادل ہوگا یا فاسق ہوگا، کسی تیسری حالت کی گنجائش نہیں ہے. اگر فاسق ہے تو اس کی خبر کو دوسرے ذرائع سے جانچنے کا حکم دیا گیا ہے، جس سے اس کی خبر کو قبول نہ کرنے کا ثبوت بھی ملتا ہے. اس کے بعد صرف وہ عادل ہی رہ جاتا ہے، جس کے انذار وتخویف کو قبول کرنے کا حکم دیا

(۱) ملاحظہ ہو: الرسالہ: ص/۴۰۱ اور اس کے بعد کے صفحات.
(۲) الإحکام: ص/۹۷.
(۳) سورۃ التوبہ: آیت/۱۲۲.
(۴) الإحکام: ص/۹۸.
(۵) سورۃ الحجرات: آیت/۶.

گیا ہے اور یہ لابدّی امر ہے اس سے فرار کی گنجائش نہیں ہے.

اس کے بعد فرماتے ہیں: جب اس آیت کو جس میں فاسق کی خبر کو قبول کرنے سے روکا گیا ہے اُس آیت کے ساتھ ملا کر دیکھا جائے جس میں دین کی سمجھ حاصل کرنے والے کے انذار وتخویف کو واجب القبول کہا گیا ہے، تو یہ دونوں آیتیں آپس میں مل کر قبولِ خبر واحد کے لئے مقدمہ اور تمہید کی حیثیت رکھتی ہیں بشرطیکہ وہ عادل ہو فاسق نہ ہو (۱).

۳- امام شافعی اپنی سند کے ذریعہ عبد الرحمٰن بن عبد اللہ بن مسعود سے اور وہ اپنے والد محترم سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ اس شخص کو تروتازہ رکھے جس نے میری بات کو سنا اور اسے یاد کیا، اور محفوظ کرلیا پھر اس کو دوسروں تک پہنچادیا...'' الحدیث (۲).

جب رسول اللہ ﷺ نے اس شخص کے حق میں دعاء فرمائی ہے جو آپ کی حدیث کو سنتا ہے، اسے یاد کرتا ہے، پھر بعینہ اسے ایسے لوگوں تک پہنچادیتا ہے جو دوسروں تک پہنچا سکیں تو یہ حدیث اس بات کی بین دلیل ہے کہ آپ کسی کو اپنی طرف سے اسی بات کو دوسروں تک پہنچانے کا حکم دیں گے جس سے حجت قائم ہو سکے. اس لئے کہ وہ حکم حلال سے متعلق ہوگا جس کی اتباع واجب ہوگی یا حرام سے متعلق ہوگا جس سے اجتناب ضروری ہوگا، یا وہ حدود وقصاص اور جان ومال سے متعلق احکام ہوں گے، یا دنیا وآخرت کا تذکرہ ہوگا. نیز اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بہت سے حاملِ فقہ غیر فقیہ ہوتے ہیں اور بہت سے سننے والے روایت کرنے والے سے زیادہ فقیہ ہوتے ہیں (۳).

۴- ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ لوگ قباء میں نماز فجر ادا کر رہے تھے کہ ایک آدمی وہاں حاضر ہوا اور استقبال قبلہ کے متعلق خبر سنایا سب لوگ شام کی طرف متوجہ تھے مگر یہ خبر سن کر بیت اللہ کی طرف گھوم گئے (۴).

ظاہر ہے اہل قباء سب سے پہلے آپ کی دعوت قبول کرنے والے تھے. اور فقہ میں سب سے بڑھ کر تھے. وہ

---

(۱) الإحکام: ص/۱۰۰.

(۲) ملاحظہ ہو الرسالہ: ص/۴۰۱، امام ترمذی نے عبد اللہ بن مسعود سے قریب قریب اسی لفظ کے ساتھ روایت کیا ہے. كتاب العلم، باب ماجاء في الحث على تبليغ السماع، حدیث: ۲۶۵۸، ابوداؤد: كتاب العلم، باب فضل نشر العلم، حدیث: ۳۶۶۰، امام احمد، ابن ماجہ اور دارمی نے بھی روایت کیا ہے.

(۳) الرسالہ: ص/۴۰۲-۴۰۳.

(۴) الرسالہ: ص/۴۰۶، امام بخاری نے كتاب الصلاة، باب ماجاء في القبلة، کتاب التفسیر اور خبر واحد میں روایت کیا ہے، مسلم: كتاب المساجد، باب تحويل القبلة، نسائي: كتاب القبله، باب استبانة الخطأ بعد الاجتهاد: ۶۱/۲، ترمذی: كتاب الصلاة، باب ما جاء في القبلة، حدیث: ۳۴۱، المؤطا: كتاب القبلة، باب ما جاء في القبلة: ۱۹۵/۱.

اللہ تعالیٰ کے متعین کردہ قبلہ کی طرف نماز ادا کر رہے تھے. وہ اللہ کے متعین کردہ قبلہ کو اسی وقت ترک کر سکتے تھے جب ان کے سامنے ایسی دلیل آ جائے جس سے حجت قائم ہو سکتی ہو، وہ رسول اللہ ﷺ سے ملے بھی نہیں تھے تحویل قبلہ کے متعلق جو حکم نازل ہوا تھا اسے سنا بھی نہیں تھا، مگر ایک سچے انسان کی خبر سن کر ایک فرض کو چھوڑ دیا. اگر انہیں معلوم ہوتا کہ خبر واحد قابل حجت نہیں ہے تو کیا وہ ایسا کر سکتے تھے؟

ظاہر ہے انہوں نے جو کچھ بھی کیا اپنے اس علم کی بنیاد پر کیا کہ خبر واحد قابل احتجاج ہے اور اس سے احکام ثابت ہوتے ہیں[1].

۵- رسول اللہ ﷺ نے سرزمین عرب کے گردونواح میں پائے جانے والے تمام بادشاہوں کے پاس دعاۃ و مبلغین ارسال کئے اور انہیں فقط اپنی بعثت کے واقعات اور سفر وحضر میں ظاہر ہونے والے معجزات کے بیان کا حکم نہیں دیا تھا، بلکہ وہاں کے ایمان لانے والوں کو اسلامی دستور اور عبادات واحکام سے متعلق مسائل کی تعلیم دینے کا حکم بھی دیا تھا. اور رسول اللہ کی جانب سے قاصدین کو بھیجا جانا معتد بہ لوگوں سے منقول و مشہور ہے. رسول اللہ ﷺ نے اپنے رسائل کے ذریعہ ہر حکمراں اور اس کی رعیت کو اس بات کا پابند کر دیا کہ ان کی طرف بھیجا جانے والا اُن کا پیغامبر دینی امور سے متعلق جو کچھ کہے اسے قبول کیا جائے.

۶- اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے معاذ اور ابوموسیٰ کو یمن کے مختلف مقامات کی طرف روانہ کیا، ابوبکر کو موسم حج میں امیر الحج مقرر کیا، ابوعبیدہ کو نجران کی طرف اور علی کو بحیثیت قاضی یمن کی طرف ارسال کیا. یہ تمام صحابہ کرام شرائع اسلام اور احکام دین کی تعلیم وتبلیغ کے لئے مختلف شہروں کی طرف بھیجے گئے تھے.

نیز رسول اللہ ﷺ نے قریب وبعید کے ان تمام مقامات کے لئے امیر روانہ کیا جہاں کے لوگ ایمان لا چکے تھے. ہر نومسلم جماعت کے لئے ایک آدمی بھیجا تا کہ انہیں دین اور قرآن کی تعلیم دے، دینی امور میں فتویٰ دے، ان کے اختلافات اور تنازعات کا تصفیہ کرے، اور اللہ ورسول کی جانب سے ان پر جو ذمہ داریاں عائد کی گئی ہیں ان سے انہیں روشناس کرائے. اور لوگ اس کے پابند تھے کہ وہ معلمین صحابہ رسول کی طرف سے جو بھی خبر دیں اسے وہ قبول کریں.

۷- یہ بات یقیناً صحیح اور ضرورۃً معلوم ہے کہ اول تا آخر تمام صحابہ کرام اور ان کے زمانہ میں موجود تابعین عظام کا اس پر اتفاق رہا ہے کہ جب بھی ان میں سے کسی کے ساتھ کوئی واقعہ پیش آتا تو اس کے سلسلے میں کسی صحابی سے

(۱) الرسالہ: ص/۴۰۶-۴۰۷.

پوچھتے ، اوران کے قول کو اختیار کرتے ، یہ لوگ دراصل واقعہ سے متعلق اللہ تعالیٰ کا وہ حکم معلوم کرتے تھے جس کو نبی کریم ﷺ اللہ کی جانب سے بیان فرماتے تھے.

اس بارے میں بھی دورائے نہیں کہ جب بھی کسی صحابی یا تابعی سے کوئی دینی مسئلہ کے بارے میں فتویٰ طلب کیا جاتا تو وہ کبھی یہ نہیں کہتے تھے کہ میں نے تمہیں رسول کا جو حکم بتایا ہے وہ تمہارے لئے اس وقت تک قابل عمل نہیں جب تک اور بھی لوگ اس کی تصدیق نہ کردیں (۱).

جولوگ خبر واحد کی حجیت کے منکر ہیں وہ مندرجہ ذیل امور سے استدلال کرتے ہیں:

پہلی دلیل: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَ لَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ﴾ الآیة (اور جس بات کا علم نہ ہو اس کے پیچھے نہ لگئے) (۲) اور: ﴿وَاِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا﴾ (اور وہم وگمان حق کے مقابلے میں کوئی فائدہ نہیں پہنچاتا) (۳) اور: ﴿وَّ اَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ (اور یہ بھی کہ تم اللہ کے بارے میں ایسی بات کرو جس کا تمہیں علم نہیں ہے) (۴).

اوراس معنی کی دیگر آیتوں سے استدلال کرتے ہیں.

ان کا کہنا ہے کہ چونکہ راوی میں خطأ اور نسیان کا احتمال ہے، لہذا ''طریق آحاد'' کوظنی کہیں گے، اور جس حدیث کی صفت یہ ہو وہ قطعی نہیں ہے، نتیجۃً وہ استدلال کے لئے مفید بھی نہیں ہے.

دوسری دلیل: رسول اللہ ﷺ نے ذوالیدین کی خبر کو رد کردیا تھا، جب اس نے آپ کو عشاء میں دو ہی رکعت پر سلام پھیر دینے کی خبر دی تھی اور آپ سے پوچھا تھا کہ آپ بھول گئے ہیں یا نماز میں تخفیف کردی گئی ہے، تو آپ نے کہا تھا: نہ میں بھولا ہوں اور نہ ہی نماز میں تخفیف کی گئی ہے بلکہ تم بھول گئے ہو (۵).

آپ نے ذوالیدین کی بات اس وقت تک تسلیم نہیں کی جب تک وہاں موجود صحابہ سے اس کی تحقیق نہ کرلی.

(۱) الرسالہ: ص/۴۱۰ سے ۴۱۹ تک.
(۲) سورۃ الإسراء: آیت/۳۶.
(۳) سورۃ النجم: آیت/۲۸.
(۴) سورۃ الأعراف: آیت/۳۳.
(۵) بخاری: السهو، باب إذا سلم في ركعتين أو ثلاث سجد سجدتين، كتاب المساجد، كتاب الجماعة، كتاب الأدب اور كتاب خبر الواحد، مسلم: كتاب المساجد، باب السهو في الصلاة، ۵۷۳، موطأ: الصلاۃ: ۱/ ۹۳- ۹۴، ابو داؤد: كتاب الصلاة، باب السهو في السجدتين، ترمذی، الصلاة، باب ما جاء في سجدة السهو بعد السلام والكلام، نسائی: كتاب السهو، باب يفعل من سلم من ركعتين ناسيًا وتكلم: ۳/ ۳۰-۳۶.

تیسری دلیل: متعدد صحابہ کرام سے خبر واحد کے واجب العمل نہ ہونے کی بات منقول ہے. ابوبکر نے جدة (دادی) کی میراث کے متعلق مغیرہ بن شعبہ کی خبر کو رد کر دیا تھا، لیکن جب محمد بن مسلمہ نے شہادت دی تو مان لیا. عمر نے بھی محمد بن مسلمہ کی شہادت سے قبل دیت جنین سے متعلق مغیرہ بن شعبہ کی روایت کو قبول نہیں کیا تھا(۱).

صحیحین کی روایت کے مطابق عمر نے ابوسعید خدری کی شہادت سے پہلے استئذ ان (اجازت لینا) کے سلسلہ میں ابوموسیٰ کی حدیث کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا(۲). عائشہ نے ابن عمر کی اس روایت کو "گھر والوں کے رونے کی وجہ سے میت عذاب سے دوچار ہوتا ہے"(۳) رد کر دیا. اسی طرح علی نے مفوّضہ کے متعلق ابوسنان اشجعی کی حدیث کو رد کر دیا(۴).

اس قسم کی اور بھی بہت سی مثالیں ہیں.

---

(۱) جدة کی میراث والی حدیث کے لئے ملاحظہ ہو: موطأ، کتاب الفرائض، باب میراث الجدة: ۲/ ۵۱۳، ترمذی، الفرائض، باب ماجاء فی میراث الجدة: ۲۱۰۱، ابوداؤد: کتاب الفرائض، باب میراث الجدة، ۲۸۹۴ اور اس کی سند منقطع ہے.

اسقاط جنین والی حدیث کو بخاری نے کتاب الدیات، باب جنین المرأة، کتاب الاعتصام، باب ماجاء فی اجتهاد القضاة بما أنزل الله میں روایت کیا ہے. مسلم: کتاب القسامة، باب دیة الجنین: ۱۶۸۲، ابوداؤد: الدیات، باب دیة الجنین: ۴۵۶۸، ۴۵۶۹، ۴۵۷۰، نسائی: القسامة، باب دیة جنین المرأة اور صفة شبه العمد: ۸/ ۴۹، ۵۰، ۵۱.

(۲) بخاری: الاستئذان، باب التسلیم الاستئذان ثلاثاً، کتاب البیوع اور کتاب الاعتصام، مسلم: الآداب، باب الاستئذان، ۲۱۵۳، موطأ: الاستئذان، باب الاستئذان: ۲/ ۹۶۳-۹۶۴، ابوداؤد: الأدب، باب کم مرة یسلم الرجل فی الاستئذان، ترمذی: کتاب الاستئذ ان اور کتاب الآداب، باب ما جاء فی الاستئذان ثلاثاً، حدیث نمبر: ۲۶۹۱.

(۳) بخاری: الجنائز، باب قول النبیﷺ، یعذب المیت ببکاء أهله علیه. مسلم: الجنائز، باب المیت یعذب ببکاء أهله علیه، حدیث: ۹۲۹.

(۴) عبداللہ بن مسعود کی یہ حدیث اس عورت کے متعلق ہے جس کے شوہر کا انتقال ہو چکا تھا، لیکن اس نے نہ دخول کیا تھا اور نہ ہی مہر متعین کیا تھا. اس کے متعلق جب ابن مسعود سے سوال کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا: اسے مکمل مہر دیا جائے گا، اس پر عدت واجب ہوگی اور میراث سے اس کو حصہ بھی ملے گا. قبیلہ اشجع کے کچھ لوگ جن میں ابوسنان اور جراح بھی تھے کھڑے ہوئے اور ان سے کہا: اے ابن مسعود ہم لوگ گواہ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بروع بنت واشق کے متعلق ایسا ہی فیصلہ دیا تھا. امام ابوداؤد، ترمذی اور نسائی نے اسے کتاب النکاح میں روایت کیا ہے. نیز اسے احمد اور اصحاب سنن نے بھی روایت کیا ہے. ابن مہدی اور ترمذی نے اس کی تصحیح فرمائی ہے. ابن حزم نے کہا ہے: اس کی سند کے صحیح ہونے کی وجہ سے اس میں کوئی نقص نہیں ہے.

مگر علی میراث اور عدت کے قائل تو تھے، لیکن مہر کے قائل نہیں تھے. ابن مسعود کے قول کے متعلق جب انہیں بتایا گیا تو انہوں نے کہا: رسول اللہ کے قول پر اعرابیوں کے قول کو فوقیت نہیں دیا جا سکتا. دوسری روایت کے مطابق آپ نے یوں کہا: کتاب اللہ کے مقابلے میں اشجع کے ایک اعرابی کا قول قابل قبول نہیں. (ملاحظہ ہو: المصنف لعبد الرزاق: ۶/ ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، اور سنن سعید بن منصور، حدیث ۹۲۰، ۹۲۷).

علماء کرام نے ان شبہات کا تفصیلی جواب دیا ہے جس کو ہم اختصار کے ساتھ ذکر کر رہے ہیں:

شبہ اول کا جواب: خبر واحد کے ذریعہ تعبدی امور کے ثابت نہ ہونے کے دعویٰ پر بھی کوئی قطعی دلیل نہیں ہے. جو لوگ اس کے دعویدار ہیں ان کی دلیل بھی ظن ہی ہے. وہ جن آیات سے استدلال کرتے ہیں ان میں مذکور مذمت کے اندر خود بھی داخل ہیں، ایک جواب یہ بھی ہے کہ ظن مذموم سے مراد وہ تخرص (اندازہ) اور وہم ہے جس کی کوئی بنیاد نہ ہو. برخلاف ظن راجح کے کہ وہ واجب العمل ہونے میں قطعی کی طرح ہے اور جو ظن راجح کی بنیاد پر کچھ کہتا ہے اس پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف جھوٹی بات منسوب کرنے کا الزام نہیں لگتا.

میں کہتا ہوں کہ یہ جواب ان لوگوں کی رائے کے موافق ہے جو کہتے ہیں کہ خبر واحد ظن کا فائدہ دیتی ہے، مگر جو لوگ خبر واحد کو مفید علم مانتے ہیں اور جو کہ صحیح بھی ہے، ان کے خلاف آیات مذکورہ کو پیش کرنا بے محل ہے.

دوسرے شبہ کا جواب: نبی اکرم ﷺ نے ذوالیدین کی خبر اس لئے رد کر دی تھی کہ انہوں نے آپ کے پختہ یقین کے خلاف خبر دی تھی. اور اس لئے بھی کہ آپ کو اتنے حاضرین کے ہوتے ہوئے صرف ذوالیدین کا نقص پر مطلع ہونا بعید معلوم ہوا، اور جب خبر واحد میں وہم کے علامات ظاہر ہوں تو اس وقت توقف سے کام لینا چاہئے.

رسول اللہ ﷺ نے ابوبکر وعمر کی تائید کے بعد اس خبر پر عمل کیا، پھر بھی وہ اخبار آحاد کے دائرہ سے تو باہر نہیں آسکی.

تیسرے شبہ کا جواب: یہ حقیقت ہے کہ خبر واحد پر صحابہ کرام کا ہمیشہ عمل رہا ہے، یہ ان سے تواتر سے ثابت ہے اور اگر بعض صحابہ نے بعض خبروں سے توقف اختیار کیا ہے تو اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ان پر ان کا عمل ہی نہیں تھا. بلکہ انہوں نے وہم یا شک یا خبر کی تحقیق کے لئے ایسا کیا ہوگا.

کیا تم نہیں دیکھتے کہ جب کوئی محدث کسی حدیث کو پانچ طُرُق سے روایت کر لیتا، ہے پھر اسے چھٹی یا ساتویں سند کا علم ہوتا ہے تو وہ اسے بھی لکھ لیتا ہے، کیوں کہ خبر جوں جوں متواتر ہوتی جائے گی حجیت کے لئے وہ اتنی ہی پختہ اور پائیدار ہوگی.

ویسے اس قسم کے ہر ایک اثر کا علماء نے الگ الگ جواب دیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ صحابہ کرام نے ان خبروں کو شک وشبہ کی بناء پر رد نہیں کیا تھا، بلکہ اس کے دوسرے قابل اعتبار اسباب تھے. دراں حالیکہ ان خبروں کے ساتھ دوسرے لوگوں کے اخبار کو ضم کرنے کے بعد بھی وہ آحاد کے دائرہ سے تجاوز نہیں کر سکیں.

حجیت آحاد کے متعلق اپنی گفتگو کو ابن قیم کے اس قول کے ساتھ ختم کرنا چاہتا ہوں جسے انہوں نے اغاثۃ اللہفان میں تحریر کیا ہے، وہ کہتے ہیں:: ''صحابہ کرام اور ائمہ ثقات کی حدیثوں کو تفرد راوی کا بہانہ بنا کر رد نہیں کیا

جا سکتا، اس لئے کہ ایسی بے شمار حدیثیں ہیں جن کی روایت میں صحابہ منفرد ہیں، اس کے باوجود تمام ائمہ نے قبول کیا ہے اور کسی نے انہیں رد نہیں کیا ہے اور کتنی ہی ایسی حدیثیں ہیں جن کی روایت میں تابعین منفرد ہیں مگر ائمہ میں سے کسی نے انہیں رد نہیں کیا ہے، بلکہ ہمیں قدیم وجدید اہل علم میں سے کسی کے بارے میں یہ نہیں معلوم کہ انہوں نے یہ کہا ہو۔ جب کسی حدیث کو صرف ایک صحابی روایت کرے تو وہ مقبول نہیں ہوتی، بلکہ اہل بدعت اوران کے متبعین کی طرف سے ایسی باتیں اٹھائی جاتی ہیں جن کا فقہاء میں سے کوئی قائل نہیں ہے، صرف زہری نے ساٹھ ایسی سنتیں روایت کی ہیں جن کا ان کے علاوہ دوسرا کوئی راوی نہیں ہے اس کے باوجود امت کا ان پر عمل رہا ہے، ان کے تفرد کو بنیاد بنا کر کسی نے ان حدیثوں کا انکار نہیں کیا ہے[1]۔

عادل واحد کی خبر موجب علم ہے:

اخبار آحاد کی حجیت کے قائلین اس بات میں مختلف نظر آتے ہیں کہ خبر واحد علم کا فائدہ دیتی ہے یا ظن کا، اس سلسلے میں ان کے تین مشہور اقوال ہیں:

قول اوّل: خبر واحد علم کا فائدہ دیتی ہے۔ جمہور سلف اور ائمہ اربعہ کے متبعین میں سے بیشتر محدثین وفقہاء کا یہی مذہب ہے۔ ابن طاہر مقدسی اور ابن حزم نے الاحکام[2] میں اسی کو اختیار کیا ہے۔

قول ثانی: قرائن کے ساتھ علم کا فائدہ دیتی ہے۔ نظام اور اس کے شاگردوں کا یہی قول ہے، آمدی نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے، باقلانی، فخر الرازی اور ابن حاجب ودیگر علماء اسی کے قائل ہیں[3]۔

قول ثالث: خبر واحد صرف ظن کا فائدہ دیتی ہے۔ نووی نے شرح صحیح مسلم کے مقدمہ میں اس قول کو اکثر علماء اور بیشتر محققین کی طرف منسوب کیا ہے۔ اہل اصول اپنی تالیفات میں اسی رائے کو اختیار کرتے آئے ہیں[4]۔

پہلے قول کے قائلین کے دلائل یہ ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے رسول کی اطاعت کو فرض اور ان کے اوامر کی بجاآوری کو لازم قرار دیا ہے۔ ارشاد باری ہے: ﴿ أَطِيعُوا اللّٰهَ وَ أَطِيعُوا الرَّسُولَ ﴾ (اللہ کی اطاعت کرو، اور رسول کی اطاعت کرو)[5]۔

(۱) ابن قیم کی کتاب اغاثۃ اللہفان سے ماخوذ ہے۔
(۲) الاحکام: ص: ۱۰۷ اور اس کے بعد کے صفحات۔
(۳) ملاحظہ ہو آمدی کی الاحکام: ۲/ ۳۲۔
(۴) مقدمۃ النووی علی شرح مسلم: ص/ ۱۳۱ اور ابن حزم کی الاحکام: ص/ ۱۰۷۔
(۵) سورۃ محمد: آیت/ ۳۲۔

اور اللہ کی جانب سے وحی ہونے میں اللہ تعالیٰ نے حکمت کو جو کہ درحقیقت سنت رسول ﷺ کا دوسرا نام ہے قرآن کی منزلت ومرتبت میں رکھا ہے. ارشاد باری ہے: ﴿وَ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ﴾ (اور اللہ نے آپ پر کتاب وحکمت اُتاری ہے)(۱).

نیز اللہ تعالیٰ نے حکمت کو اس طرح سے بھی قرآن کے مشابہ قرار دیا ہے کہ معرفت احکام کے لئے امت پر قرآن کی طرح اس کی بھی تلاوت کی جاتی ہے. اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَ اذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِىْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَ الْحِكْمَةِ﴾ (اور تمہارے گھروں میں اللہ کی جن آیتوں اور حکمت کی تلاوت کی جاتی ہے انہیں یاد رکھو)(۲).

اور رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے: «أوتيت الكتاب ومثله معه» ''مجھے قرآن دیا گیا اور اس کے ساتھ اسی کے مثل ایک اور چیز''(۳).

یہ اور اس قسم کے دوسرے دلائل اس بات کی تائید کرتے ہیں کہ بندوں پر حجت قائم کرنے کے سلسلے میں اخبار نبویہ قرآن کریم کی طرح ہیں. اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ﴾ (اور آپ پر ہم نے قرآن نازل کیا ہے، تاکہ لوگوں کے لئے جو کچھ نازل کیا گیا ہے، اسے آپ ان کے لئے کھول کر بیان کر دیجئے)(۴).

اس کے مطابق نبی اکرم ﷺ لوگوں کے لئے قرآن کی تفسیر وتشریح کرنے پر مامور تھے. اگر یہ کہا جائے کہ اجمال قرآن سے متعلق نبی اکرم ﷺ کا بیان غیر محفوظ اور اس کی صحت مشکوک ہے تو ایسا کہنے سے خود قرآن کریم سے استفادہ وانتفاع ہی باطل ہو جاتا ہے.

اور اس کا اعتراف سب کو ہے کہ جس شریعت کو لے کر رسول عربی ﷺ تشریف لائے تھے وہ باقی رہنے والی ہے، اور مسلمانوں پر اس کی پیروی لازم ہے وہ منسوخ نہیں ہوئی ہے، پس یہ کہنا قطعا درست نہیں کہ وہ شریعت اس طرح بھلا دی گئی کہ پوری دنیا کے مسلمانوں میں سے کوئی بھی اور کبھی بھی پورے یقین اور وثوق کے ساتھ اس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا. نیز یہ کہنا بھی ممکن نہیں کہ کذب یا خطأ پر مبنی حکم احکامِ شرعیہ میں اس طرح خلط ملط ہو گیا ہے کہ اب

(۱) سورۃ النساء: آیت ر ۱۱۳.
(۲) سورۃ الأحزاب: آیت ر ۳۴.
(۳) ابوداؤد، کتاب السنۃ، باب لزوم السنۃ، اس کی سند صحیح ہے، حدیث نمبر: ۴۶۰۴، ترمذی، کتاب العلم، باب نمبر: ۶۰، اور ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے. حدیث نمبر: ۲۶۶۴، احمد: ۴ر ۱۳۰ - ۱۳۲.
(۴) سورۃ النحل، آیت: ۴۴.

دنیا کا کوئی بھی مسلمان اس کی تمیز نہیں کر سکتا.

ایسا کہنے سے یہ لازم آئے گا کہ دین اسلام میں فساد پیدا ہو چکا ہے، اور اس کا بیشتر حصہ باطل ہو چکا ہے اور اللہ تعالیٰ نے جس کا حکم دیا ہے وہ غیر مامور بہ احکام کے ساتھ اس طرح خلط ملط ہو گئے ہیں کہ اب کسی کے لئے بھی ان کے مابین فرق کرنا مشکل ہو گیا ہے. اسی طرح جھوٹوں کی وضع کردہ روایات اور احادیث رسول کے درمیان تمیز کرنا بھی مشکل ہے اور اگر کرنا چاہیں تو اس کا واحد طریقہ ظن ہے، جو بذات خود ''اکذب الحدیث'' (سب سے جھوٹی بات) ہے.

نیز ہم یہ کہنے پر بھی مجبور ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان احکام کی تعمیل کا حکم دیا ہے جو فی الواقع اس کے احکام نہیں ہیں بلکہ وہ کذابین کی وضع کردہ اور واہمین کی مبنی بر وہم باتیں ہیں، اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایسی باتیں اس کی طرف اور اس کے رسول کی طرف منسوب کرنے کو کہا ہے جس کو نہ اس نے اور نہ اس کے رسول نے کہا ہے.

نیز یہ کہنا کہ شریعت اس طرح مجہول ہو چکی ہے کہ اب اس کے بارے میں یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا، اس بات کو مستلزم ہے کہ ہمیں ان احکام کا پابند بنایا گیا ہے، جنہیں جانتے تک نہیں ہیں اور جو ہم تک نہ پہنچے ہیں اور نہ پہنچنے والے ہیں، یہ تب لازم آئے گا جب ہم ان پر عمل درآمد کو اپنے لئے باقی سمجھیں گے، اور اگر ساقط العمل قرار دیں گے تو پھر یہ لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اسلام کے بعض ایسے قوانین کے منسوخ ہونے کی خبر دی ہے جو رسول اللہ ﷺ کی وفات تک محکم وثابت اور لازم العمل رہے ہیں.

جب کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ﴾ (تاکہ لوگوں کے لئے جو کچھ نازل کیا گیا ہے، اسے آپ ان کے لئے کھول کر بیان کر دیجئے) اور ﴿يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ﴾ (اے رسول! آپ پر آپ کے رب کی جانب سے جو نازل کیا گیا ہے، اسے پہنچا دیجئے)(۱).

ان آیات کا تقاضہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کی ''تبلیغ'' اور ''بیان'' قیامت تک کے لئے محفوظ ہو چکا ہے، اور تبلیغ وبیان کے عدم بقاء کا قول روافض کا ہے، جو اللہ اور اس کے رسول پر ایک بہتان عظیم ہے.

محدثین، سلف صالحین اور دیگر علماء دین سے بہت ساری حدیثوں پر جزم، اور نبی کریم ﷺ کی طرف ان کی نسبت کی صراحت اور ثابت حدیثوں پر صحت کا حکم منقول ہے، نیز انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی طرف احادیث کی نسبت کرتے وقت صحیح وضعیف اور مشکوک کے مابین تفریق کا پورا التزام کیا ہے اور وہ صحیح کو ''صیغۂ جزم'' اور ضعیف کو

(۱) سورۃ المائدۃ: آیت/۶۷.

''صیغۂ تمریض'' کے ذریعہ ذکر کرتے ہیں.

اگر ان کے نزدیک تمام حدیثیں مفید ظن ہی ہوتیں تو پھر ان کے درمیان فرق کیوں کرتے، وہ اکثر کہا کرتے ہیں: «صح عنه صلى الله عليه وسلم كذا وأمر بكذا، أو فعل كذا» ''رسول اللہ ﷺ سے ایسا ثابت ہے، انہوں نے اس کا حکم دیا ہے یا انہوں نے ایسا کیا ہے''. اور خبر کی صحت میں شک ہو تو صیغۂ جزم کے بجائے ایسی عبارت استعمال کرتے ہیں، جو صحت حدیث کے سلسلے میں ان کے توقف کو ظاہر کرتی ہو. جیسے «يذكر عنه كذا أو يروى أو روى أو حكى أو نحو ذلك» پہلی قسم کے لئے صیغۂ جزم استعمال کرنا اس کی صحت کے قطعی ہونے اور اس کے مضمون سے ان کے باعلم ہونے پر دلالت کرتا ہے. دوسری قسم کے لئے صیغۂ جزم کے بجائے صیغۂ تمریض استعمال کرنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ ان کے نزدیک مفید ظن یا مفید وہم ہے.

ان احادیث واخبار کو قبول کئے جانے اور ان پر بلا توقف عمل کرنے پر بلا تخصیص زمان ومکان تمام ائمہ وعلمائے سلف کا اجماع رہا ہے. اصول اور مذاہب کو کبھی ان کا معارض نہیں ٹھہرایا گیا، اور تمام ائمہ کا اتفاق اس بات کی دلیل ہے کہ وہ ان کی صحت سے مطمئن تھے اور ان کے ثابت شدہ ہونے پر یقین رکھتے تھے. لہذا خوارج، معتزلہ اور شیعوں کی مخالفت کا کوئی اعتبار نہیں ہے (۱).

جو لوگ قرائن کے ساتھ خبر واحد کو مفید علم مانتے ہیں ان کی تین دلیلیں ہیں:

(۱) اگر خبر واحد مفید علم ہوتی تو ہر خبر واحد کو ایسا ہی ہونا چاہئے جیسا کہ خبر متواتر موجب علم ہے.

(۲) نفوس انسانی میں دلائل کے اثرات ان کی قوت تاثیر کے مطابق ہوتے ہیں اور ہم اپنے اندر خبر واحد کا ایسا اثر محسوس نہیں کرتے خواہ اس کے اندر عدالت کوٹ کوٹ کر کیوں نہ بھری ہو، البتہ بغیر قطعیت کے اس کے سچ ہونے کو اس کے جھوٹ ہونے پر ترجیح حاصل ہے اور اس کے موجب علم ہونے کے لئے اتنا ہی کافی نہیں ہے.

(۳) اگر خبر واحد موجب علم ہوتی تو اس میں اسلام اور عدالت کی شرط کیوں لگائی جاتی اس کو آمدی نے ذکر کیا ہے (۲). اس کے بعد ان چار دلیلوں کو پیش کیا ہے جو اس مسئلہ میں بنیادی حیثیت رکھتی ہیں. اور مذکورہ بالا دلائل پر اس طرح رد کیا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اخبار آحاد کے تئیں ان کا رویہ بالکل ویسا ہی ہے جیسا کہ ان کے مفید علم نہ ہونے کے قائلین کا ہے، جو ان اخبار کو عام اخبار کی طرح دیکھتے ہیں اور اس کا بالکل لحاظ نہیں کرتے کہ وہ رسول اللہ

---

(۱) ملاحظہ ہو: الإحکام لابن حزم: ص ر ۷ ۱۰ اور مختصر الصواعق لابن القیم: ص ر ۷ ۴ اور اس کے بعد کے صفحات.

(۲) الإحکام للآمدی: ۲ ر ۳۲.

ﷺ کے اخبار ہیں جن سے قرآن کی تشریح اور شریعت کی تکمیل ہوتی ہے. لہذا قرآن کی حفاظت کے الٰہی وعدہ میں اس کی بھی حفاظت شامل ہے، اس لئے کہ دونوں کی حفاظت کے بغیر دین کی حفاظت کا تصور نہیں کیا جا سکتا ہے، پس یہ ناممکن ہے کہ ان اخبار کے ساتھ ایسی جھوٹی خبریں خلط ملط ہو جائیں جو نبی امی ﷺ سے صادر نہیں ہیں، نیز وہ ان شرائط نظر انداز کر جاتے ہیں جن کا اخبار صحیحہ کے ہر ہر راوی میں پایا جانا ضروری ہے، تا کہ ان اخبار کے متعلق یہ کہا جا سکے کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہیں یا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے، یہی دونوں چیزیں اخبار نبویہ اور دیگر اخبار کے درمیان فرق کرتی ہیں.

اسی وجہ سے میں نے خبر واحد کے مفید علم ہونے کے سلسلے میں وارد دلائل پیش کرنے پر اکتفا کیا ہے اور ان واہی دلائل کی تردید کی طرف توجہ نہیں کیا ہے جنہیں خود آمدی نے ''دلائل واہیہ'' کا نام دیا ہے.

جہاں تک ان قرائن کا تعلق ہے جن کا ذکر اس قول کے قائلین نے کیا ہے تو ان میں غور وفکر کے بعد ان کی تین قسمیں ظاہر ہوتی ہیں. یا تو وہ ان شرائط سے عبارت ہے جن کا التزام خبر واحد کو مفید علم کہنے والے محدثین کرام نے کیا ہے، یا وہ قرائن کچھ خاص اخبار صحیحہ ہیں جیسے کہ وہ شیخین کی مرویات ہوں یا ائمہ حفاظ سے مروی کوئی مشہور و مسلسل خبر ہو، یا پھر ان کے اپنے متعین کردہ شرائط ہیں، یہ لوگ احادیث نبویہ کو انہی نگاہوں سے دیکھتے ہیں جن نگاہوں سے فاسقوں اور فاجروں سے منقول اخبار کو دیکھا جاتا ہے.

اور حدیث نبوی کے بارے میں یہ نظریہ نہایت خطرناک ہے، اور جن لوگوں نے ان شرائط کو پیش کیا ہے مجھے ان کی نیت ٹھیک نہیں معلوم ہوتی ہے، بلکہ یہ ظاہر کر کے کہ اخبار نبویہ عام خبروں کی طرح ہیں اور ان کے عالی مرتبت رواۃ عام لوگوں کے مانند ہیں یہ لوگ سنت نبویہ میں شکوک وشبہات پیدا کرنا چاہتے ہیں.

جہاں تک اس قول کا تعلق ہے کہ خبر واحد صرف مفید ظن ہے تو بیشتر اہل اصول اسی کے قائل ہیں. ان حضرات کا کہنا ہے: خبر واحد کے ظنی الثبوت ہونے کے باوجود اس پر عمل جائز ہے، کیوں کہ مفید ظن پر عمل کرنا جائز ہوتا ہے.

ان لوگوں کی کثرت اور ان کے درمیان اس قول کی بے انتہا مقبولیت کو دیکھ کر کچھ متاخرین اہلحدیث بھی دھوکہ میں پڑ گئے، جیسا کہ تقریب اور شرح مسلم کے مقدمہ میں نووی کو دیکھتے ہیں، لیکن مجھے کتاب وسنت میں کسی ایسی دلیل کے موجود ہونے کی قطعاً امید نہیں جو صراحۃً ایک ثقہ راوی کی خبر کو رد کرنے یا اس میں توقف کرنے یا اس سے علم حاصل نہ ہونے پر دلالت کرتی ہو، یہ تو اخبار میں ظن وشک پیدا کرنے والوں کی کرم فرمائی ہے کہ پہلے انہوں نے ان شبہات وخیالات کو اپنے ذہن سے پیدا کیا، پھر انہیں عقلی اور قطعی دلائل قرار دیا، اور ان خود ساختہ

''براہین'' پر اعتماد کرتے ہوئے خبر واحد کے مفید علم نہ ہونے کا حکم صادر کر دیا. ان کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

(أ) ہر مخبر کی صفت وطبعیت کا تقاضا ہے کہ اس کی خبر میں صدق وکذب اور خطا کا احتمال ہو، چنانچہ یہ کہنا کہ شریعت میں ایک عادل کی خبر علم کا فائدہ دیتی ہے درحقیقت عام طبیعتوں کے ساتھ ساتھ مخبرین کی طبیعت کو بدلنا ہے اور ان کی صفات کو بڑھا چڑھا کر پیش کرنا ہے.

اس کا جواب یہ ہے کہ ہم تمام ناقلین اخبار کو بے خطا نہیں کہتے اور نہ ہی جھوٹ سے انہیں معصوم سمجھتے ہیں، ہاں یہ ضرور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے لئے واجبات دین کے تحمل واداء (سیکھنے سکھانے) میں سہو کثیر (بہت زیادہ غلطی) اور تعمد علی الکذب (قصداً جھوٹ بولنے) سے محفوظ افراد کو پیدا کر دینا، تاکہ اس کی مخلوقات پر حجت قائم ہو جائے اور لوگ اس کی عبادت میں غلطی سے محفوظ رہیں، کوئی مشکل کام نہیں ہے.

(ب) اگر اللہ تعالیٰ خبر واحد کو سچ سمجھتا تو پھر وہ اس سلسلے میں ہمارے لئے ضرور کوئی دلیل ارسال کرتا. اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ بلاشک وشبہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو قائم وباقی رکھنے کی ذمہ داری لی ہے جس کی بیشتر تفاصیل ''اخبار آحاد'' ہی سے حاصل ہوتی ہیں، یہ بات تو آپ کے دعویٰ کے خلاف جاتی ہے. یعنی اگر امت کے عمل کے باوجود یہ اخبار اللہ تعالیٰ کے علم میں کذب پر مبنی ہوتے تو ان کی عدم صحت پر کوئی واضح برہان قائم کر دیتا، تاکہ حق وباطل میں التباس نہ ہو سکے اور امت ضلالت وگمراہی میں واقع نہ ہو.

(ج) اللہ تعالیٰ نے ایک عادل کی شہادت کی صورت میں مدعی سے قسم لے کر یا دو یا دو سے زیادہ گواہوں کی شہادت پر اور مدعی کی طرف سے ثبوت پیش نہ کئے جانے کی صورت میں اس کی قسم پر فیصلہ کرنے کا حکم دیا ہے. اگر خبر واحد سے علم حاصل ہوتا تو ''تعدد شہود'' (ایک سے زائد گواہ) یا شاہد کے ساتھ مدعی کی قسم کی ضرورت کیوں محسوس کی گئی؟

اس کے جواب میں یہ کہا جائے گا کہ حقوق عباد میں اختلاف ونزاع پایا جاتا ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے بندوں کے مابین واضح اور متعین چیز یعنی ''بینة'' (دلیل) کے ذریعہ فیصلہ کرنے کا حکم دیا ہے. اس لئے نہیں کہ اس کی شہادت سے علم حاصل ہوتا ہے، بلکہ قاضی (دلیل) کی بنیاد پر ہی فیصلہ کرنے کا مکلف ہے. اگرچہ باطن میں معاملہ خلاف واقع ہو اور قاضی کو بھی پتہ ہو کہ حقیقت وہ نہیں ہے جس کا اس نے فیصلہ دیا ہے، پھر بھی اس کے لئے ثبوت کو نظر انداز کر کے اپنے علم کے مطابق فیصلہ دینا جائز نہیں ہے.

علاوہ ازیں حسب شہادت فیصلہ دینے سے یہ قطعاً لازم نہیں آتا کہ خبر واحد ظن کا فائدہ دیتی ہے، اس لئے کہ گزشتہ صفحات میں ہم ثابت کر چکے ہیں کہ اخبار نبویہ کو دیگر خبروں پر قیاس نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی

شریعت کی حفاظت کا خود ذمہ لیا ہے، ثبوت کے مطابق فیصلہ کرنے کی بات الگ ہے، اس کا تعلق حقوق العباد سے ہے جس میں ظلم وتعدی کا بہر حال امکان ہوتا ہے. اس لئے ثبوت کی بنیاد پر کیے گئے فیصلے کبھی مشکوک ہوتے ہیں اور کبھی بالکل صحیح اور کبھی بالکل غلط ہوتے ہیں.

(د) خبر واحد کی مخالفت کرنے والے کو کافر یا فاسق نہ کہنے پر اجماع قائم ہے. اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ وہ مفید علم نہیں ہوتی ہے. ورنہ خبر متواتر کو بلا تاویل رد کردینے والے کو کافر و بدعتی کہا جاتا ہے.

ان سے یہ کہا جائے گا کہ خبر سننے والے کی معلومات کے تفاوت سے خبر سے متعلق علم میں بھی تفاوت پایا جاتا ہے، کچھ سامعین بعض خبروں پر کذب کا حکم لگا دیتے ہیں. اس لئے کہ انہیں ان خبروں کے ناقلین کے خطا کار یا جھوٹا ہونے کا یقین ہوتا ہے یا ان کے علم کے مطابق وہ ظاہر نصوص کی مخالف ہوتی ہیں. حالاں کہ فی الحقیقت وہ خود غلطی پر ہوتے ہیں لیکن اجتہاد کی وجہ سے معذور سمجھے جاتے ہیں. کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جو خبر کی تصدیق تو کرتے ہیں مگر اس کی دلالت ان پر ظاہر نہیں ہو پاتی.

چنانچہ جب ہم کسی کو بعض صحیح اخبار کی مخالفت کرتے ہوئے دیکھیں تو سمجھیں کہ وہ خبر یا تو ان تک پہنچی ہی نہیں یا پہنچی ہے مگر ان کے نزدیک صحیح نہیں ہے. یا ان کے نزدیک اس کا کوئی دوسرا محمل ہے یا کوئی تاویل ہے یا اس قسم کی دوسری کوئی وجہ ہے جس کی بنا پر انہوں نے اسے ترک کردیا ہے.

دوسری قسم
حدیث مرسل

سنت کی دو قسمیں ہیں: ایک جس کی سند متصل ہو، دوسری جس کی سند متصل نہ ہو.

پہلی قسم: جس کی سند متصل ہو. اس حدیث کو کہتے ہیں جس میں ابتدائے سند سے رسول اللہ ﷺ تک ہر راوی اپنے شیخ کو ذکر کرے.

دوسری قسم: جس کی سند متصل نہ ہو: علماء حدیث کے یہاں اس کی چار قسمیں ہیں:

مرسل: جس میں صحابی ساقط ہو.

معضل: جس میں لگاتار دو راوی ساقط ہوں.

منقطع: جس میں بلا ترتیب ایک یا دو یا اس سے زائد راوی ساقط ہوں.

معلق: وہ حدیث ہے جس کو تابعی کے بعد کا راوی بغیر سند کے روایت کرے (۱).

مگر علماء اصول کے یہاں غیر متصل کی ایک ہی قسم ہے جس کو وہ ''مرسل'' کہتے ہیں. یعنی وہ حدیث جسے عادل راوی متصل سند کے بغیر روایت کرے، یہ قسم چاروں اقسام کو شامل ہے.

مرسل کی حجیت یا عدم حجیت کے سلسلے میں جب یہ لوگ بحث کرتے ہیں تو اس سے مراد ''مرسلِ صحابی'' کے علاوہ ہوتا ہے، کیونکہ بیشتر علماء کے اتفاق کے مطابق مرسلِ صحابی مقبول ہے.

امام نووی فرماتے ہیں: صحابی کا ارسال کرنا یعنی رسول اللہ ﷺ کے کسی فعل یا ان کے معمولات کے متعلق اس طرح خبر دینا جس سے یہ اندازہ ہوتا ہو کہ وہ صغر سنی یا تاخر اسلام یا ایسی دوسری کسی وجہ سے اس وقت موجود نہیں تھے، تو اس خبر کے متعلق صحیح اور مشہور مذہب جس کو ہمارے اکثر اصحاب اور جمہور اہل علم نے اختیار کیا ہے یہ ہے کہ وہ حجت ہے. جو محدثین مرسل کو حجت نہیں مانتے وہ سب کے سب مرسل صحابی سے احتجاج کرنے نیز اسے صحیح میں شمار کرنے پر متفق ہیں. صحیح بخاری و مسلم میں اس قسم کی حدیثوں کا وجود کسی سے مخفی نہیں ہے.

البتہ ابو اسحاق اسفرائینی اس سے متفق نہیں ہیں، وہ مرسل صحابی سے احتجاج کے قائل نہیں ہیں، الا یہ کہ یہ بات واضح ہو جائے کہ صحابی اسی حدیث میں ارسال کرتا ہے، جسے رسول اللہ ﷺ یا کسی صحابی سے سنا ہے. کیونکہ کبھی

(۱) شرح نخبۃ الفکر، ملاحظہ کریں: ص ر ۶۳ اور اس کے بعد کے صفحات، مکتبۃ الغزالی دمشق.

کبھی وہ غیر صحابی سے بھی روایت کرتے ہیں.

مگر پہلی رائے راجح ہے اس لئے کہ یہی اکثر لوگوں کا قول ہے. اور صحابی کا غیر صحابی سے روایت کرنا بالکل نادر ہے. اگر روایت کرتے ہیں تو اس کی وضاحت کر دیتے ہیں. جب مطلق روایت کریں تو اس کو صحابہ سے مروی سمجھا جائے، یہ امام نووی کا قول ہے(۱).

صاحب مسلم الثبوت فرماتے ہیں: ''اس کے مخالف قول کا کوئی اعتبار نہیں، کیونکہ یہ ایک واضح امر کی مخالفت ہے''(۲).

غیر صحابی کے مراسیل کے متعلق علماء کے کئی مذاہب ہیں ان میں سے تین اہم مذاہب یہ ہیں:

پہلا: مطلق ضعیف ہے، یہ ابن حزم اور دوسری صدی کے بعد کے جمہور محدثین کا قول ہے(۳).

دوسرا: مطلق قابل احتجاج ہے، امام مالک، ابوحنیفہ، احمد ایک قول میں، ابن قیم اور ابن کثیر و دیگر علماء اسی کے قائل ہیں(۴).

تیسرا: اس میں تفصیل ہے. امام شافعی نے رسالہ میں ایسا ہی کہا ہے. ان کا خیال ہے کہ اگر درج ذیل امور میں سے کوئی امر پایا جائے گا تو مقبول ہوگا:

أ- اسناد کے ذریعہ اس کی تائید حاصل ہو.

ب- اگر دوسرے طریق سے بھی مرسل ہو.

ج- اگر کسی صحابی کا قول اس کے موافق ہو.

د- اگر اکثر علماء اس کے موافق ہوں.

ھ- اگر یہ معلوم ہو کہ وہ ثقہ کے علاوہ دوسروں سے ارسال نہیں کرتا(۵).

پہلے قول کے قائلین درج ذیل دلیلوں سے استدلال کرتے ہیں:

پہلی دلیل: راوی کی ذات کا مجہول ہونا اس کی صفت کے مجہول ہونے سے زیادہ معیوب ہے، کیونکہ جس کی

(۱) ملاحظہ ہو: نووی کی التقریب مع حاشیہ للدکتور مصطفیٰ الخن، ص: ۵۷، ۵۸ اور مقدمۃ النووی: ص/ ۳۰.

(۲) أصول الفقہ، شیخ طہ العربی الدسوقی: ص/ ۱۲۹.

(۳) ملاحظہ ہو: ابن عبد البر کی التمہید: ۱/ ۵.

(۴) التمہید: ۱/ ۳.

(۵) الرسالہ: ص/ ۴۶۲، ۴۶۳.

ذات مجہول ہوگی اس کی صفت بھی مجہول ہوگی. اگر ذات معلوم ہو اور صفت مجہول ہو تو اس کی خبر مقبول نہیں ہوتی اور جب کسی کی ذات وصفت دونوں مجہول ہوتو بدرجۂ اولیٰ اس کی خبر قابل قبول نہیں ہوگی.

نووی کا قول ہے: مرسل غیر صحابی کی تردید کے لئے ہماری دلیل یہ ہے کہ جب کسی موسوم اور نامزد مجہول کی روایت اس کے حال کی جہالت کی وجہ سے قبول نہیں کی جاتی تو مرسل روایت بدرجہ اولیٰ مقبول نہیں ہوگی، کیونکہ مروی عنہ محذوف اور مجہول العین والحال ہوتا ہے (۱).

حافظ ابن حجر نخبۃ کی شرح میں فرماتے ہیں: (۲) ''محذوف راوی کے حال سے جہالت کی بناء پر مرسل کو اقسام مردود میں شمار کیا جاتا ہے، کیونکہ اس کا صحابی ہونا بھی محتمل ہے اور یہ بھی احتمال ہوتا ہے کہ اس نے کسی تابعی سے روایت کیا ہو. دوسرے احتمال کے مطابق سابق احتمال کے ساتھ مزید کئی احتمالات پیدا ہوتے ہیں. تجویز عقلی سے تو احتمالات کی کوئی انتہاء ہی نہیں رہتی، البتہ استقراء کے ذریعہ چھ یا سات تک پہنچتے ہیں. اور اس میں تابعی کا تابعی سے روایت کرنے کا احتمال زیادہ ہی پایا جاتا ہے.

دوسری دلیل: قبول روایت کے لئے ''عدالت راوی'' کی معرفت شرط ہے. اور مرسل کے راوی کی عدالت کا علم نہیں ہوتا.

ابن حزم فرماتے ہیں: راوی کی جہالت کی بنا پر مرسل روایت قابلِ احتجاج نہیں ہے، اور ہم یہ پہلے ہی بتا چکے ہیں کہ جس شخص کے حال سے ہم واقف نہیں ہیں اس کی خبر اور شہادت کو قبول کرنے سے توقف کرنا ہمارے اوپر فرض ہے. تا آنکہ اس کے حال کو نہ جان لیں، اور چاہے عادل راوی ''حدثنا ثقۃ'' کہے یا نہ کہے اس کی طرف متوجہ ہونا مناسب نہیں ہے. اس لئے ہوسکتا ہے کہ اس کے نزدیک ثقہ ہو مگر دوسروں نے اس کی تجریح کی ہو اور وہ اس سے ناواقف رہا ہو اور یہ پہلے ہی بتا چکے ہیں کہ جرح تعدیل پر مقدم ہے. سفیان ثوری نے جابر الجعفی کو ثقہ کہا ہے، جبکہ اس کے کذب وفسق اور اسلام بیزاری کو سب جانتے ہیں، مگر سفیان سے اس کی حقیقت پوشیدہ رہی اور انہوں نے اپنے علم کے مطابق اس کی تعدیل فرمادی (۳).

تیسری دلیل: عدالت کے اعتبار میں خبر اور شہادت کے درمیان کوئی فرق نہیں، اور یہ ثابت شدہ امر ہے کہ شہادت کے قبول میں ارسال مانع ہے.

(۱) التقریب للنووی: ص ر ۵۵، اور مقدمہ علی شرح مسلم: ص ر ۳۰.
(۲) شرح النخبۃ: ص ر ۴۳.
(۳) الاحکام: ص ر ۱۳۵.

چوتھی دلیل: اگر مراسیل پر عمل جائز ہوتا تو راویوں کے ناموں کو ذکر کرنے اور ان کی عدالت سے بحث کرنے کا کوئی معنی نہیں رہتا.

پانچویں دلیل: اگر مراسیل پر عمل ضروری ہوتا تو ہمارے زمانے کا کوئی بھی شخص راویوں کے نام لئے بغیر صرف «قال رسول الله كذا» کہہ دیتا اور ہمارے لئے اس کے قول پر عمل کرنا واجب ہو جاتا، حالانکہ یہ بالکل غلط ہے.

چھٹی دلیل: خبر دو طرح کی ہوتی ہے، متواتر اور آحاد، اگر راوی کہے: مجھے بے شمار لوگوں نے خبر دی ہے تو اس کا شمار متواتر میں نہیں ہوگا. یہی حال آحاد کا ہے.

نیز یہ بھی کہتے ہیں کہ کسی راوی کا لقاء گرچہ اصاغر صحابہ ہی سے کیوں نہ ہو اس کے لئے شرف وفخر کا باعث ہے، اور جب ان کی صحبت اس کے لئے حمد وستائش کا موجب ہے تو آخر ان کا نام لینے سے خاموش کیوں رہا؟ اس کا خاموش رہنا دو وجہوں سے خالی نہیں. یا تو وہ یہ نہیں جان سکا کہ وہ کون ہیں، یا اس پر ان کے دعوئے صحبت کی حقیقت ظاہر نہ ہوسکی. یا پھر وہ منافقین ومرتدین میں سے رہا ہوگا، اس لئے کہ صحابہ کے دور میں منافقین ومرتدین پائے گئے ہیں. پس وہ حدیث جو «عن رجل من الصحابة» یا «حدثني من صحب رسول الله ﷺ» کے لفظ سے مروی ہو، وہ اس وقت تک مقبول نہیں ہوگی جب تک ان کے نام کی وضاحت نہ کرے اور وہ ان کی صحبت فاضلہ معلوم نہ ہوجائے. اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْأَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ ۛ وَ مِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ۛ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ ۫ لَا تَعْلَمُهُمْ ۭ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ﴾ الآیۃ (اور آپ کے ارد گرد جو دیہاتی لوگ ہیں ان میں منافقین پائے جاتے ہیں، اور اہلِ مدینہ میں بھی کچھ ایسے لوگ ہیں کہ نفاق جن کی سرشت میں داخل ہوگیا ہے، آپ انہیں نہیں جانتے ہیں، انہیں ہم جانتے ہیں) ابن حزم نے اسے احکام میں بیان کیا ہے (۱).

ابن حزم آگے فرماتے ہیں: مجھے احمد بن عمر العذری نے خبر دی کہ ہم سے ابوذر نے، ابن احمد الہروی کے حوالے سے بیان کیا اور ان سے زاہر بن احمد ابوعلی السرخسی الفقیہ نے، ان سے زنجویہ بن محمد نیساپوری نے، ان سے محمد بن اسماعیل بخاری نے، ان سے سلیمان بن حرب نے، ان سے حماد بن زید نے، ان سے نعمان بن راشد نے، اور نعمان نے زید بن ابو انیسہ سے روایت کیا کہ ایک شخص جنبی ہوا، اس نے غسل کیا جس کی وجہ سے اس کا انتقال ہوگیا. رسول اللہ ﷺ کو جب یہ خبر ملی تو آپ ﷺ نے فرمایا: «لو يمموه قتلوه قتلهم الله» ''کاش وہ لوگ اسے تیمم

(۱) الاحکام: ص ۲/ ۱۳۶.

کرنے دیتے، ان لوگوں نے اسے قتل کیا ہے اللہ تعالیٰ انہیں قتل کرے"نعمان کہتے ہیں: میں نے اس حدیث کو زہری سے بیان کیا اور اس کے بعد میں نے اس حدیث کو انہیں رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہوئے دیکھا، میں نے ان سے پوچھا: آپ سے کس نے یہ حدیث بیان کی ہے؟ انہوں نے کہا: تم ہی نے تو بیان کیا ہے، تم نے کس سے روایت کیا ہے؟ میں نے کہا: کوفہ کے ایک شخص سے، انہوں نے کہا تم نے برباد کردیا، اہلِ کوفہ کی حدیث میں بہت زیادہ مرچ مسالے ملے ہوتے ہیں (۱).

جب زہری جیسے بزرگوں کا یہ حال ہے جن کے مراسیل میں حفظ اور اعتماد و وثوق کے چرچے عام ہیں تو آپ دوسرے لوگوں کے متعلق کیا کہیں گے؟

دوسرے مذہب سے منسلک حضرات کا کہنا ہے: جواز کی دلیل یہ ہے کہ عادل راوی کا مروی عنہ کے متعلق خاموش رہنا یہ جاننے کے باوجود کہ اس کی روایت سے شرعی قانون اخذ کئے جاتے ہیں، اس بات کی دلیل ہے کہ وہ راوی کی عدالت سے بالکل مطمئن ہے، گویا اس کا خاموش رہنا اس کی عدالت کی شہادت دینا ہے. اگر وہ اس کا تزکیہ بیان کرتا تو ہم اس کے تزکیہ کو قبول کرتے اور اس کی روایت کو تسلیم کرتے. اسی طرح راوی کے متعلق اس کی خاموشی کو بھی قبول کیا جانا چاہئے.

کچھ لوگوں نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ اس طرح سے حدیث مرسل حدیث مسند سے زیادہ قوی ہو جاتی ہے، کیوں کہ ارسال کرنے والا ہی اس کا ذمہ دار ہوتا ہے اور اس کی روایت کے قبول کے بعد اللہ تعالیٰ کے یہاں وہ خود ذمہ دار ہوگا. اور یہ اس بات کا متقاضی ہے کہ راوی کی عدالت پر اعتماد کیا جائے، جبکہ اسناد کے بعد راوی اس کو سامع کے حوالہ کردیتا ہے اور سامع اس میں غور وفکر کرتا ہے، راوی اس کا ذمہ دار نہیں ہوتا. یہ حالت ارسال کی حالت سے کہیں زیادہ سخت ہے.

نیز یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر واسطہ میں تابعی ہے تو اس کے ضعف کا احتمال خصوصاً کذب کا بہت بعید ہے، نبی اکرم ﷺ نے عہد تابعین کی تعریف کی ہے. اور صحابہ کے بعد تابعین کے خیر وصلاح کی شہادت دی ہے، چنانچہ تابعی کا بلکہ تین صدیوں میں سے کسی کا جزم کے ساتھ ارسال کرنا کذب کے منافی ہے. اگر مرسل عنہ فضل و مرتبت میں ان کے مساوی ہیں.

نیز فرماتے ہیں: اس سے زیادہ وسعت عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول میں ہے: «المسلمون عدول، تقبل شهادة

(۱) الاحکام: ص ر ۷ ۱۳-۸ ۱۳.

بعضهم على بعض إلّا مجلودًا فی حدّ أو مجرّبًا علیه شهادة زور، أو ظنینًا فی ولاء أو قرابة» ”تمام مسلمان عادل ہیں۔ ایک دوسرے کے متعلق ان کی شہادت قبول کی جائے گی الا یہ کہ حداً کوڑے کھا چکے ہوں، یا ان کی جھوٹی گواہی کا تجربہ ہو چکا ہو، یا بے جا طرفداری اور اقرباء پروری میں متہم ہو“۔

عمر رضی اللہ عنہ نے قبول روایت میں ظاہر اسلام پر اکتفا کیا ہے الا یہ کہ خلاف عدالت فعل کا علم ہو جائے۔ اور اگر واسطہ اس قبیل کا نہیں ہوتا تو تابعی اس سے ارسال کیسے کر سکتا تھا، لہٰذا اصول یہ ہو کہ اس وقت تک روایت قبول کی جائے جب تک خلاف عدالت فعل سرزد نہ ہو۔

پہلے قول کے قائلین نے ان دلیلوں کا یوں تجزیہ کیا ہے۔ کہتے ہیں، ارسال کرنے والے کو کبھی مرسل عنہ کے متعلق اتنی معلومات نہیں ہوتی جتنی اس پر تنقید کرنے والے کو ہوتی ہے اور تنقید بہرحال تعدیل پر مقدم ہے۔

جہاں تک عصر تابعین کی تعریف وتوصیف میں وارد رسول اللہ ﷺ کی حدیث کا سوال ہے، تو سخاوی اس بارے میں کہتے ہیں: اسے غالب پر محمول کیا جائے گا۔ ورنہ صحابہ کے بعد کے دو قرنوں میں ایسے لوگ پائے گئے ہیں جو صفات مذمومہ کے حامل تھے مگر ان کی تعداد کم تھی جب کہ قرون ثلاثہ کے بعد کے لوگوں میں کثرت کے ساتھ یہ صفات پائے گئے ہیں۔

اور عمر رضی اللہ عنہ کے قول کے بارے میں یہ کہا جائے گا کہ یہاں شاہد معلوم ہے، اور وہ قاضی کے سامنے شہادت دے رہا ہے تو قاضی اس کے ظاہر حال پر ہی اکتفا کرتا ہے، الّا یہ کہ اس کے خلاف کچھ ثابت نہ ہو جائے۔ لیکن ہم جہاں ہیں اس میں یہ بات نہیں ہے، اس میں راوی کی شخصیت اور اس کی صفت دونوں مجہول ہیں، گویا یہ قیاس ادنیٰ پر اعلیٰ کو قیاس کرنے کے قبیل سے ہے۔ نیز ابتدائے اسلام میں بھی شیعی اور خارجی اثرات پائے جاتے تھے حالاں کہ اس وقت صحابہ کرام کی اچھی خاصی تعداد پائی جاتی تھی۔ تابعین اور ان کے بعد کے ادوار کا بھی یہی حال ہے، جب وہ کسی چیز کو اچھا سمجھتے تو اسے حدیث کی شکل دے کر مشہور کر دیتے، بسا اوقات کوئی کسی سے کچھ سن لیتا اور اسے بیان کرنا شروع کر دیتا تھا۔ اور جس سے سنتا اس کا نام حسن ظن کی بناء پر ذکر نہیں کرتا پھر دوسرا کوئی اس سے روایت کرتا، اخیر میں یہ روایت اس شخص تک پہنچتی جس کے نزدیک مقطوع حدیثوں سے احتجاج درست ہوتا اور وہ اُس سے احتجاج کرتا۔

ابن مہدی، ابن لہیعۃ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے ایک خارجی شیخ کو جو اپنے خارجی نظریات سے توبہ کر چکے تھے یہ کہتے ہوئے سنا: ”دیکھو یہ احادیث دین ہیں، تم سوچ لو کہ کس سے دین حاصل کر رہے ہو، اس سے قبل جب بھی ہمیں کوئی بات بھلی معلوم ہوتی تھی تو اسے حدیث کا روپ دے دیا کرتے تھے“۔

امام شافعی رحمہ اللہ اپنے نقطۂ نظر کی تائید میں یہ فرماتے ہیں: جب تک مروی عنہ کا نام نہ لیا جائے اس وقت تک اس کی عدالت معلوم نہیں ہوتی لہذا اس کی روایت مقبول نہیں ہوگی، لیکن جب ہمارے بیان کردہ پانچوں امور میں سے کوئی امر اس کے ساتھ ضم کر دیا جائے تو اس صورت میں اس کے صدق کا گمان اس کے کذب کے گمان پر غالب آجاتا ہے لہذا اس کا قول مقبول ہوگا. اور اس پر عمل کرنا مناسب و درست ہوگا.

ان کی اس دلیل کا جواب یوں دیا جائے گا کہ جو اس کے ساتھ ضم کیا جائے گا یا تو وہ مسند ہوگا یا غیر مسند اور یہ دونوں صورتیں غیر مفید ہیں، کیونکہ اگر مسند ہے تو عمل اس مسند پر ہوگا نہ کہ مرسل پر اور اگر غیر مسند ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے ساتھ ایسی چیز ضم کی گئی جو خود غیر مقبول ہے اور ظاہر ہے اس سے کوئی فائدہ نہیں (۱).

---

(۱) ملاحظہ ہو: جامع التحصيل في أحكام المراسيل: ص/ ۲۷-۳۸، الرسالہ للشافعی: ص/۴۶۱-۴۶۷ اور الحديث المرسل، حجيته وأثره في الفقه الإسلامي: ص/ ۱۰ اور اس کے بعد کے صفحات، مؤلف: محمد حسن ھیتو، طباعت دار الفکر، بیروت.

تیسری قسم
روایت بالمعنی

حدیث کی بالمعنی روایت کے بارے میں علماء کی دو مختلف جماعتیں ہیں:

ایک قوم کا کہنا ہے: روایت بالمعنی جائز ہے اور دوسری قوم کا کہنا ہے: یہ جائز نہیں ہے.

جو لوگ عدم جواز کے قائل ہیں اگر وہ یہ سمجھتے ہیں کہ روایت بالمعنی صحابہ سے ثابت نہیں ہے تو ان کی بات صحیح نہیں ہے، بلکہ واقعہ کے خلاف ہے. صحابہ اور ان کے بعد کے لوگوں میں روایت بالمعنی کا رواج رہا ہے نیز صحابہ کی ایک جماعت جس میں علی، ابن عباس، انس بن مالک، ابو درداء، واثلہ بن اسقع، ابو ہریرہ وغیرہم ہیں اور تابعین کی ایک جماعت جن کی تعداد بہت زیادہ ہے جن میں حسن بصری، شعبی، عمرو بن دینار، ابراہیم نخعی، مجاہد وعکرمہ جیسے نامور افراد ہیں، روایت بالمعنی کی اجازت دیتے ہیں.

ابن سیرین سے مروی ہے کہ جب انس بن مالک رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کرتے تو خوفزدہ ہو جاتے اور آخر میں «أو كما قال رسول الله» کہتے (۱).

عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے ایک شخص کو «طعام اليتيم» کہتے سنا، کیونکہ اس سے «طعام الأثيم» نہیں کہا جا رہا تھا تو انہوں نے اس سے کہا «طعام الفاجر» کہہ دو.

اس سلسلے میں ایک مرفوع حدیث بھی روایت کی جاتی ہے جس کو طبرانی نے کبیر میں عبد اللہ بن سلیمان بن اکثم لیثی کے حوالہ سے روایت کیا ہے، کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: اے اللہ کے رسول اگر میں آپ سے کوئی حدیث سنوں، لیکن جس طرح میں نے آپ سے سنا ہے بالکل اسی طرح بیان کرنے کی مجھے استطاعت نہ ہو، تو کیا ایک آدھ حرف کی کمی وزیادتی کی جا سکتی ہے؟ آپ نے فرمایا: اگر تم حرام کو حلال یا حلال کو حرام نہیں کرتے اور معنی کی ادائیگی کر لیتے ہو تو پھر کوئی حرج نہیں ہے (۲).

نیز جب صحابہ کو معلوم ہوتا کہ جو الفاظ ان تک پہنچے ہیں ان کا معنی دوسرے الفاظ کے ذریعہ ادا نہیں کر سکیں گے تو انہیں صحیفوں میں محفوظ کر لیتے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم بھی دیا تھا، اس لئے کہ وہ شریعت کا حصہ ہے.

---

(۱) دیکھئے جامع بیان العلم: ۱/ ۷۹.

(۲) دیکھئے مجمع الزوائد: ۱/ ۱۵۴، باب روایۃ الحدیث بالمعنی.

لیکن چند ہی صحابہ ایسا کر سکے بقیہ اخبار کو صحابہ نے رسول اللہ ﷺ سے حفظا حاصل کیا اور پوری دقت و امانت کے ساتھ دوسروں تک پہنچایا بھی.

ابن سیرین کہتے ہیں کہ میں ایک حدیث کو دس لوگوں سے سنتا، معنی ایک ہوتا تھا، مگر الفاظ مختلف ہوتے تھے، اور عمران بن مسلم سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے حسن سے کہا: اے ابو سعید! جب آپ کوئی حدیث بیان کرتے ہیں تو ہمارے مقابلہ میں آپ کے بیان کے اندر ترتیب کی عمدگی اور حسن بیان کے ساتھ آپ کی زبان بھی زیادہ فصیح ہوتی ہے. حسن نے کہا: اگر معنی ادا کر لیتے ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے (۱).

صحیح اور حقیقت یہ ہے کہ صحابہ کرام نے بہت سی حدیثیں بالمعنی روایت کی ہیں اور تابعین و ائمہ محدثین سے بھی ایسا ہی کچھ ثابت ہے، مگر یہاں ایک دوسری حقیقت بھی ہے جسے ذکر کر دینا ضروری ہے اور وہ یہ کہ وہ لوگ روایت میں بہت زیادہ سختی بھی کرتے تھے اور نص نبوی کو پیش کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتے. اور اس بات پر زور دیتے کہ روایت کرنے والا بلا تغیر و تبدیلی اور بلا حذف و زیادتی اسی لفظ کے ذریعہ روایت کرے جس لفظ کو اس نے سنا ہے. چنانچہ اس خوف سے کہ کہیں روایت میں غلطی واقع نہ ہو جائے اور سنت میں بعض تحریفات داخل نہ ہو جائیں، صحابۂ کرام سے روایت باللفظ میں تشدد برتنے کے متعلق بہت سے واقعات منقول ہیں، اور وہ جب بھی کوئی سنت روایت کرتے تو اس میں پوری دقت سے کام لیتے. اس سلسلے میں انہوں نے اپنی زبان دانی سے خوب فائدہ اُٹھایا، وہ معانی کلام کو سب سے زیادہ جاننے کے ساتھ روایت بالمعنی کے خطرات کو سب سے زیادہ محسوس کرنے والے بھی تھے.

لیکن میری رائے میں مناسب بات یہ ہے کہ ہم صحابہ، تابعین، محدثین کے درمیان اور ان کے بعد والوں کے درمیان تفریق کریں اور ان لوگوں کے لئے جنہیں اللہ تعالیٰ نے سنت کی خدمت و حفاظت کے لئے پیدا ہی کیا تھا روایت بالمعنی جائز ٹھہرائیں اور ان کے بعد والوں کے لئے ناجائز.

میرے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ زمانۂ تدوین تک حاملین سنت نبویہ کے اندر وہ تمام صفات پائے جاتے تھے جو حفظ حدیث کے لئے ضروری تھے، چنانچہ الفاظ نبویہ یا اس سے قریب تر الفاظ و تراکیب کی رعایت کے ساتھ معانی کلام کی مکمل ادائیگی اور اس کے اغراض و مقاصد کی بھرپور وضاحت کے ساتھ صحاح و مسانید کے اندر احادیث کی تدوین عمل میں آئی.

اس کی مزید وضاحت کے لئے میں کہوں گا کہ نبی اکرم ﷺ کے زمانہ میں صرف کتاب و سنت ہی کو مصدر

---

(۱) جامع بیان العلم: ۱/ ۸۰.

احکام کی حیثیت حاصل تھی، کتاب اللہ میں احکام شرعیہ کے عام اصول پیش کئے جاتے، ان کی تفصیل یا تشریح سے بحث نہیں کی جاتی، اور سنت قرآن کریم کی موافقت میں وارد ہوتی اور یہ قرآن کے ابہام کی تفسیر، اس کے اجمال کی تفصیل، مطلق کی تقیید، عام کی تخصیص اور اس کے اہداف واحکام کی تشریح کرتی، کبھی سنت ایسے احکام بھی پیش کرتی جن کے متعلق قرآن خاموش ہوتا.

اس وقت رسول اللہ ﷺ امت کے تمام معاملات میں مرجع اعلیٰ کی حیثیت رکھتے تھے، خواہ قضاء وفتویٰ کا معاملہ ہو یا مالی وسیاسی اور عسکری تنظیم کا، آپ تمام معاملات صحابہ کی موجودگی میں انجام دیتے رہے، اس کے بعد آپ رفیق اعلیٰ سے جا ملے اور سلسلۂ وحی منقطع ہو گیا، امت کے سامنے کتاب وسنت کے علاوہ کچھ باقی نہ رہا. اور اللہ تعالیٰ کے اس قول کے مطابق: ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾ (آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا، اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی، اور اسلام کو بحیثیت دین تمہارے لئے پسند کر لیا) کتاب وسنت کے ذریعہ دین کی تکمیل کر دی گئی اور شریعت کا اتمام ہو گیا.

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے اس وعدہ: ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾ (بے شک ہم نے قرآن کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں) کے مصداق اس دین کی حفاظت کی ذمہ داری اپنے سر لے لی اور اس میں کوئی شک نہیں کہ دین کی حفاظت اور کتاب وسنت کی صیانت کا اہم کام ان پاک طینت نفوس کے ذریعہ انجام پایا، جنہیں اللہ تعالیٰ نے خاص طور سے اسی کام کے لئے پیدا کیا تھا. چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انہیں تقویٰ صلاح، بے مثال ذہانت، حیرت انگیز قوت حافظہ، رسول اکرم ﷺ سے بے پناہ محبت کا جذبہ اور آپ کی تعلیمات کے احیاء وبقاء کے لئے مر مٹنے کا اتنا بلند حوصلہ عطا کیا جس کی دنیائے انسانیت میں کوئی مثال نہیں ملتی، وہ لوگ پکے مؤمن اور سچے مسلم تھے (رضی اللہ عنهم ورضوا عنه).

وہ قوت حافظہ اور ذہانت وذکاوت میں یکتائے روزگار اور معجزانہ صلاحیت کے مالک تھے اور ان کے اندر وہ تمام صفتیں پائی جاتی تھیں جو رسول کے بعد کسی اچھے انسان کے اندر پائی جانی چاہیے.

دراصل یہ سب حفاظت دین کے لئے اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ اسباب تھے، اور چونکہ اس کام کو انجام دینے کی خاطر ان کے لئے قرآن کی تعلیم حاصل کرنا اور اس کو یاد کرنا ضروری تھا، اور اس کی تفسیر وتشریح کرنے والی سنتوں کا جاننا ضروری تھا، اس لئے ان بزرگوں نے پورے عزم وحوصلہ اور دقت وامانت کے ساتھ انہیں حفظ کیا اور اپنے قلب وذہن میں محفوظ کر لیا. اور جب ہمارے نبی امی ﷺ جن کے بعد کوئی نبی نہیں اور جن کے دین کے علاوہ کوئی بھی

دین مقبول نہیں، اس دنیا سے رحلت فرما چکے تو ان بزرگوں نے اس عظیم امانت کو ان پاک طینت و نیک سیرت تابعین کے حوالہ کر دیا جن کی تعریف و توصیف خود رسول اللہ ﷺ نے کی تھی اور جو ان تمام صفات کریمہ میں صحابہ کرام کے مشابہ تھے، جن کی بنیاد پر ہی اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی حفاظت کی ذمہ داری ان پر ڈالی تھی، اس کے بعد محدثین کرام ہیں جنھوں نے احادیث کے جمع و تدوین کا بیڑہ اٹھایا، انہوں نے تابعین سے جو کچھ سنا اسے اپنے دل و دماغ میں محفوظ کرنے کے ساتھ اپنی کتابوں میں قید کر لیا. الفاظ نبویہ میں اختلاف سے بچنے کے لئے تمام وسائل اور پوری انسانی کوششوں کا فیاضانہ استعمال کیا. میں جو یہ کہہ رہا ہوں وہ محض میرا دعوی نہیں ہے بلکہ ان گرانقدر ہستیوں کے کارناموں اور مآثر سے تاریخ کے صفحات مالا مال ہیں، جو ہمیں ان کی عجیب وغریب اور معجزانہ قوت حافظہ کے حوالہ سے غیر متزلزل اور پختہ علم و یقین عطا کرتے ہیں.

ہم تسلیم کرتے ہیں کہ الفاظ نبوی میں تھوڑا بہت اختلاف پایا جاتا ہے، مگر اس سے اغراض نبوی میں فرق پڑ جائے ایسا قطعاً ممکن نہیں اور جس طرح رسول اللہ ﷺ کے اقوال وافعال کے بیان کرتے وقت صحابہ کرام نے الفاظ نبوی کے تعلق سے ایسا کوئی اختلاف نہیں کیا جو معنی پر اثر انداز ہو سکے، اسی طرح تابعین وائمہ محدثین کی طرف سے بھی جنھوں نے صحاح ومسانید کی شکل میں احادیث کے جمع و ترتیب کا کارنامہ انجام دیا ہے اس کی پوری رعایت کی گئی ہے، بلکہ ہر دور میں اس کا خیال رکھا گیا ہے اور اس کی مکمل رعایت کی گئی ہے.

مگر جن کا تعلق معاملات وعبادات سے تھا جیسے اذان، تشہد، تکبیر، سلام یا جو جوامع کلم (جامع کلمات) کے نوع سے تھے یا جو الفاظ خفی المعنی تھے، ان کے معنی میں لوگوں کے مابین اختلاف ہو سکتا تھا ان میں معمولی تبدیلی بھی انہیں گوارہ نہیں تھا.

ان سب کے باوجود مطالعۂ احادیث کے دوران ہم یہ بھی پاتے ہیں کہ بہت سے صحابہ کرام ایسے تھے جو ایک کلمہ کو دوسرے کلمہ کی جگہ پر استعمال کرنے کو بھی جائز تصور نہیں کرتے تھے. عبید بن عمیر کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ وہ لوگوں کو یہ حدیث سنا رہے تھے «مثل المنافق کمثل الشاة العائرة بین الغنمین» یہ سن کر ابن عمر نے کہا: اللہ تعالیٰ تم لوگوں کو برباد کرے، رسول اللہ ﷺ پر جھوٹا الزام کیوں لگاتے ہو، آپ نے تو اس طرح کہا تھا «مثل المنافق کمثل الشاة الرابضة بین الغنمین»(۱).

ابن عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو ارکان خمسہ والی حدیث بار بار دہراتے سنا، ابن عمر نے اس حدیث کو جس ترتیب

(۱) الکفایۃ ص: ۲۶۸.

کے ساتھ رسول اللہ ﷺ سے سنا تھا اس کے برخلاف وہ شخص کسی رکن کو مقدم اور کس کو مؤخر بیان کر رہا تھا۔ ابن عمر نے اس سے کہا: صیام رمضان کو آخر میں ذکر کرو جیسا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے [1]۔

اس سے ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ و تابعین میں سے جو لوگ بالمعنی روایت میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے ان کا مقصد کسی لفظ کو دوسرے ہم معنی لفظ کی جگہ استعمال کرنا ہوتا ہے، یا اس جگہ جائز ٹھہراتے ہیں جہاں تعبیر میں اختلاف واقع ہو جانے سے کوئی نقصان نہ ہوتا ہو، یا جو غیر تعبدی معاملہ ہو، یا جوامع الکلم کے نوع سے نہ ہو، یا جس کے معنی میں اختلاف پیدا ہونے کا خوف نہ ہو، اس پر مستزاد یہ کہ وہ عربی فطرت کے پاسدار اور اعلیٰ قسم کے سلیقہ شعار تھے، اور دقیق سے دقیق کلام کے معانی کو سمجھنے پر پوری طرح قادر تھے۔

مختصر یہ کہ ان میں ہر وہ چیز پائی جاتی تھی جو ایک راوی کو فصیح و بلیغ تعبیر اختیار کرنے اور پوشیدہ و پیچیدہ الفاظ کے معانی کی ادائیگی میں مددگار ثابت ہو سکتی تھی۔

اس کے بعد اس شبہ کی کوئی حقیقت ہی نہیں رہ جاتی جسے کچھ لوگ وقتاً فوقتاً پھیلاتے رہتے ہیں کہ احادیث نبویہ بالمعنی مروی ہیں۔

جو لوگ اس طرح کی حرکتیں کرتے ہیں وہ حدیث و تاریخ کی کتابوں میں ان مقدس ہستیوں کے کارناموں، ان کی خدمات اور ان کے ورع و تقویٰ، اور ان کی ذہانت و قوت حافظہ کے بارے میں پڑھتے تو ہیں مگر اسے نظر انداز کر دیتے ہیں، اس لئے کہ ان کے اندر ایمان کی وہ روشنی نہیں ہے جس کے ذریعہ ہم ان مقدس و پاک طینت بزرگوں کے متعلق یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ان کی تخلیق کا مقصد اللہ کے دین، اس کی کتاب اور اس کے نبی کی سنت کی محافظت کرنا تھا، لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے صحابہ کرام کو جو حیرت انگیز ذہانت اور عدیم المثال قوت حافظہ ودیعت کی گئی تھی اس کی بات ان حضرات کے گلے سے اترتی ہی نہیں ہے۔

اس طرح جن امور سے سنت کی حفاظت کا دعویٰ صحیح قرار پاتا ہے اور جن کی بنیاد پر اس کے محفوظ ہونے کا یقین ہوتا ہے ان کا وہ سرے سے انکار کرتے ہیں اور یہی اختلاف کا بنیادی سبب ہے، حالانکہ ہماری بات مثل نور الٰہی ہے اور ان کی بات جھوٹ کا پلندہ اور کفر و ضلالت کا گھٹا ٹوپ اندھیرا، اس اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارتے رہیں۔ اور چراغ حق کو اپنے پھونکوں سے گل کرنے کی ہر ممکن کوشش کرلیں: ﴿وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ﴾ (اور اللہ اپنے نور کو پورا کرنا چاہتا ہے، چاہے کفار کو یہ بات کتنی ہی ناگوار گزرے)۔

(۱) الکفایۃ: ص ۱/۲۷۰۔

چوتھا باب
فتنہ انکار سنت اور منکرین کے شبہات اور ان کا ازالہ

اس باب میں ان امور سے بحث کی گئی ہے:

اوّل: تمہید: تدوین حدیث پر ایک طائرانہ نظر.

ثانی: فتنہ انکار سنت.

اور اس میں تین فصلیں ہیں:

پہلی فصل: دوسری صدی میں انکار سنت کا فتنہ.

دوسری فصل: حدیث نبوی کی صحت کے متعلق مستشرقین کے شکوک وشبہات.

تیسری فصل: بعض نام نہاد مسلمانوں کی سنت سے عداوت.

اوّل

تمہید: تدوین حدیث پر ایک طائرانہ نظر

ا سنت کی حفاظت کا نبوی حکم:

گزشتہ صفحات میں ہم یہ جان چکے ہیں کہ شریعت اسلامیہ کی بنیاد دو چیزوں پر ہے. ایک کتاب اللہ اور دوسری سنت رسول اللہ ﷺ. اور اللہ تعالیٰ نے حفاظت دین کی ذمہ داری لے کر دونوں کی حفاظت کا ذمہ لے لیا تھا، اس لئے رسول اللہ ﷺ کے لئے ضروری تھا کہ جس طرح آپ نے صحابہ کرام کو کتاب اللہ کے حفظ کا حکم دیا اور اس پر لوگوں کو آمادہ کیا اسی طرح سنت کی حفاظت کا بھی حکم دیں اور اس پر لوگوں کو ابھاریں.

چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے مرد و عورت، بڑے چھوٹے، اور آزاد و غلام کے درمیان فرق کئے بغیر اپنے اصحاب کو سنت کی تعلیم دی، اور یہ تعلیم ان کے دلوں میں سنت کی حفاظت کا شوق و جذبہ پیدا کرنے کے لئے کافی تھا، لیکن اس کے باوجود آپ نے اپنی زبان مبارک سے صحابہ کو محافظت حدیث کا خصوصی حکم دیا اور اس پر ان کو ابھارا.

ذیل میں اس معنی کے چند اخبار پیش کئے جا رہے ہیں:

ا ترمذی نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: «نضر الله امرء أ سمع منا شيئًا فبلغه كما سمعه فرُب مبلغ أوعى له من سامع» وقال: هذا حديث حسن صحيح. ''اللہ تعالیٰ اس شخص کو تر و تازہ رکھے جس نے مجھ سے کچھ سنا اور جس طرح سنا اس کو اسی طرح دوسروں تک پہنچا دیا، بہت سے پہنچائے جانے والے پہنچانے والے سے زیادہ سمجھدار ہوتے ہیں'' یہ حدیث حسن صحیح ہے.

قاری کہتے ہیں: حدیث سننے کے بعد اسی طرح دوسروں تک پہنچانے والے کے حق میں یہ دعا خاص ہے، کیونکہ اس نے علم کی اشاعت اور تجدید سنت کی کوشش کی ہے. اس کے عمل کی مناسبت سے اس دعاء کے ذریعہ مناسب معاوضہ دیا گیا ہے[1].

اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: «يحمل هذا العلم من كل خلف عدوله، ينفون عنه تحريف الغالين وانتحال المبطلين وتاويل الجاهلين» ''اس علم حدیث کو اخلاف میں سے عادل لوگ

(۱) مقدمہ تحفۃ الأحوذی: ص/٦.

پھیلائیں گے جو غلو کرنے والوں کی تحریف، منکرین کے انکار، اور جہلاء کے تاویلات سے محفوظ رکھیں گے''(١).

اس میں علم حدیث کے محفوظ ہونے کی خبر کے ساتھ صحابہ وتابعین کو اسے حفظ کرنے کی رغبت دلائی گئی ہے.

٢- ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «اللهم ارحم خلفائي قلنا: يا رسول الله من خلفاء ک؟ قال: الذين يروون أحاديثي ويعلمونها الناس» ''اے اللہ! ہمارے خلفاء پر رحم فرما، ہم لوگوں نے دریافت کیا: اے اللہ کے رسول! آپ کے خلفاء کون ہیں؟ آپ نے کہا: جو میری احادیث روایت کرتے اور لوگوں کو ان کی تعلیم دیتے ہیں''(٢).

لہذا ایک عالم سنت کا مطمح نظر حدیث کی نشر واشاعت ہونا چاہئے، اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے حدیث کی تبلیغ کا حکم دیا ہے اور راویان احادیث کو اپنے خلفاء کی حیثیت عطا کی ہے. اور اس حدیث میں سنت کو حفظ کرنے کی ترغیب بھی ہے.

٢. رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں کتابت حدیث:

اعدائے اسلام اور وہ مدعیان ایمان جن کے دلوں میں ایمان داخل نہیں ہوا ہمیشہ سادہ لوح مسلمانوں کے دلوں میں یہ بات بٹھانے کی کوشش کرتے رہے ہیں کہ سنت شرعی امور میں حجت نہیں ہے، اور اس کو ثابت کرنے کے لئے یہ دو دلیلیں پیش کرتے ہیں. ایک یہ کہ نبی اکرم ﷺ نے کتابت حدیث سے منع کیا تھا. اور دوسری یہ کہ اگر سنت اسلام میں حجت ہوتی تو قرآن کی طرح مصاحف میں مدون ومحفوظ کرلی جاتی مگر ایسا نہیں ہوا.

اور چونکہ ان لوگوں نے محض لفاظی کے ذریعہ حق کو چھپانے کی کوشش کی ہے، اس لئے حق وہدایت کی روشنی کے ذریعہ سنت کے روئے انور سے اس سیاہی کو دور کرنا ضروری ہوگیا ہے. اس ضمن میں سب سے پہلے میں ان احادیث قاطعہ کا ذکر کروں گا جو کتابت حدیث سے متعلق نبی اکرم ﷺ کی خاص وعام ہر قسم کی اجازت پر مشتمل ہیں.

---

(١) وزیر صنعانی فرماتے ہیں: یہ ابو ہریرہ، علی بن ابی طالب، عبد اللہ بن عمرو بن العاص، عبد اللہ بن عمر بن الخطاب، ابو امامۃ اور جابر بن سمرہ سے بطریق مرفوع ومسند مروی ہے. عقیلی نے اسے ابو ہریرہ اور عمرو بن عاص سے مسنداً روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کا مسنداً روایت کرنا ہی بہتر ہے. زین الدین عراقی نے اس کی سند کو ضعیف بتایا ہے. ابن قطان کے نزدیک ارسال اولی ہے. ابن عدی کہتے ہیں: ولید بن مسلم عن ابراہیم بن عبد الرحمٰن کے طریق سے ثقہ راویوں نے روایت کیا ہے. ذہبی فرماتے ہیں: اس حدیث کو معان یعنی ابن رفاعہ عن ابراہیم بن عبد الرحمٰن العذری التابعی کے ذریعہ کئی ایک لوگوں نے روایت کیا ہے. صنعانی فرماتے ہیں: اور قوی قول حدیث کا صحیح ہونا ہے. جیسا کہ امام المحدیث احمد بن حنبل اور علامہ ابن عبد البر نے فرمایا ہے. ملاحظہ ہو: الروض الباسم: ص/ ٢٠ ومابعدہا.

(٢) ملاحظہ ہو: المحدث الفاضل: ص/ ٥، مجمع الزوائد: ١/ ١٢٦.

اس کے بعد ان احادیث کا تذکرہ ہوگا جن سے کتابت حدیث کی ممانعت پر استدلال کیا جاتا ہے. پھر ان احادیث کے مابین جمع وتطبیق کی صورت بھی بیان کی جائے گی تاکہ معاملہ واضح اور حق ظاہر ہو جائے.

وہ احادیث جو عہد رسول میں کتابت حدیث کا ثبوت پیش کرتی ہیں:

۱- عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: اے اللہ کے رسول! ہم آپ سے کچھ احادیث سنتے ہیں جنہیں یاد نہیں کر پاتے تو کیا ہم انہیں لکھ لیا کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیوں نہیں ضرور لکھ لیا کرو''.

احمد کی ایک روایت میں ہے: میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں آپ سے کچھ سنتا ہوں اسے لکھ لیتا ہوں آپ ﷺ نے کہا: ''ہاں ٹھیک ہے''. میں نے کہا: آپ خوشی و ناراضگی میں بھی تو کچھ کہتے ہیں، آپ ﷺ نے کہا: ''ہاں کہتا ہوں، مگر دونوں حالتوں میں حق ہی کہتا ہوں''.

ابوداؤد اور دارمی کی روایت میں ہے: میں رسول اللہ ﷺ سے جو کچھ بھی سنتا اسے لکھ لیا کرتا تھا، لیکن قریش نے مجھے لکھنے سے منع کر دیا...... الحدیث. اس حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کہا: ''لکھو، اللہ کی قسم! اس سے (منہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) حق کے علاوہ کچھ نہیں نکلتا''[(۱)].

۲- ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ خزاعہ والوں نے فتح مکہ کے سال بنی لیث کے ایک شخص کو اپنے ایک شخص کے بدلے جسے ان لوگوں نے قتل کر دیا تھا مار ڈالا. رسول اللہ ﷺ کو جب اس کی خبر ملی تو فوراً وہاں پہنچے اور ایک خطبہ دیا جس میں آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے مکہ سے قتل یا فیل (واقعہ فیل کی طرف اشارہ ہے) روک دیا ہے''...... الحدیث، آخر حدیث میں ہے کہ اہل یمن کا ایک آدمی آپ کے پاس آیا اور کہا: اے اللہ کے رسول! میرے لئے یہ خطبہ لکھ دیجئے، آپ ﷺ نے کہا: ''ابو فلاں کے لئے یہ خطبہ لکھ دو''[(۲)].

۳- وہب بن منبہ اپنے بھائی سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو کہتے سنا: نبی اکرم ﷺ کے اصحاب میں سے کسی کے پاس مجھ سے زیادہ حدیث نہیں ہے، سوائے عبداللہ بن عمرو کے، کہ وہ لکھا کرتے تھے

---

(۱) ابوداؤد، العلم، باب فی کتابة العلم اور یہ حدیث حسن ہے، حدیث: ۳۶۴۶، دارمی: باب من رخص فی کتابة العلم: ۱/۱۲۵، احمد: ۲/۱۶۲، ۱۹۲، ۲۰۷.

(۲) رواہ البخاری: العلم، باب کتابة العلم، کتاب اللقطه، باب کیف تعرف لقطة مکه، کتاب الدیات، باب من قتل له قتیل فهو بخیر النظرین، ابوداؤد: الدیات، باب العمد یرضی بالدیة، حدیث ۴۵۰۵، ترمذی: العلم، باب ماجاء فی الرخصة فی کتابة العلم، حدیث: ۲٦٦۹.

اور میں لکھتا نہیں تھا(۱)۔

۴-ابوجحیفہ فرماتے ہیں میں نے علی رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا: کیا آپ کے پاس کوئی کتاب ہے؟ آپ نے کہا: نہیں، میرے پاس کتاب اللہ اور اس فہم کے سوا جو کسی مسلم آدمی کے حصہ میں آتا ہے اور جو اس صحیفہ میں ہے کسی دوسری کتاب میں نہیں ہے، میں نے پوچھا اس صحیفہ میں کیا ہے؟ آپ نے کہا: دیت، قیدی کی رہائی اور کافر کے بدلے مسلم کو قتل نہ کئے جانے کے احکام درج ہیں(۲)۔

۵-ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم اپنے والد سے اور وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اہل یمن کے پاس خط لکھا جس میں یہ تحریر تھا "جس نے کسی مومن کو ظلماً قتل کیا اس سے قصاص لیا جائے گا، اِلّا یہ کہ مقتول کے اولیاء قصاص نہ لینے پر راضی ہو جائیں"(۳)۔

۶-عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے صدقہ کے احکام لکھوائے مگر عمال کے حوالے کرنے سے قبل ہی آپ کا انتقال ہو گیا، تو آپ کے بعد ابوبکر نے ان احکام کو نکالا اور تاحیات اس پر عمل پیرا رہے، پھر ان کے بعد عمر نے نکالا اور تاحیات اس پر عمل کرتے رہے۔الحدیث(۴)۔

۷-عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں: ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے اردگرد بیٹھے لکھ رہے تھے کہ ایک شخص نے آپ سے سوال کیا ان دوشہروں میں سے کون پہلے فتح کیا جائے گا قسطنطنیہ یا رومیہ؟(۵)۔

۸-مسلم بن حارث بن مسلم تمیمی اپنے والد کے حوالہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ہم لوگوں کو ایک سریہ میں شرکت کے لئے ارسال کیا، جب ہم لوگ حملہ کی جگہ پہنچے تو میں نے اپنے گھوڑے کی رفتار تیز کر دیا اور

---

(۱) بخاری: العلم، باب كتابة العلم، ترمذی: العلم: باب ما جاء في الرخصة في كتابة العلم، حدیث: ۲۶۷۰۔

(۲) بخاری: العلم، باب كتابة العلم، الجهاد، باب فكاك الأسير، الديات، باب العاقله، وباب لا يقتل مسلم بكافر، مسلم: الحج، باب فضل المدينة، كتاب العتق، باب تحريم تولي العتيق غير مواليه، حدیث: ۱۳۷۰، ابوداؤد: المناسک باب في تحريم المدينة، حدیث: ۲۰۳۴، ۲۰۳۵، ترمذی: كتاب الولاء والهبة، باب ما جاء فيمن تولى غير مواليه، ۲۱۲۸۰، نسائی: كتاب القسامة، باب سقوط القود من المسلم للكافر: ۲۳/۸۔

(۳) نسائی: كتاب القسامة، باب من قتل بحجر أو سوط وإسناده حسن: ۵۸/۸، دارمی: كتاب الديات، باب الدية في قتل العمد: ۱۸۸/۲۔

(۴) ابوداؤد: كتاب الزكاة، باب زكاة السائمة، حدیث: ۱۵۶۹، زہری نے مرسلاً روایت کیا ہے: ۱۵۷۰، ترمذی: كتاب الزكاة، باب في زكاة الإبل والغنم، حدیث: ۶۲۱، اسے احمد، دارمی، حاکم، ابن ماجہ ودیگر محدثین نے بھی روایت کیا ہے۔

(۵) امام احمد: ۱۷۶/۲، دارمی: باب من رخص في كتابة العلم: ۱۲۶/۱۔

اپنے ساتھیوں سے آگے نکل گیا.اور قبیلہ حی بن رزین سے ملاقات ہوگئی، میں نے ان سے کہا: تم لوگ «لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰہ» کہو محفوظ رہو گے. میرے ساتھیوں نے کہا: تم نے ہمیں غنیمت سے محروم کردیا. جب سب لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو لوگوں نے میرے اس فعل کے متعلق آپ کو بتایا. آپ نے مجھے بلا کر میرے اقدام کی تعریف کی اور فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ہر فرد کی ہدایت کے بدلے تمہارے نامۂ اعمال میں یہ اجر لکھ دیا ہے. عبدالرحمٰن کا قول ہے: میں ثواب کو بھول گیا. اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں تمہارے حق میں آنے والے خلفاء کے نام سے ایک سفارشی خط لکھ دوں گا. راوی کا کہنا ہے کہ آپ نے لکھا اور اس کو سربہ مہر کرکے میرے حوالہ کردیا[1].

یہ اور اس طرح کی دیگر احادیث سے یہ بات پوری طرح سمجھ میں آجاتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بہت سے مقامات اور مختلف مواقع و مناسبات پر حدیث لکھنے کی اجازت دی ہے.

لیکن ہمارے سامنے کچھ اس طرح کی احادیث بھی ہیں جن سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کتابت حدیث سے منع فرمایا ہے، مگر یقیناً یہ احادیث اپنے اطلاق پر محمول نہیں کئے جائیں گے. میں ذیل میں ان احادیث کو ذکر کرنے کے بعد ان کے مابین توفیق کی صورت بھی بیان کروں گا، جس سے یہ واضح ہو جائے گا کہ اصلاً کتابت حدیث جائز ہے.

کراہت کتابت سے متعلق احادیث:

۱- ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «لَا تكتبوا عنّي شيئًا غير القرآن فمن كتب عنّي شيئًا غير القرآن فليمحه» ''قرآن کے علاوہ مجھ سے کچھ بھی نہ لکھو جس نے مجھ سے کچھ لکھا ہے وہ اسے مٹا دے''[2].

۲- زید بن ثابت رضی اللہ عنہ امیر معاویہ کے پاس گئے انہوں نے آپ سے ایک حدیث کے متعلق سوال کیا اور ایک شخص کو اسے لکھنے کا حکم دیا. زید بن ثابت نے ان سے کہا: رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حدیث نہ لکھنے کا حکم دیا تھا. چنانچہ اس حدیث کو مٹا دیا گیا[3].

---

(۱) ابوداؤد: كتاب الأدب، باب ما يقول إذا أصبح، اور اس کے رجال ثقہ ہیں، حدیث: ۵۰۸۰.

(۲) جامع بیان العلم، ج۱ ص۷۶، تقیید العلم، ص:۲۹ بطرق مختلفہ، اور اسے مسلم نے كتاب الزهد، باب التثبت في الحديث وحكم كتابة العلم میں جگہ دیا ہے حدیث: ۳۰۰۴، دارمی: باب من لم یر كتابة الحديث: ۱/۱۱۹.

(۳) جامع بیان العلم: ۱/۷۶، تقیید العلم: ۳۶/۵، اور اس کو ابوداؤد نے کتاب العلم، باب في كتاب العلم، حدیث: ۳۶۴۷ کے تحت روایت کیا ہے اور اس کی سند ضعیف ہے.

۳-ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ہم لوگ احادیث لکھ رہے تھے اسی دوران رسول اللہ ﷺ باہر نکلے اور فرمایا: تم لوگ کیا لکھ رہے ہو؟ ہم لوگوں نے جواب دیا: آپ سے سنی ہوئی حدیثیں ہیں، آپ نے کہا: کتاب اللہ کے علاوہ کتاب؟ تم لوگ جانتے ہو، اگلی امتیں اسی وجہ سے تو گمراہ ہوئیں کہ وہ کتاب اللہ کے ساتھ دوسری باتیں بھی لکھا کرتے تھے (۱).

اور اس سے پہلے یہ ذکر ہو چکا ہے کہ نبی اکرم ﷺ سے کتابت حدیث کی اجازت قطعی طور پر ثابت ہے لہذا علماء نے ممانعت والی احادیث کا جواب دینے کی کوشش کی ہے. درج ذیل سطور میں ان کے آراء بیان کئے جارہے ہیں:

پہلی رائے: بعض علماء نے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث کا یہ جواب دیا ہے کہ حقیقتاً وہ ابو سعید خدری پر موقوف ہے، یہ بخاری اور بعض دوسرے علماء کا قول ہے (۲).

لیکن محقق احمد محمد شاکر کا کہنا ہے کہ یہ مناسب حکم نہیں ہے بلکہ حدیث صحیح ہے.

دوسری رائے: یہ ممانعت غیر قرآن کو قرآن کے ساتھ ایک ہی صحیفہ میں لکھے جانے کے تعلق سے ہے جبکہ اجازت دونوں کو الگ الگ لکھنے کے لئے ہے.

حافظ ابن حجر نے اجازت اور ممانعت والی حدیثوں کے درمیان تعارض کو دو طریقوں سے دور کیا ہے:

۱-کتابت حدیث کی ممانعت نزول قرآن کے وقت کے ساتھ خاص ہے اور ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ قرآن کے ساتھ غیر قرآن کا التباس نہ ہو. اور لکھنے کی اجازت دیگر عام حالات میں تھی.

۲-ممانعت والی حدیثیں پہلے کی ہیں جبکہ اجازت کی حدیثیں بعد کی ہیں، اس لئے التباس کا خطرہ نہ ہونے کی صورت میں اجازت والی حدیث ممانعت والی حدیث کے لئے ناسخ ثابت ہوگی.

محقق کبیر علامہ احمد شاکر جواز کتابت والی احادیث نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ''یہ احادیث اور ان پر بیشتر صحابہ و تابعین کا عمل پھر جواز کتابت پر امت کا اتفاق، یہ تمام آثار و قرائن ابو سعید خدری کی حدیث کو منسوخ ثابت کرتے ہیں، اور یہ بتاتے ہیں کہ ممانعت والی بات ابتدائے امر کی ہے جس وقت قرآن سے غافل ہو جانے کا اور غیر قرآن کا قرآن کے ساتھ اختلاط والتباس کا خطرہ تھا. اور ابو شاہ کی حدیث رسول اللہ ﷺ کی زندگی کے آخری ایام کی

(۱) تقیید العلم: ص ر ۳۳، امام احمد نے بھی مسند میں روایت کیا ہے: ۳ ر ۱۲.

(۲) ملاحظہ ہو: تحفۃ الأحوذی کا مقدمہ: ص ر ۲۱ اور الباعث الحثیث: ص ر ۱۳۲.

ہے، اور ابو ہریرہ کا جو کہ خود متاخر اسلام ہیں یہ کہنا کہ "عبداللہ بن عمرو لکھتے تھے اور میں نہیں لکھتا تھا" یہ ظاہر کرتا ہے کہ عبداللہ بن عمرو ابو ہریرہ کے اسلام لانے کے بعد لکھتے تھے. اگر ابو سعید خدری کی ممانعت والی حدیث جواز والی احادیث سے متأخر ہوتی تو یقیناً وہ صحابہ میں معروف ہوتی، نیز اس بات پر کہ اجازت ہی آخری حکم ہے قطعی قرینہ تو پایا ہی جاتا ہے. اس کے علاوہ اس پر امت کا اجماع بھی ہو چکا ہے. ایسا ویسا اجماع نہیں بلکہ صدر اول کے بعد کے تمام مذاہب اور جماعتوں کے ائمہ سے تواتر عملی کے ذریعہ یہ اجماع ثابت ہے (۱).

تیسری رائے: ممانعت نزول قرآن کے وقت کے ساتھ خاص ہے کہ اس وقت التباس کا خطرہ زیادہ تھا، اور اجازتِ کتابت دوسری حالتوں میں ہے (۲).

چوتھی رائے: اس کو ابن قتیبہ نے ذکر کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ ممکن ہے ممانعت کتابت عام ہو، لیکن اچھے قاری اور عمدہ کاتب کو جو کتابت میں غلطی نہیں کرتا ہو اور اس سے غلط بیانی کا خطرہ نہ ہو، لکھنے کی اجازت دے کر اسے خاص کر دیا ہو. جیسے عبداللہ بن عمرو بن عاص ہیں جنہیں رسول اللہ ﷺ نے غلطیوں سے مامون پایا اور کتابتِ حدیث کی اجازت دے دی (۳).

میں کہتا ہوں: جہاں تک پہلی رائے کا سوال ہے تو وہ درست نہیں ہے اس لئے کہ حدیث صحیح ہے اور مسلم نے اس کو اپنی صحیح میں مرفوعا روایت کیا ہے. البتہ وہ منسوخ ہے جیسا کہ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا ہے. جہاں تک دوسرے آراء کا تعلق ہے تو سب کو درست کہا جا سکتا ہے اس طرح کہ نبی اکرم ﷺ نے ابتدائے اسلام میں لکھنے سے اس لئے منع فرما دیا تھا تا کہ لوگ اس کی وجہ سے حفظ قرآن سے بے توجہی نہ برتنے لگیں. یا آپ نے ایک ہی صحیفہ میں قرآن اور حدیث کو لکھنے سے منع کیا تھا تا کہ کہیں قرآن کا غیر قرآن سے التباس نہ ہو جائے. یا پھر یہ کہیں کہ ممانعت صرف ان لوگوں کے لئے تھی جن سے قرآن و حدیث کے مابین اختلاط کا خطرہ تھا اور کتابت حدیث کی اجازت ان لوگوں کے لئے تھی جن سے اس قسم کے اختلاط کا خطرہ نہیں تھا. اور جب مسلمانوں نے قرآن کو محفوظ کر لیا اور قرآن کو حدیث سے الگ کر چکے تو اس کے بعد کتابتِ حدیث کی عام اجازت دے دی گئی. اور اس بات سے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی وفات سے پہلے ایک ایسی کتاب لکھوانے کی خواہش کی تھی جس کے بعد لوگ گمراہ نہیں ہوں گے اس کی تائید ہوتی ہے.

---

(۱) الباعث الحثیث: ص/ ۱۳۳.

(۲) مقدمہ تحفۃ الأحوذی: ۱/ ۳۹.

(۳) تأویل مختلف الحدیث: ص/ ۲۸۶-۲۸۷.

۳-عصر نبوی میں سنت کی عدم تدوین کے اسباب:

سنت نبویہ کے سلسلے میں ان لوگوں کا دوسرا شبہ یہ ہے کہ اگر اسلام میں سنت حجت ہوتی تو قرآن کریم کی طرح اسے بھی مصاحف کی شکل میں جمع کیا جاتا اور اسی کے مانند اس کی بھی تدوین عمل میں آتی، لیکن یہ شبہ بالکل بے وزن اور بے وقعت ہے، اس لئے کہ ہم جانتے ہیں کہ ابتدائے اسلام میں رسول اللہ ﷺ کی تمام تر کوششیں اس جانب مرکوز تھیں کہ جس طرح سے بھی ہو قرآن کریم کو سینوں اور صحیفوں میں محفوظ کر دیا جائے، چنانچہ جب بھی کوئی آیت نازل ہوتی اس کی آپ صحابہ کرام پر تلاوت فرماتے اور وہ لوگ اسے حفظ کرتے اور آپس میں ایک دوسرے کو پڑھاتے اور پڑھتے رہتے تھے. صحابہ جانتے تھے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا معجز کلام ہے جو نبی اکرم ﷺ پر نازل ہوا ہے، تا کہ وہ اس آخری دین کے لئے اساس اوّل ثابت ہو، چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے لئے ضروری تھا کہ وہ لوگوں کو اس کی طرف راغب کریں اور انہیں اس کو یاد کرنے کا حکم دیں اور اس سلسلے میں ہمیشہ لوگوں کی نگرانی کرتے رہے اور جب لوگوں کو دوسری طرف متوجہ ہوتے دیکھیں تو انہیں قرآن کی اہمیت کا احساس دلائیں، تا کہ ان کے دلوں میں قرآن کی حقیقی قدر و منزلت راسخ ہو جائے اور وہ اپنی تمام تر کوششیں حفظ کتاب میں صرف کریں، اس لئے کہ ان پر یہ ذمہ داری عائد ہونے والی ہے کہ انہوں نے جس طرح قرآن کو سنا ہے اسی طرح اس کو اپنے بعد والوں تک پہنچائیں.

قرآن کریم کو سینوں اور صحیفوں میں محفوظ کرنے کی طرف صحابہ کرام کا متوجہ ہونا، اور اس کے لئے ہر کام کو پس پشت ڈال دینا دراصل رسول کی تعلیم و تربیت کا نتیجہ تھا، اور آپ کے ان نامور تلامذہ نے آپ کی ہدایت وارشاد کے عین مطابق اس کارنامہ کو انجام دیا تھا، اس وقت قرآن کریم ہی ان کے ذہن و دماغ پر چھایا ہوا تھا اور اسی کام میں ان کے اوقات صرف ہو رہے تھے. نیز اس وقت حدیث کی کثرت کا عالم یہ تھا کہ اسے شمار کرنا بھی مشکل تھا، ہر واقعہ سے متعلق آپ کا قول موجود تھا اور ہر قسم کے استفتاء کی وضاحت موجود تھی، نیز بیشتر آیات قرآنیہ کی تفسیر وتشریح بھی پائی جاتی تھی. ایسے حالات میں کاتبین وحی کے پاس اتنا وقت کہاں تھا کہ وہ آپ کے جملہ فرمودات و معمولات وتقریرات کو قید تحریر میں لاسکیں.

ابتدائے امر میں کتابت حدیث کی ممانعت:

مذکورہ بیان سے یہ معلوم ہوا کہ نبی اکرم ﷺ سے مروی ممانعت کی احادیث دراصل ابتدائے اسلام میں اصحاب رسول کے لئے قلیل المدت نبوی پالیسی تھی، جس کا مقصد یہ تھا کہ صحابہ کرام اپنی تمام تر توجہات قرآن کریم کی طرف مرکوز رکھیں، اور کبھی یہ ممانعت ان لوگوں کے لئے ہوتی تھی جو قرآن وغیر قرآن کے مابین تمیز نہیں کر سکتے تھے.

اور یہ توجیہ اس لئے بھی درست معلوم ہوتی ہے کیوں کہ ہم جانتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے بعض ان صحابہ کرام کو لکھنے کی اجازت مرحمت فرمائی تھی جو لکھنا جانتے تھے اور جن کے متعلق آپ کو معلوم تھا کہ وہ قرآن اور غیر قرآن کے درمیان خلط ملط نہیں کریں گے.

نیز لکھنے والوں کی کمی اور وسائل کتابت کی نایابی بھی بلا شک وشبہ کتابت حدیث کے راستہ میں ایک بڑی رکاوٹ تھی، صحابہ کرام کو تو قرآن ہی کے لکھنے میں بہت ساری مشقتوں اور پریشانیوں کو گوارا کرنا پڑا تھا، کیونکہ انہیں لخاف (۱) عسب (۲)، اکتاف (۳)، اقتاب (۴) اور قطع ادیم (۵) پر قرآن کریم کو لکھنا پڑتا تھا.

اگر ان کی کوششیں قرآن اور غیر قرآن کے درمیان منقسم ہو جاتیں تو لکھنے والوں کی قلت اور وسائل کتابت کی ندرت کی بنا پر یقیناً قرآن کے لکھنے اور حفظ کرنے کا عمل سُست پڑ جاتا.

یہ بات بھی قابل غور ہے (خاص کر جب ہم یہ کہتے ہیں کہ ممانعت شروع میں تھی پھر منسوخ کر دی گئی، اور یہ کہ حدیث کے الفاظ اعجاز وتحدّی کے لئے نہیں تھے) کہ قوت حافظہ اور اعلیٰ ذہانت میں اس قوم کا کوئی ثانی نہ تھا، ابن عباس رضی اللہ عنہما کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انہوں نے عمر بن ربیعہ کے قصیدے کو ایک مرتبہ سُن کر یاد کر لیا تھا. ذوالرمہ کے متعلق مشہور ہے کہ وہ اپنی تحریری صلاحیت کو چھپاتا پھرتا تھا کیوں کہ لوگ اسے عیب میں شمار کرتے تھے، مختصر یہ کہ ان کا حافظہ ہی ان کے علم کا پاسبان ونگہبان تھا ان کی کاپیاں اور دفاتر نہیں.

یہی وجہ ہے کہ اکثر صحابہ احادیث نبویہ کے حفظ میں اپنی قوت حافظہ ہی پر بھروسہ کرتے تھے. اس کے علاوہ ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ صحابہ کرام میں ایک اچھی خاصی تعداد ان لوگوں کی تھی جو رسول اللہ ﷺ سے جو کچھ سنتے یا دیکھتے اسے فوراً قید تحریر میں لے آتے تھے. چنانچہ اس کے بعد یہ دعویٰ کرنا کہ آپ کے دور میں کتابت حدیث کا مطلقا کوئی کام نہیں ہوا صحت سے خالی ہے. اس کے برعکس بعض صحابہ نے تو آپ کی زندگی ہی میں کچھ احادیث لکھ لیا تھا. اور کچھ لوگوں نے آپ کے اذن خاص سے لکھا تھا لیکن اکثر لوگوں نے ان احادیث کو جنہیں آپ کی زندگی کے آخری سالوں میں جمع کیا تھا تب لکھنا شروع کیا جب ہر اس شخص کو لکھنے کی عام اجازت دے دی گئی جو لکھنے میں دلچسپی رکھتے تھے اور

---

(۱) اللخاف: (سفید پتھروں).
(۲) العسب (کھجور کی پتوں).
(۳) اکتاف (ہڈیوں).
(۴) اقتاب: (لکڑیوں).
(۵) قطع ادیم: (چمڑے کے ٹکڑوں).

اس پر قادر بھی تھے. احادیث وسیر کی کتابوں میں بعض ایسے صحیفوں کا ذکر ملتا ہے جنہیں صحابہ نے خود تحریر کیا ہے.

سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے پاس ایک صحیفہ تھا جس میں رسول اللہ ﷺ کی کچھ احادیث تحریر تھیں. سمرہ بن جندب نے بہت سی احادیث بہت سے نسخوں میں لکھ رکھا تھا. جابر بن عبداللہ کے پاس بھی ایک صحیفہ تھا.

عہد نبوی میں لکھے جانے والے صحیفوں میں عبداللہ بن عمرو بن عاص کا ''صحیفہ صادقہ'' سب سے زیادہ مشہور ہے. عبداللہ بن عباس نے رسول کی بہت سی سنتوں وسیرتوں کے لکھنے کا اہتمام کیا تھا.

اس اعتراف کے باوجود کہ عہد نبوی میں رسمی طور پر لکھنے کا کام عمل میں نہیں آیا، لیکن یہ حقیقت ہے کہ اس عہد میں بہت سی احادیث لکھی گئی تھیں اور جو نہیں لکھی جا سکیں انہیں صحابہ نے اپنے سینوں میں محفوظ کر لیا اور انہیں تابعین تک پہنچا دیا جن کے ہاتھوں ان کی کتابت وتدوین کا کام انجام پایا[۱].

۴. عصر صحابہ میں کتابت حدیث:

۱- ہم یہ جان چکے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی ہی میں صحابہ کرام کی ایک معتد بہ تعداد نے سنت کو لکھنے کا کام شروع کر دیا تھا. ان میں سے کچھ لوگوں نے آپ کی خاص اجازت کے بعد لکھا اور اکثر نے آپ کی حیات مبارکہ کے آخری سالوں میں لکھا تھا اور احادیث وسیر کی کتابوں نے صحابہ کے لکھے ہوئے کچھ صحیفوں کا ذکر بھی کیا ہے.

۲- امام بخاری نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ بحرین بھیجتے وقت ابوبکر نے ان کے لئے یہ کتاب تحریر فرمائی تھی:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم. یہ زکوۃ کے احکام ہیں جسے رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں پر فرض کیا ہے اور جس کا اللہ اور اس کے رسول نے حکم دیا ہے. اگر مسلمانوں سے مقررہ مقدار کے مطابق طلب کیا جائے تو چاہئے کہ ادا کریں اور اگر اس سے زیادہ وصول کیا جائے تو نہ دیں[۲].

۳- دارمی نے بشیر بن نہیک سے روایت کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں: میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے جو کچھ سنتا اسے لکھ لیا کرتا تھا، لیکن جب ان سے جدا ہونے کا وقت آیا تو میں ان کے پاس اس کتاب کو لے کر حاضر ہوا اور ان پر پڑھنے کے بعد میں نے کہا: یہ آپ ہی سے سنی ہوئی احادیث ہیں آپ نے کہا: ہاں[۳].

(۱) ملاحظہ ہو: تدوین الحدیث: ص/ ۲۴-۲۶ اور علوم الحدیث ومصطلحہ: ص/ ۲۳-۳۲.

(۲) بخاری: کتاب الزکاۃ، باب زکاۃ الغنم، اس کے علاوہ دوسرے ابواب میں بھی روایت کیا ہے. ابوداؤد: کتاب الزکاۃ، باب فی زکاۃ السائمۃ، حدیث: ۱۵۶۷، نسائی: الزکاۃ، باب زکاۃ الابل: ۵/ ۱۸.

(۳) دارمی: باب من رخص فی کتابۃ العلم: ۱/ ۱۲۷.

دارمی ہی نے سعید بن جبیر سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں: میں مکہ کے سفر میں ابن عباس کے ساتھ تھا، وہ مجھ سے حدیث بیان کر رہے تھے اور میں اسے کجاوے کی لکڑی کے اگلے حصے پر لکھ رہا تھا حتی کہ صبح ہوگئی اور میں لکھ ہی رہا تھا[(۱)].

۴-صحیح اخبارات کے ذریعہ کتابت حدیث کی اجازت بعض دوسرے صحابہ سے بھی منقول ہے. ان میں ام المؤمنین عائشہ، معاویہ بن ابی سفیان، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، براء بن عازب، حسن بن علی رضی اللہ عنہم اجمعین کا نام نامی سرفہرست ہے[(۲)].

کراہیتِ کتابت کے سلسلے میں صحابہ سے منقول مرویات:

۱-عروہ بن زبیر سے روایت ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے سنن رسول کو قید تحریر میں لانے کا ارادہ کیا. اور انہوں نے اس سلسلے میں اصحابِ رسول سے مشورہ کیا اور سب نے انہیں لکھنے کا مشورہ دیا. اس کے باوجود عمر رضی اللہ عنہ لگاتار ایک ماہ تک استخارہ کرتے رہے، ایک روز صبح میں آپ نے کہا: میں نے سنن رسول کو لکھنے کا پختہ ارادہ کرلیا تھا، لیکن مجھے تم سے پہلے کی ایک قوم کا خیال آیا جس نے کچھ کتابیں لکھیں اور انہیں پر تکیہ کرلیا، اور کتاب اللہ کو پس پشت ڈال دیا. اللہ کی قسم میں کتاب اللہ کو کسی دوسری چیز کے ساتھ ملتبس ہونے نہیں دوں گا[(۳)].

۲-قاسم بن محمد کی روایت ہے کہ جب لوگوں میں کچھ کتابوں کے پائے جانے کی خبر عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو ملی تو انہوں نے اسے اچھا نہیں سمجھا اور اس کا انکار کیا. پھر لوگوں سے مخاطب ہوکر فرمایا: مجھے خبر ملی ہے کہ آپ لوگوں کے پاس کچھ کتابیں ہیں، دیکھو! ان میں جو سب سے زیادہ صحیح اور مبنی بر عدل ہے وہی اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے، تم میں سے ہر شخص اپنی کتاب میرے سامنے پیش کرے میں اس میں غور کروں گا. راوی کہتے ہیں: لوگ یہ سمجھے کہ وہ ان کتابوں کی جانچ پڑتال کریں گے اور جو اختلاف سے بری ہوگی اسے باقی رکھیں گے. جب لوگوں نے اپنی کتابیں جمع کرادیں تو آپ نے سبھوں کو جلا ڈالا اور کہا: یہ یہود و نصاریٰ کی نقالی ہے[(۴)].

۳-ابوشعثاء محاربی سے روایت ہے کہ ابن مسعود کتابت علم کو ناپسند کرتے تھے[(۵)].

---

(۱) دارمی: باب من رخص فی کتابة العلم: ۱/۱۲۷.

(۲) سنن الدارمی: باب من رخص فی کتابة العلم، اس باب کے تحت حدیث کی دیگر کتابوں میں بھی یہ حدیث پائی جاتی ہے.

(۳) تقیید العلم: ص/۴۹.

(۴) مصدر سابق: ص/۵۲.

(۵) مصدر سابق: ص/۳۸، اور جامع البیان: ۱/۷۶.

۴-سعید بن ابوالحسن فرماتے ہیں: اصحاب رسول میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ حدیث رسول کا جاننے والا کوئی نہیں تھا۔اور مروان نے مدینہ کی گورنری کے زمانہ میں ان کی حدیثوں کو لکھنے کا ارادہ کیا تو انہوں نے صاف انکار کر دیا اور فرمایا: ''ہم جس طرح روایت کرتے آئے ہیں اسی طرح تم بھی روایت کرو''.

۵-ابن طاؤس اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نجران کے ایک شخص نے ابن عباس سے سوال کیا، ابن عباس کو اس کا سوال بڑا اچھا لگا، اس آدمی نے ابن عباس سے کہا: اس کو میرے لئے لکھ دیجئے، ابن عباس نے کہا: ہم علم کو لکھا نہیں کرتے.

۶-ابو بردہ ابوموسیٰ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا: بنی اسرائیل نے کتابیں لکھیں اور انہی کی پیروی کرنے لگے اور تورات کو پس پشت ڈال دیا[1].

اس قسم کے اور بھی بہت سے اخبار و آثار ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت سے صحابہ کتابتِ حدیث کو ناپسند کرتے ہیں اور ان میں سے بعض اخبار کی صحت میں ہمیں کوئی شک بھی نہیں ہے. بلکہ ہم یقین کے ساتھ کہتے ہیں کہ بعض صحابہ کی جانب سے احادیث لکھے جانے کی مخالفت ہوئی ہے. لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ جن لوگوں سے ممانعت کتابت منقول ہے ان میں سے بیشتر اوائل صحابہ میں سے ہیں اور ان کی مخالفت کا اس کے علاوہ کوئی دوسرا سبب نہیں کہ قرآن کا زیادہ سے زیادہ اہتمام کیا جائے اور اسے چھوڑ کر دوسرے کاموں میں مشغول نہ ہوا جائے.

ابن عبدالبر ممانعت کتابت والی روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: جن لوگوں نے بھی کتابت حدیث کو ناپسند کیا ہے انہوں نے دو وجہوں سے ایسا کیا ہے. ایک تو یہ کہ قرآن کے ساتھ کوئی ایسی کتاب وجود میں نہ آجائے جس سے اس کا مقابلہ کیا جانے لگے، اور دوسری وجہ یہ تھی کہ لکھنے والا مکتوب پر بھروسہ کر کے حفظ پر توجہ ہی نہ دے اور قوتِ حفظ کمزور ہو جائے[2].

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کے قول: «ما كنا نكتب شيئًا غير القرآن والتشهد» ''کہ ہم تشہد اور قرآن کے علاوہ دوسری کوئی چیز نہیں لکھتے تھے''، نقل کرنے کے بعد خطیب بغدادی کہتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ ابو سعید وہی شخص ہیں جو رسول اللہ ﷺ سے یہ روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: «لا تكتبوا عني غير القرآن ومن كتب عني غير القرآن فليمحه» ''قرآن کے علاوہ مجھ سے کچھ نہ لکھو اگر کسی نے کچھ لکھا ہے تو اسے مٹا دے''.

(۱) تقیید العلم، ص: ۵۴.
(۲) جامع بیان العلم: ۱/ ۸۲.

نیز وہ خود ہی کہہ رہے ہیں کہ وہ لوگ قرآن اور تشہد لکھا کرتے تھے. اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ قرآن کے علاوہ دوسری چیزوں کے لکھنے کی ممانعت کے اسباب وہی ہیں جنہیں ہم بیان کر چکے ہیں. یعنی کتاب اللہ کا کوئی مقابل نہ بن جائے اور غیر قرآن میں مشغول ہو کر کتاب اللہ کو پس پشت نہ ڈال دیا جائے. مگر جب قرآن کریم ان چیزوں سے مامون ہو گیا اور علوم کو قید تحریر میں لانے کی ضرورت محسوس کی گئی تو پھر لکھنا ممنوع نہیں رہا جس طرح تشہد لکھنا ممنوع نہیں تھا اور قرآن کا حصہ نہ ہونے میں تشہد و غیر تشہد کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے. اور یہ کہ صحابہ نے جس طرح کتابت حدیث کو احتیاطاً ناپسند قرار دیا تھا، اسی طرح صحابہ کی لکھی ہوئی کتابیں یا ان کے لکھے ہوئے علوم اور حدیث لکھنے کا ان کا حکم یہ سب بھی احتیاط پر ہی مبنی تھا[1].

آپ دیکھیں گے کہ کتابت حدیث کی مخالفت ان لوگوں نے عدم جواز کی وجہ سے نہیں کیا تھا بلکہ قرآن کریم کی حفاظت کے تعلق سے اختیار کی جانے والی ان کی حکمت عملی کا ایک حصہ تھا. کتابت حدیث کے عزم کے بعد عمر رضی اللہ عنہ کا یہ کہنا «لا كتاب مع كتاب الله» ''کہ کتاب اللہ کے ساتھ ہمیں کوئی دوسری کتاب منظور نہیں'' اس بات کی واضح دلیل ہے کہ وہ جواز کتابت کے قائل تھے. اور انہوں نے اپنے اجتہاد سے اس بنا پر اس کو ترک کر دیا تھا کہ کہیں قرآن کے ساتھ دوسری چیز بھی ملتبس نہ ہو جائے اور لوگ قرآن سے غافل نہ ہو جائیں.

مالک فرماتے ہیں: وہ لوگ لکھتے نہیں تھے بلکہ یاد کیا کرتے تھے، اگر کوئی کچھ لکھتا بھی تو اسے یاد کرنے ہی کے لئے اور لکھنے کے بعد مٹا دیا کرتا تھا. یعنی وہ لوگ التباس کے خوف سے لکھنے کو ناپسند کرتے تھے.

اور اس بات کی دلیل میں (کہ ان کا یہ عمل احتیاط پر مبنی اور قرآن کی حفاظت کی خاطر تھا) ان روایات کو پیش کیا جا سکتا ہے جو ابو بکر و عمر و دیگر صحابہ سے مروی ہیں اور جن میں ان لوگوں نے علم کو قید تحریر میں لانے کی رغبت دلائی ہے. اور ان روایات کو ہم اس پر محمول کریں گے کہ اس وقت تک قرآن کی حفاظت کا کام مکمل ہو چکا تھا اور التباس کا کوئی خطرہ باقی نہیں تھا.

۱- عبد اللہ بن سفیان اپنے چچا کے حوالہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے سنا: «قيدوا العلم بالكتاب» ''علم کو لکھ کر محفوظ کر لو''[2].

۲- انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کو احکامِ زکاۃ لکھ کر دیا تھا، جن کو رسول نے

---

(۱) تقیید العلم: ص: ۹۳.

(۲) مصدر سابق: ص/ ۸۸.

اپنی زندگی میں جاری کیا تھا[۱].

۳-انس بن مالک اپنے بیٹے سے کہا کرتے تھے اے میرے بیٹے علم کو لکھ کر محفوظ کرلو[۲].

۴-بشیر بن نہیک کہتے ہیں کہ میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے احادیث سنا کرتا تھا جب میں نے ان سے جدا ہونے کا ارادہ کیا تو ان احادیث کو لے کر آپ کے پاس آیا اور کہا: یہ وہی حدیثیں ہیں نا جو میں آپ سے سنا کرتا تھا؟ انہوں نے فرمایا: ہاں[۳].

علاوہ ازیں وہ لوگ قوت حفظ وذکاء میں شہرت کے حامل تھے. اس سلسلے میں ابن عباس کی ایک روایت گزرچکی ہے کہ انہوں نے ایک ہی سماع میں عمرو بن ربیعہ کے قصیدے کو حفظ کرلیا تھا، غرضیکہ وہ لوگ لکھی ہوئی اور اوراق میں محفوظ باتوں پر اعتماد کرنے کے بجائے پہلے انہیں حفظ کرنے اور اپنے قلب وذہن میں نقش کرنے کی طرف متوجہ ہوتے تاکہ قرآن کریم ہی کی طرح اس علم کی حفاظت ہوسکے.

نیز سلسلہ اسناد کے قریب ہونے کے ساتھ عہد رسول بھی قریب تھا، اس لئے انہیں کتاب پر بھروسہ کرنے سے منع کردیا گیا تاکہ قوتِ حافظہ میں خلل واضطراب پیدا نہ ہو. جب کتاب نہیں ہوگی تو حافظہ میں پختگی آئے گی جو کہ ہر جگہ انسان کے ساتھ موجود ہوتا ہے.

ممانعت کتابت کی دلیل میں یہ بھی پیش کیا جاتا ہے کہ جب مروان نے مدینہ کی گورنری کے زمانہ میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیثوں کو لکھنے کا ارادہ کیا تو انہوں نے صاف انکار کردیا اور کہا: جس طرح ہم لوگ روایت کرتے ہیں اسی طرح تم بھی روایت کرو[۴].

لیکن یہ ثابت ہوچکا ہے کہ ممانعت کتابت کا حکم علی العموم نہیں ہے، بلکہ یہ فیصلہ قرآن کریم کی حفاظت اور اختلاط والتباس کے خطرات کے پیش نظر لیا گیا تھا نیز اس وقت لوگوں کو اپنی ذہانت اور قوتِ حافظہ پر مکمل اعتماد تھا اس لئے دونوں قسموں کی احادیث واخبار کے درمیان تعارض ظاہر کرنا صحیح نہیں ہے، جیسا کہ مستشرق گولڈزیہر نے دعویٰ کیا ہے اور جس سے اس نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ اس نوع کے کچھ اخبار موضوع کے قبیل سے ہیں[۵].

---

(۱) تقیید العلم، ص: ۸۷.

(۲) مصدر سابق: ص/ ۸۸.

(۳) مصدر سابق: ص/ ۸۸.

(۴) مصدر سابق: ص/ ۸۷.

(۵) ملاحظہ ہو: گولڈزیہر کی کتاب دراسات اسلامیہ (Islamic Studies)، ساتویں فصل، کتابت حدیث، ص: ۱۸۱، (طبعۃ بریطانیہ).

۵۔عصر تابعین میں کتابت حدیث:

ہم یہ جان چکے ہیں کہ صحابہ کرام میں سے بعض ممانعت کتابت کے اور بعض جواز کتابت کے قائل ہیں اور یہ کہ ممانعت کتابت کی ایک خاص وجہ رہی ہے۔ اور جب ہم عہد تابعین کی طرف آتے ہیں تو یہاں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے تابعین سے ممانعت کا قول منقول ہے، لیکن کچھ ہی لمحہ بعد ایسے تابعین نظر کے سامنے آتے ہیں جو اس معاملہ میں نرم دکھائی دیتے ہیں۔ اور کتابتِ حدیث کی اجازت دیتے ہیں بلکہ اس کی ترغیب بھی دیتے ہیں۔

۱۔ یحییٰ بن سعید نے عبد الرحمٰن بن حرملہ سے ان کا یہ قول روایت کیا ہے کہ میں سی الحفظ تھا لہذا سعید بن مسیّب نے مجھے لکھنے کی اجازت دے رکھی تھی۔

۲۔عبدالعزیز بن محمد دراوردی فرماتے ہیں: سب سے پہلے ابن شہاب نے علم کو مدون کیا اور اسے لکھا۔

۳۔ زبیر کہتے ہیں کہ ابوغزیہ وغیرہ نے عبد الرحمٰن بن ابی زناد سے اور انہوں نے اپنے والد سے روایت کیا ہے کہ ہم لوگ صرف حلال وحرام لکھا کرتے تھے۔ اور ابن شہاب جو کچھ بھی سنتے اسے لکھ لیا کرتے تھے جب ہمیں ان کی ضرورت پڑتی تو معلوم ہوتا کہ وہ سب سے بڑے عالم ہیں۔

۴۔سوادہ بن حیان کہتے ہیں کہ میں نے معاویہ بن قرہ کو یہ کہتے سنا کہ جو علم کو نہیں لکھتا ہے اسے عالم مت کہو۔

۵۔ شبابہ کہتے ہیں کہ میں نے شعبہ کو یہ کہتے سنا: جب تم لوگ مجھے روانی کے ساتھ حدیث بیان کرتے سنو تو سمجھ جاؤ کہ میں نے اسے کتاب سے یاد کیا ہے۔

۶۔سعید بن زیاد مولیٰ زبیر کہتے ہیں کہ میں نے ابن شہاب کو سعید بن ابراہیم سے یہ کہتے سنا: عمر بن عبدالعزیز نے ہمیں سنن رسول جمع کرنے کا حکم دیا تھا ہم لوگوں نے انہیں کئی دفاتر میں لکھا اور آپ نے تمام اقالیم میں ایک ایک دفتر روانہ کردیا[۱]۔

یہ دلائل عہد تابعین میں کتابت حدیث کو ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں۔ اور اوائل تابعین میں سے جن لوگوں سے ممانعت کتابت منقول ہے وہ درسگاہ صحابہ کے متعلمین ہیں۔ اور ان کا عہد بھی عہد صحابہ سے قریب ہے، اس لئے تدوین سنت سے متعلق صحابہ اور تابعین کے خیالات کے درمیان ہم آہنگی قدرتی بات ہے۔ بلکہ ہوا بھی ایسا ہی ہے کہ ان لوگوں نے بھی جب کسی کو حفظ سے زیادہ کتابت کا اہتمام کرتے ہوئے پایا حتی کہ ان کو قرآن کریم سے ان کی بے توجہی وبے رغبتی کا خوف محسوس ہونے لگا تو انہوں نے بھی صحابہ کی طرح کتابتِ حدیث کو ناپسندیدہ عمل ٹھہرادیا۔

(۱) جامع بیان العلم: ۱/۸۸ اور اس کے بعد۔

لیکن اس دور میں ایک دوسری چیز بھی نظر آتی ہے، اور وہ یہ ہے کہ محدثین وفقہاء حدیث روایت کرتے وقت اپنی رائے کا بھی اظہار کرتے تھے، اور ظاہر ہے کہ اس دور میں ایسے افراد ضرور رہے ہوں گے جو حدیث اور شیخ کی رائے کے مابین فرق کرنے کی اہلیت نہیں رکھتے ہوں. اور یہ ایک سبب ہے جس کی وجہ سے بعض لوگوں نے کتابت حدیث کو ناپسند کیا ہے. اور اگر ہم یہ تسلیم بھی کرلیں کہ دونوں کے مابین فرق کرنے کے وہ اہل تھے اس کے باوجود یہ احتمال موجود ہے کہ شیخ اپنی رائے سے رجوع کرلیں مگر راوی کو ان کے رجوع کا علم نہ ہوسکے اور وہ ان سے روایت کرتا ہی رہے، اور یہ بھی کم خطرناک بات نہیں ہے. ڈاکٹر یوسف العش نے ان آثار کی تحقیق کی ہے اور اس نتیجہ تک پہنچے ہیں کہ اس دور کے جن لوگوں سے بھی ممانعت کتابت کا قول منقول ہے وہ سب کے سب فقیہ ہیں، ان میں ایک بھی ایسا محدث نہیں ہے جو فقیہ نہ ہو، اور فقیہ حدیث ورائے دونوں کو جمع کردیتا ہے. اس لئے حدیثِ رسول کے ساتھ ان کی رائے واجتہاد کے لکھ لئے جانے کا خطرہ رہتا ہے[1].

اس تحقیق سے اس بات کی صراحت ہوتی ہے کہ علم کو لکھنے کی ممانعت نہیں ہے، بلکہ رائے کو لکھنے کی ممانعت ہے. اور جس طرح صحابہ کو سنت سے قرآن کے ملتبس ہونے کا خوف تھا اسی طرح سنت کو رائے سے ملتبس ہونے کا خوف تابعین کو تھا.

ہماری اس رائے کو تابعین سے منقول ان اخبار وروایات سے تقویت ملتی ہے جن کا ذکر کیا جاچکا ہے. ان کے علاوہ تابعین سے منقول وہ اخبار بھی ہیں جن میں انہوں نے کتابت حدیث کی ترغیب دی ہے. یہ سعید بن جبیر ہیں جو ابن عباس سے احادیث لکھا کرتے تھے. سعید بن مسیب نے عبدالرحمٰن بن حرملہ کو احادیث لکھنے کی اجازت دی تھی، عامر شعبی جو یہ کہا کرتے تھے: «ما كتبت سوداء في بيضاء» ”میں نے کبھی کچھ لکھا ہی نہیں“، وہ اپنی رائے بدل کر یہ کہتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ «الكتاب قيد العلم» ”لکھنا علم کو محفوظ کرنا ہے“[2]. نیز وہ لکھنے کی ترغیب دیتے ہوئے کہا کرتے تھے: «اذا سمعتم مني شيئا فاكتبوه ولو في حائط» ”مجھ سے جو کچھ بھی سنو اسے لکھ لیا کرو خواہ دیوار پر ہی کیوں نہ ہو“[3]. عطا بن ابی رباح اپنے لئے احادیث لکھا کرتے تھے، مکحول اور نافع کے درس میں لکھی ہوئی احادیث پڑھی جاتی تھی. نافع مولی ابن عمر کے سامنے طلباء لکھا کرتے تھے. اور یہ تو بتا ہی چکا ہوں کہ سعید بن زیاد مولیٰ زبیر ابن شہاب سے روایت کرتے ہیں کہ عمر بن عبدالعزیز نے ہمیں سنن رسول کو جمع کرنے کا حکم دیا تھا. اور ہم

(١) ملاحظہ ہو: تصدیر تقیید العلم: ص / ٢٠.

(٢) تقیید العلم: ص / ١٠٢.

(٣) مصدر سابق: ص / ١٠٣.

لوگوں نے الگ الگ دفتروں میں جمع کیا اور آپ نے تمام اقالیم میں ایک ایک دفتر روانہ کر دیا۔

ہم اس دور کے علماء کا جواز کتابت پر اتفاق کا دعویٰ کرنے ہی والے تھے کہ ہمیں ان کے بعد کے کچھ علماء کے ایسے آثار نظر آ گئے جو کراہت کتابت پر دلالت کرتے ہیں، اور اس کی وجہ اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ ان لوگوں کو بھی دفتروں اور کاپیوں میں احادیث لکھے جانے اور حفظ کو نظر انداز کر دیئے جانے کا خطرہ نظر آیا اور انہیں یہ گوارا نہ ہوا کہ اہل حدیث صرف دفاتر پر انحصار کریں، نتیجۃً انہیں ممانعت کتابت والے آثار کے ساتھ دوبارہ میدان میں آنا پڑا، یعنی سبب کے لوٹنے کے ساتھ ممانعت کا حکم بھی لوٹ آیا.

اس تفصیلی بیان سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ یہ اختلاف علماء کے دو جماعتوں یا دو مدرسوں میں منقسم ہونے کی وجہ سے پیدا نہیں ہوا، بلکہ اس کے اسباب وہی ہیں جنہیں ہم اوپر بیان کر آئے ہیں. یعنی جب ممانعت کے اسباب مفقود ہوتے تھے تو علماء لکھنے کی اجازت دے دیتے تھے. اور جب کتاب پر تکیہ کر لینے اور حفظ کو نظر انداز کر دینے کا خوف ہوتا تو دوبارہ ممانعت کی آوازیں گونجنے لگتیں، اور قوت حافظہ پر اعتماد کرنے کے مطالبات تیز تر ہو جاتے، حتی کہ ایک وقت ایسا آیا جس میں پوری امت کتابت حدیث پر متفق ہو گئی، اور اس کو حدیث کی حفاظت کے لئے نہایت ضروری قدم قرار دیا گیا. اس کے بعد ممانعت کتابت کی آواز گم ہو کر رہ گئی. اور لوگوں کا یہ عام اعتقاد ہو گیا کہ سنت محمدیہ کی بیش بہا دولت کی حفاظت کے لئے اسے قید تحریر میں لانا نہایت ضروری ہے.

اسحاق بن منصور کے اس قول کا بھی یہی مفہوم ہے وہ کہتے ہیں: میں نے احمد بن حنبل سے کہا کہ اگر علم لکھا نہیں جاتا تو ختم ہو کر رہ جاتا، آپ نے کہا: ہاں، اگر علم لکھا ہوا نہیں ہوتا تو پھر آج ہماری کیا حیثیت ہوتی؟ (1).

۶-رسول ﷺ کی وفات کے بعد احادیث کے تئیں صحابہ کا موقف:

صحابہ کرام کو یہ اچھی طرح معلوم تھا کہ قرآن کریم کے بعد سنت نبویہ شریعت کا ایک مستقل مصدر ہے، اس لئے انہوں نے رسول ﷺ کی زندگی میں آپ کی اتباع کی، آپ کے راستہ پر گامزن، آپ کی سنت پر عمل پیرا اور آپ کی وفات کے بعد آپ کی سنتوں کو مضبوطی کے ساتھ تھامے رہے، اور کبھی بھی آپ کے احکام سے سرمو انحراف نہیں کیا.

حدیث کی اہمیت کے پیش نظر ہی صحابہ کرام نے اس کی حفاظت کا مناسب بندوبست کیا، اور اس بات کا پورا خیال رکھا کہ کہیں روایتِ حدیث میں کوئی غلطی نہ ہو جائے یا سنت میں کسی طرح کی کوئی تحریف واقع نہ ہو جائے. اور

(1) جامع بیان العلم: ۱/۸۸.

ان کے ورع وتقویٰ نے روایت میں اعتدال سے کام لینے پر آمادہ کیا حتی کہ بعض صحابہ نے قلت روایت کو کثرت روایت پر ترجیح دیا.

کثرت سے حدیث روایت کرنے والوں کی مخالفت کرنے والے صحابہ میں عمر بن خطاب شہرت کے حامل ہیں. ویسے عام صحابہ اسی منہج پر سختی سے کار بندر ہے ہیں اور کبھی بھی بلاضرورت کوئی حدیث روایت نہیں کی ہے.

بعض صحابہ تو حدیث رسول بیان کرتے وقت کانپنے لگتے، ان کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے اوران کا رنگ متغیر ہوجاتا تھا. اورایسا سنت رسول کی حفاظت وصیانت کے لئے کیا گیا، حدیث نبوی کے مقام کو گھٹانے یااس کے کردار کو کم کرنے کے لئے نہیں ورنہ صحابہ کرام سے بطریق تواتر ثابت ہے کہ وہ جب کتاب اللہ میں کوئی حکم نہ پاتے تو فوراً سنت رسول کی طرف رجوع کرتے تھے.

لیکن جن لوگوں کو شریعت اسلامیہ کی کاملیت ایک نظر نہیں بھاتی وہ صحابہ کے اس احتیاط کو بالعموم اور ابوبکر وعمر کی شدت کو بالخصوص سنت کے خلاف شبہات پھیلانے کا ذریعہ بناتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عمر نے حدیث سے بے رغبتی کی بنیاد پر ہی صحابہ کو بکثرت روایت سے منع کیا تھا، اور عبداللہ بن مسعود، ابو درداء اور ابوذر کو بکثرت روایت کرنے کے جرم میں گرفتار بھی کیا تھا. نیز ابوبکر وعمر دونوں قبول روایت کے لئے راوی سے شاہد طلب کیا کرتے تھے.

چونکہ ان الزامات کا مقصد سنت رسول کی قدر ومنزلت کو گھٹانا اوراس پر بھروسہ نہ کرنے کی دعوت دینا ہے لہذا ان الزامات کا مناسب جواب دینا اور حقیقت کی نقاب کشائی ضروری ہوگئی ہے.

١-عمر رضی اللہ عنہ کا کثرت روایت سے منع کرنا اور کم سے کم روایت کا حکم دینا اس بنا پر تھا کہ کہیں روایت کا میدان اتنا وسیع نہ ہوجائے کہ منافق وفاجر اور دیہاتی لوگ موقع پا کر حدیث پاک میں کذب وتدلیس وتحریف کر بیٹھیں. اور کبھی آپ کے سامنے یہ خطرہ بھی ہوتا کہ لوگ روایت احادیث میں الجھ کر قرآن کریم کے حفظ سے کہیں بے نیاز نہ ہوجائیں. ان کی اظہار ناراضگی اس وجہ سے قطعاً نہیں تھی کہ وہ احادیث کو چاہتے ہی نہیں تھے.

ابن عبدالبر سقیفہ والی حدیث میں عمر بن خطاب سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے جمعہ کے روز خطبہ دیا اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کرنے کے بعد فرمایا: میں آپ لوگوں سے ایک بات کہنا چاہتا ہوں جو اسے یاد کرلے اور پوری طرح سمجھ بوجھ لے وہ دنیا کے کسی کونے میں جائے اسے بیان کرسکتا ہے، جسے یہ خوف ہو کہ وہ اس بات کو سمجھ نہیں سکا ہے تو میں اسے اپنی طرف جھوٹ منسوب کرنے کی اجازت نہیں دیتا، سنو! اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا اوران پر کتاب نازل فرمائی، اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ پر جو کچھ نازل ہوا اس میں

رجم کا حکم بھی تھا.الحدیث (۱).

اس سے معلوم ہوا کہ کثرت روایت کی مخالفت اور کم سے کم روایت کا حکم انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی طرف جھوٹ کے منسوب ہو جانے کے خطرہ کے پیش نظر دیا تھا.نیز یہ خطرہ بھی پیش نظر تھا کہ زیادہ سے زیادہ روایت کرنے کے شوق میں لوگ پوری طرح سمجھے اور اچھی طرح یاد کئے بغیر ہی روایت کرنا نہ شروع کر دیں.اس لئے کہ کم روایت کرنے والوں کا ضبط زیادہ روایت کرنے والوں کے ضبط سے زیادہ ٹھوس ہوتا ہے،اگر وہ سرے سے روایت ہی کو ناپسند کرتے تو کم روایت کرنے سے بھی منع اور زیادہ روایت کرنے سے بھی منع کرتے.کیا تم ان کی اس بات پر غور نہیں کرتے کہ" جو اسے یاد کر لے اور پوری طرح سمجھ بوجھ لے وہ دنیا کے کسی خطہ میں جائے اسے روایت کر سکتا ہے".آخر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ بیک وقت لوگوں کو حدیث رسول کی روایت کا بھی حکم دیں اور منع بھی کریں.دونوں باتیں کیسے صحیح ہو سکتی ہیں کہ وہ حدیث رسول کی روایت سے منع کریں،اور کم روایت کرنے کا حکم دیں.جب کہ وہ خود ان لوگوں کو اپنی طرف سے روایت کی اجازت دیتے رہے ہیں جو ان کی بات کو یاد کر لیتا ہے اور صرف ان کو منع کرتے ہیں جو یاد نہیں کر پاتا.

کثرت روایت پر عمر رضی اللہ عنہ کے انکار کو بنیاد بنا کر سنن نبویہ کو تنقید کا نشانہ بنانے والوں نے اس حدیث سے بھی اپنے لئے استدلال کیا ہے جس کو شعبی نے قرظہ بن کعب سے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں: ہم لوگ ایک سفر کے لئے گھر سے نکلے تو عمر رضی اللہ عنہ مقام صرار تک ہمارے ساتھ آئے ،وہاں پانی منگا کر آپ نے وضو کیا اور ہم لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا: تم لوگ جانتے ہو تمہارے ساتھ میں یہاں تک کیوں آیا ہوں؟ ہم لوگوں نے کہا: آپ ہمارا ساتھ دینے اور ہماری عزت وتکریم کے لئے آئے ہیں،انہوں نے کہا: اس کے علاوہ ایک اور ضرورت تھی، دیکھو تم لوگ ایک ایسے شہر میں جا رہے ہو جہاں کے لوگ مکھی کی معمولی بھنبھناہٹ کی طرح قرآن کے متعلق بہت کم جانتے ہیں.لہذا تم لوگ حدیث رسول لے کر ان پر سوار نہ ہو جانا،اور میں تم لوگوں کے ساتھ ہوں (۲).

لیکن علماء کرام کے بقول اس حدیث میں ان کے لئے کوئی حجت ودلیل نہیں ہے کیوں کہ عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول ان لوگوں کے لئے تھا جنہیں ابھی تک قرآن پڑھنا نہیں آتا تھا.لہذا ان کو یہ خوف محسوس ہوا کہ کہیں اصل (قرآن) کو چھوڑ کر لوگ دوسری چیزوں میں مشغول نہ ہو جائیں.بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ عمر نے صرف ان احادیث کے ذکر

(۱) جامع بیان العلم: ۲/ ۱۴۷.

(۲) جامع بیان العلم: ۲/ ۱۲۰ اور صرار: کسرہ کے ساتھ،مدینہ کے قریب ایک جگہ ہے.

سے منع فرمایا تھا جن میں نہ کوئی حکم ہو اور نہ سنت۔

مگر صحیح بات یہ ہے کہ یہ حدیث منقطع ہے، اس کو شعبی نے قرظہ سے سنا ہی نہیں ہے، کیونکہ قرظہ کی وفات اس وقت ہوئی تھی جب مغیرہ بن شعبہ کوفہ کے امیر تھے اور یہ بات خبر مسند سے ثابت ہے کہ سب سے پہلے کوفہ میں جس کا سوگ منایا گیا وہ قرظہ بن کعب ہیں اس نیاحت کے متعلق مغیرہ بن شعبہ نے ایک خبر مسند ذکر کیا ہے۔ اور اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ مغیرہ کی وفات ۵۰ھ میں ہوئی ہے اور اس وقت شعبی کا بچپنہ تھا، اس سے معلوم ہوا کہ قرظہ سے شعبی کی ملاقات قطعاً ثابت نہیں، بلکہ بعض اہل خبر نے یہ بھی کہا ہے کہ قرظہ کی وفات اس وقت ہوئی تھی جب علی کوفہ میں تھے۔ اس صورت میں پورے وثوق کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ قرظہ سے شعبی کی ملاقات ثابت نہیں ہے (۱)۔

اس کے علاوہ دوسری صحیح و ثابت احادیث سے اس کی مخالفت بھی ہوتی ہے۔ ابن عبدالبر فرماتے ہیں: مسلم بن حجاج نے کتاب التمیز میں قیس بن عبادہ سے یہ روایت کیا ہے کہ میں نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے سنا آپ فرمار ہے تھے۔ جس نے کوئی حدیث سنی اور اس کو اسی طرح دوسروں تک پہنچا دیا وہ محفوظ رہا۔ عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ فرمایا کرتے تھے: جس طرح تم قرآن کریم کی تعلیم حاصل کرتے ہو اسی طرح فرائض وسنت کی بھی تعلیم حاصل کرو۔ آپ نے قرآن وسنت دونوں کو برابر سمجھا۔

یہ وہی عمر ہیں جو مختلف مواقع پر لوگوں کو تلاش تلاش کر دریافت کیا کرتے تھے کہ کیا تم میں کوئی ہے جس کے پاس اس مسئلہ سے متعلق رسول کا حکم موجود ہو؟ ابن عبدالبر کہتے ہیں: آخر عمر کے متعلق لوگوں نے ایسا گمان کیسے کر لیا جب کہ وہی کہنے والے ہیں: رائے سے بچو، کیونکہ رائے کے دیوانے سنتوں کے دشمن ہیں وہ احادیث کو یاد کرنے سے عاجز ہیں۔ یہ انہیں کا قول ہے کہ سب سے بہتر راستہ محمد رسول اللہ ﷺ کا راستہ ہے۔ اور انہوں نے ہی کہا تھا کہ مستقبل میں ایک قوم آئے گی جو شبہات قرآن کے ذریعہ تم پر حملہ آور ہوگی، تم سنن رسول کے ذریعہ ان کا مقابلہ کرنا، کیوں کہ سنت والے کتاب اللہ کو زیادہ جانتے ہیں۔ ابن عبدالبر کہتے ہیں: اگر ہم یہ مان بھی لیں کہ عمر بن خطاب کا مذہب وہی ہے جو اوپر بیان ہوا ہے تو بھی اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، اس لئے کہ ہمارے لئے تو رسول کا قول حجت ہے۔ اس کے قائل بھی تو عمر ہی ہیں کہ سنت وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ نے جاری کیا ہے، غلط رائے کو امت کے لئے سنت مت ثابت کرو۔ (انتہی بتصرف) (۲)۔

---

(۱) توجیہ النظر: ص/ ۱۸۔

(۲) ملاحظہ ہو: جامع بیان العلم: ۲/ ۱۲۱-۱۳۲۔

۲- جہاں تک ان لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ عمر نے عبد اللہ بن مسعود، ابو درداء اور ابو ذر رضی اللہ عنہم کو کثرت روایت کی وجہ سے قید کر دیا تھا تو ان کا یہ کہنا درست نہیں ہے، ابن حزم اپنی کتاب ''الاحکام'' میں لکھتے ہیں: عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو حدیث رسول کی روایت کے پاداش میں گرفتار کر لیا تھا اور ابن مسعود، ابو درداء اور ابو ذر سے کہا تھا کہ تم لوگوں نے روایت حدیث کا کیسا چکر چلا رکھا ہے؟ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والے کا بیان ہے کہ میرے علم کے مطابق عمر رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کو اپنی وفات تک مدینہ سے نکلنے کی اجازت نہیں دی[1]۔

ساتھ ہی ابن حزم نے اس روایت کو منقطع بتایا ہے، اس لئے کہ راوی حدیث ابراہیم بن عبد الرحمٰن بن عوف نے عمر سے اس حدیث کو سنا ہی نہیں ہے۔ امام بیہقی نے ان کی موافقت کی ہے اور حقیقت بھی یہی ہے، ابراہیم کی وفات ۹۵ھ یا ۹۶ھ میں ہوئی ہے اور اس وقت ان کی عمر پچہتر سال تھی، اس کے مطابق ان کی ولادت ۲۰ھ یا ۲۱ھ یعنی عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آخری ایام میں ہوئی ہے اور اس چھوٹی عمر میں عمر رضی اللہ عنہ سے سماع ممکن نہیں ہے گویا کہ یہ روایت انقطاع سند کی وجہ سے صحیح نہیں ہے۔

ابن حزم فرماتے ہیں: مزید یہ کہ اس کا جھوٹ اور من گھڑت ہونا بالکل واضح ہے، اس لئے کہ اس کے مطابق عمر رضی اللہ عنہ صحابہ کو مشکوک سمجھتے تھے۔ اور یہ کتنی خطرناک بات ہے اس کو محسوس کیا جا سکتا ہے یا پھر وہ بذات خود روایت حدیث اور سنن رسول کی نشر واشاعت سے صحابہ کو روک دینے کا ارادہ رکھتے تھے، اور ان سے احادیث کو چھپانے اور ان سے دست بردار ہونے کا مطالبہ کر رہے تھے اور چاہتے تھے کہ ان کا ذکر کسی سے نہ کریں، اور ظاہر ہے یہ کھلم کھلا اسلام سے خروج ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے امیر المومنین کو ان تمام چیزوں سے محفوظ رکھا ہے، اور اگر تمام صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جھوٹ منسوب کرنے کے مجرم تھے تو عمر بھی تو ایک صحابی ہی ہیں، اس طرح کی بات ایک مسلمان ہرگز نہیں کر سکتا۔ اور اگر عمر نے بلاوجہ انہیں قید میں رکھا تو اس صورت میں انہوں نے ان پر ظلم کیا۔ فاسد نظریات کے حامل اپنی تائید کے لئے اسی طرح کی مردود وملعون روایات کا سہارا لیتے ہیں۔ انتہی[2]۔

پھر ایک بات یہ بھی تو ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کبار صحابہ میں سے تھے، اور عمر رضی اللہ عنہ کے دل میں ایک خاص مقام رکھتے تھے، حتی کہ عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں عراق روانہ کرتے وقت اہل عراق سے کہا تھا کہ میں نے عبد اللہ رضی اللہ عنہ کو

---

(۱) الاحکام: ص/ ۲۴۹۔

(۲) الاحکام: ص/ ۲۵۰۔

عراق بھیج کر آپ لوگوں کو اپنے اوپر ترجیح دیا ہے، اور یہ بدیہی بات ہے کہ ان کو دین اور اس کے احکام کی تعلیم دینے کے لئے ہی عراق بھیجا گیا تھا اور اس بات سے کون واقف نہیں کہ دین کے بیشتر احکام سنت ہی سے حاصل کئے جاتے ہیں، ان امور کے پیش نظر یہ بات دوراز خیال لگتی ہے کہ جس عمر نے لوگوں کو احکام دین کی تعلیم کے لئے انہیں عراق روانہ کیا تھا وہی انہیں (روایت حدیث کی بناپر) گرفتار بھی کرلیں.

جہاں تک ابودرداء کا معاملہ ہے تو ان کی حدیثوں کی کل تعداد ایک سو (۱۰۰) سے کچھ زیادہ ہے اور ابوذر سے جتنی بھی احادیث مروی ہوں مگر وہ مکثرین صحابہ ابن عباس، ابوہریرۃ، عائشہ، اور جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہم کی مرویات کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں ہیں. اس کے باوجود اس طرح کی کوئی روایت نہیں ملتی جس میں عمر رضی اللہ عنہ نے مکثرین صحابہ پر کثرت روایت کی وجہ سے اعتراض کیا ہو. اس کے برخلاف ان سے یہ بیان کیا جاتا ہے کہ جب ابوہریرہ بکثرت احادیث روایت کرنے لگے تو انہوں نے ابوہریرہ سے کہا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلاں جگہ تشریف فرماتھے تو کیا تم وہاں ہمارے ساتھ موجود تھے؟ انہوں نے کہا: ہاں، اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے بھی سنا کہ «من کذب عليّ متعمدًا فليتبوّأ مقعده من النّار» ''جس نے میری طرف بالقصد جھوٹ منسوب کیا وہ جہنم کو اپنا ٹھکانہ بنالے''.
عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: جب تمہیں یہ یاد ہے تو جاؤ اور جتنی حدیثیں یاد ہیں بیان کرو، یہ سوچنے والی بات ہے کہ آخر ایسا کیسے ہوسکتا ہے کہ وہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو چھوڑ دیں جو بالعموم تمام صحابہ سے زیادہ روایت کرنے والے ہیں. اور اس کو گرفتار کرلیں جن کی روایت بہت کم تھی.

۳- یہ جو کہا جاتا ہے کہ ابوبکر وعمر کی متفقہ پالیسی تھی کہ صرف اس حدیث کو قبول کیا جائے جسے دو یا دو سے زیادہ لوگوں نے روایت کیا ہو، اور اس کے ثبوت میں ان روایات کو پیش کیا جاتا ہے کہ ابوبکر نے وراثت میں جدۃ (دادی) کو سدس ($\frac{1}{6}$) دیئے جانے کے متعلق مغیرہ بن شعبہ کی حدیث کو اس وقت تک قبول نہیں کیا جب تک محمد بن مسلمہ نے اس کی شہادت نہ دے دی. اس واقعہ کو حافظ ذہبی نے تذکرہ الحفاظ میں ابوبکر کی سوانح حیات کے ضمن میں نقل کیا ہے. نیز مسلم کی اس روایت کو بھی پیش کیا جاتا ہے، جس میں آیا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے عورت کے حمل کو ساقط کردینے کی دیت کے بارے میں صحابہ سے مشورہ کیا تو مغیرہ نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں ایک غرۃ (ایک لونڈی یا غلام آزاد کرنے) کا حکم دیا ہے. عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: اگر تم اپنے بیان میں سچے ہو تو کسی ایسے شخص کو میرے سامنے حاضر کرو جو اس سے واقف ہو، چنانچہ محمد بن مسلمہ نے یہ شہادت دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی فیصلہ دیا ہے.

لیکن یہ استدلال صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ اس کی ان آثار سے تردید ہوتی ہے جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے ان حدیثوں کو بھی قبول کیا ہے جنہیں صرف ایک ہی راوی نے روایت کیا ہے.

۱- شیخین ودیگر محدثین نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ایک مرتبہ عمر رضی اللہ عنہ شام کے لئے روانہ ہوئے اور جب وہ مقام ''سرغ'' پہنچے تو شام میں وباء پھوٹ پڑنے کی انہیں خبر ملی، عبدالرحمٰن بن عوف نے انہیں بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: جب تم کسی جگہ قیام پذیر ہو اور وہاں وباء پھوٹ پڑنے کی خبر ملے تو راہ فرار اختیار کرتے ہوئے وہاں سے نہ نکلو، چنانچہ عمر رضی اللہ عنہ مقام ''سرغ'' ہی سے واپس ہوگئے، ابن شہاب کہتے ہیں: سالم بن عبداللہ بن عمر نے ہمیں بتایا کہ عبدالرحمٰن بن عوف کی حدیث کو سن کر ہی عمر رضی اللہ عنہ لوگوں کے ساتھ واپس ہوگئے تھے (۱).

۲- عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ یہ فرمایا کرتے تھے: دیت صرف عاقلہ (عصبہ) کے لئے ہے، بیوی کو شوہر کی دیت سے کچھ نہیں دیا جائے گا، مگر جب ضحاک بن سفیان نے انہیں بتایا کہ اشیم ضبابی کی دیت سے اس کی بیوی کو دیئے جانے کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں لکھا تھا تو عمر اپنے قول سے رجوع کر گئے (۲).

۳- امام شافعی نے عمر رضی اللہ عنہ سے یہ بھی روایت کیا ہے کہ ایک مرتبہ انہوں نے فرمایا: جنین سے متعلق رسول کی کوئی حدیث کسی کو یاد ہے؟ اس وقت حمل بن مالک بن نابغہ کھڑے ہوئے اور کہا: میرے پاس دو لونڈیاں تھیں ان میں سے ایک نے دوسرے کو ڈنڈا دے مارا جس کی وجہ سے اس کا بچہ نقصان ہوگیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غرۃ (ایک غلام کی آزادی) کا فیصلہ دیا تھا، عمر نے کہا: اگر آپ کا یہ فیصلہ نہیں سنتا تو میرا فیصلہ اس سے جدا ہوتا (۳).

۴- امام شافعی نے عمر رضی اللہ عنہ کی اس روایت کو بھی ذکر کیا ہے کہ ایک موقع پر مجوسیوں کا ذکر کرتے ہوئے آپ

---

(۱) بخاری: كتاب الطب، باب ما يذكر في الطاعون اور كتاب الحيل، باب ما يكره من الإحتيال في الفرار من الطاعون، مسلم: كتاب السّلام، باب الطاعون والطيرة والكهانة ونحوها، حدیث: ۲۲۱۹، ابوداؤد: كتاب الجنائز، باب الخروج من الطاعون، حدیث: ۳۱۰۳.

(۲) الرسالہ: ص/۴۲۶، اس حدیث کو ابوداؤد نے کتاب الفرائض میں ذکر کیا ہے. باب في المرأة ترث من دية زوجها، حدیث نمبر: ۲۹۲۷، ترمذی: كتاب الفرائض، باب ماجاء في ميراث المرأة في دية زوجها، حدیث: ۲۱۱۱، اور اس کا ایک شاہد بھی ہے جو عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کے طریق سے مروی ہے اور جس کو احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ ودیگر محدثین سے مروی ہیں: «ان العقل ميراث بين ورثة القتيل، والزوجة من جملتهم» دیت مقتول کے ورثہ کے مابین تقسیم کی جائے گی اور بیوی ان میں سے ایک وارث ہے.

(۳) رسالہ: ص/۴۲۷، نیز اس حدیث کو ابوداؤد نے کتاب الدیات میں روایت کیا ہے، باب دية الجنين، حدیث نمبر: ۴۵۷۲، ۴۵۷۳، ۴۵۷۴، نسائی: كتاب القسامة، باب دية جنين المرأة اور باب صفة شبه العمد وعلى من دية الأجنة: ۸/۴۷، ۵۱، ۵۲ اور یہ حدیث صحیح ہے.

نے فرمایا: میں یہ فیصلہ نہیں کر پا رہا ہوں کہ ان لوگوں کے ساتھ کیسا سلوک کروں؟ عبدالرحمٰن بن عوف نے ان سے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے سنا ہے کہ ان کے ساتھ اہل کتاب کا سلوک کرو (1).

۵- ایک مرتبہ عمر رضی اللہ عنہ ایک پاگل عورت کو رجم کرنے کا فیصلہ کر چکے تھے مگر جب "رفع القلم عن ثلاثة" والی حدیث سے آپ کو مطلع کیا گیا تو آپ نے رجم نہ کرنے کا حکم دے دیا (2).

۶- اسی طرح وہ حاطب کی خادمہ کو رجم کرنے کا ارادہ کر چکے تھے مگر جب عثمان نے ان کو بتایا کہ جاہل پر حد نہیں ہے تو پھر رک گئے (3).

مذکورہ بالا آثار صحیح ہیں اور بلا کسی تأمل کے اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ صرف ایک صحابی سے مروی احادیث کو بصد شوق قبول کرتے تھے نیز تمام صحابہ کرام بھی اسی پر عمل پیرا تھے. اور جب اصل حقیقت یہ ہے تو ہمیں ان تمام اخبار کا صحیح معنی متعین کرنا ہوگا جن سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام راوی کے علاوہ ایک اور گواہ طلب کرتے تھے.

اس سلسلے میں امام ابن حزم کا کہنا ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کا مغیرہ کے قول سے مطمئن نہ ہونے والی روایت منقطع اور صحت سے خالی ہے (4).

نیز یہ ایک تنہا روایت ہے اور اس کے خلاف بہت سی ایسی روایتیں ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ صرف ایک راوی سے مروی احادیث کو خوشی خوشی قبول کرتے تھے.

امام ابن قیم قضاء سے متعلق ابوبکر رضی اللہ عنہ کی پالیسی کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: جب ان کے پاس کوئی معاملہ آتا تو پہلے آپ کتاب اللہ میں تلاش کرتے، اگر اس کا حل قرآن میں مل جاتا تو اسی کے مطابق فیصلہ دیتے. ورنہ

---

(1) رسالہ: ص/ ۴۳۰، اس حدیث کو مالک نے موطا میں کتاب الزکاۃ، باب جزیۃ اہل الکتاب کے تحت روایت کیا ہے اور اس کے رجال ثقہ ہیں، لیکن سند منقطع ہے کیونکہ محمد بن علی کا عمر سے لقاء ثابت نہیں ہے، مگر اس کے شواہد ہیں. امام بخاری نے مختصراً روایت کیا ہے اور اس میں مذکور ہے "عمر نے مجوس سے اس وقت تک جزیہ نہیں لیا جب تک عبدالرحمٰن بن عوف نے یہ شہادت نہ دے دی کہ رسول اللہ ﷺ نے ہجر کے مجوسیوں سے جزیہ وصول کیا تھا. (ملاحظہ ہو: صحیح البخاری، کتاب الجهاد، باب الجزيه و الموادعة مع أهل الذمة و الحرب).

(2) الاحکام لابن حزم: ۲/ ۲۴۴، نیز اسے ابوداؤد نے حدود میں باب في المجنون يسرق أو يصيب حدًا کے تحت روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے اور حدیث اپنے تمام طرق کے ساتھ صحیح ہے.

(3) الاحکام لابن حزم: ۲/ ۲۴۴، اور اسے عبدالرزاق نے: ۵/ ۴۰۵ میں اور بیہقی نے سنن میں روایت کیا ہے: ۸/ ۲۳۸، اس کی تفصیل ابن حزم کے محلی میں ملاحظہ فرمائیں: ۱۱/ ۱۸۴، ۴۰۲.

(4) الاحکام: ص/ ۲۵۱.

سنت کی طرف رجوع کرتے اور اگر اس میں مسئلہ کا مناسب حل دریافت ہو جاتا تو اسی کے مطابق فیصلہ دیتے، جب دونوں طرف سے مایوس ہو جاتے تو لوگوں سے دریافت کرتے کہ کیا اس مسئلہ میں رسول اللہ ﷺ نے کوئی فیصلہ دیا ہے؟ کبھی ایسا ہوتا کہ لوگ کھڑے ہو کر کہتے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ فیصلہ دیا ہے [۱]۔

جہاں تک استئذان سے متعلق ابو موسیٰ کی روایت کا سوال ہے تو اس کو قبول اخبار کے سلسلے میں عمر کی طرف سے اپنائی جانے والی تأکد اور تثبت کی ان کی اپنی خالص اجتہادی پالیسی پر محمول کیا جائے گا جس کی مخالفت اُبی بن کعب نے کیا تھا۔ اور وہ اپنی رائے سے رجوع بھی کر گئے تھے [۲]۔

ان تمام روایات کو بیان کرنے کے بعد جن سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ محض ایک صحابی کی روایت کو بھی قبول فرماتے تھے، امام شافعی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: جہاں تک ابو موسیٰ کی خبر کا سوال ہے تو وہ عمر کے احتیاط پر مبنی ہے۔ اس لئے کہ ابو موسیٰ بہر حال ان کی نظر میں ان شاء اللہ ثقہ وامین ہیں۔

امام موصوف مزید لکھتے ہیں کہ اگر کوئی ہم سے اس کی دلیل پوچھے؟ تو ہم کہیں گے کہ ابو موسیٰ کی حدیث کو مالک بن انس نے ربیعہ سے اور انہوں نے متعدد علماء کرام سے روایت کیا ہے جس میں یہ بھی ہے کہ عمر نے ابو موسیٰ سے کہا: دیکھئے میرا مقصد آپ کو تہمت دینا نہیں ہے میں صرف اس بات سے ڈرتا ہوں کہ کہیں لوگ رسول اللہ ﷺ کی طرف جھوٹ نہ منسوب کرنے لگیں [۳]۔

اور اسقاط جنین سے متعلق مغیرہ بن شعبہ کی جو روایت ہے وہ جیسا کہ کچھ پہلے بیان کیا گیا حمل بن مالک کے طریق سے بھی مروی ہے، اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عمر نے ان کی خبر کو بلا پس و پیش قبول کر لیا تھا اور ساتھ ہی ان سے کہا تھا کہ اگر رسول کا یہ فیصلہ نہیں سنتا تو میرا فیصلہ اس کے خلاف ہوتا۔ لہذا مغیرہ کی روایت کے سلسلے میں عمر رضی اللہ عنہ کے قول کو تثبت اور تأکد کے ان کے اجتہادی موقف پر محمول کریں گے۔ اسے توقف یا شک پر محمول نہیں کیا جائے گا۔ واللہ ولی التوفیق۔

۷۔سنت کی حفاظت میں محدثین کی کاوشیں:

امت اسلامیہ ان جلیل القدر صحابہ کرام کے احسان کو کبھی فراموش نہیں کر سکتی جنہوں نے نہ صرف سنت کی

(۱) اعلام الموقعین: ۱/ ۶۲۔
(۲) الإحکام: ص/ ۲۵۱
(۳) الرسالہ: ص/ ۴۳۴۔

حفاظت کی بلکہ اسے اپنے بعد والوں تک پہنچایا بھی. اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اس سلسلے میں ان کی طرف سے جو بھی کوششیں عمل میں لائی گئیں وہ مقام نبوت کے صحیح ادراک اور نبی اکرم ﷺ سے صادر تمام اقوال وافعال وتقریرات کے دین اور شریعت الٰہی ہونے پر ان کے پختہ اعتقاد کا نتیجہ تھیں.

گاڈفری ہجنس مسیحی نے صحابہ کے حالات، اور قرآن کریم کے عطا کردہ ان کے نئے جذبے اور بلند حوصلے، اور اس نور نبوت کو جس نے پورے جزیرۂ عرب کو منور کر دیا تھا، ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے: ''مسیحیوں کو اس بات کا اعتراف کر لینا چاہئے کہ محمد بن عبداللہ (ﷺ) نے اپنے ساتھیوں کے دلوں میں جو روح پھونکی تھی وہ مسیح کے قدیم پیروکاروں میں بھی نہیں پائی جاتی (۱).

اس موقع سے میں اقوام عالم سے یہ کہنا چاہوں گا کہ آپ کبھی نہ بھولیں کہ ہمارے نبی اُمی (ﷺ) نے اپنے اصحاب کے دلوں میں جو جوش وولولہ پیدا کیا اس کی مثال دنیا کی تاریخ میں ملتی ہے اور نہ ہی قیامت تک اس کی امید کی جاسکتی ہے.

عروہ بن مسعود ثقفی نے اسی بات کی طرف قریش کی توجہ مرکوز کرانے کی کوشش کی تھی جب انہوں نے صلح حدیبیہ کے موقع سے قریش کو مخاطب کر کے کہا تھا کہ تم کس قوم کی بات کرتے ہو! اللہ کی قسم میں نے بہت سے شاہان مملکت کے دربار دیکھے ہیں، قیصر وکسریٰ ونجاشی کے دربار تک گیا ہوں، اللہ کی قسم! محمد کے اصحاب جس طرح محمد کی تعظیم وتکریم کرتے ہیں اس طرح کسی بھی بادشاہ کی تعظیم ہوتے نہیں دیکھا. واللہ محمد اگر تھوک بھی پھینکتے ہیں تو وہ ان کے کسی ساتھی کے ہاتھ ہی میں پڑتا ہے اور وہ اسے لے کر اپنے چہرے اور بدن پر ملنے لگتا ہے. جب کوئی حکم دیتے ہیں تو اس کی بجا آوری کے لئے سب دوڑ پڑتے ہیں، جب وضوء کرتے ہیں تو اس کے پانی کے لئے لوگ لڑنے مرنے پر تیار ہو جاتے ہیں، جب وہ لوگوں سے مخاطب ہوتے ہیں تو سب کی آوازیں پست ہو جاتی ہیں حتیٰ کہ تعظیماً اس کی طرف نظریں بھی نہیں اٹھاتے (۲).

اس جوش وخروش، بے پناہ عقیدت اور آپ سے سچی محبت کے پاکیزہ جذبے کے ساتھ صحابہ نے آپ کی مصاحبت اختیار کی اور ہمیشہ آپ کے ساتھ رہے. اور اپنے عدیم المثال حافظہ میں اور کتابوں میں لکھ کر آپ کے ہر چھوٹے بڑے قول وفعل کو جمع کرنے کے لئے سعی بلیغ کرتے رہے.

---

(۱) ملاحظہ ہو: تدوین حدیث: ص/ ۲۰ (اردو).

(۲) صحیح بخاری، کتاب الشروط، باب الشروط فی الجهاد والمصالحة: ۳۲۰/۴.

صاحب اصابۃ نے علی بن ابی زرعۃ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی وفات تک آپ کو دیکھنے یا آپ سے سننے والوں کی تعداد مردوں اور عورتوں سمیت ایک لاکھ سے زائد ہے. اور ان تمام لوگوں نے آپ سے دیدہ وشنیدہ احادیث روایت کیا ہے[۱]. حدیث نبوی کے اہتمام اور رسول اللہ ﷺ کے اقوال وافعال کا دین اور شریعت کا حصہ ہونے پر صحابہ کے ایمان کامل کی تصویر کشائی عمر رضی اللہ عنہ سے مروی بخاری کی اس روایت سے ہوتی ہے جس میں عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اور عوالی مدینہ کے بنی امیۃ بن زید کا میرا ایک انصاری پڑوسی باری باری خدمت رسول میں حاضر ہوا کرتے تھے، ایک دن وہ جاتا تو دوسرے دن میں جس دن میری باری ہوتی اس دن کی پوری خبر خواہ وحی سے متعلق ہو یا غیر وحی سے میں اسے سناتا اور وہ اپنی باری کے دن کی پوری خبر مجھے سناتا تھا[۲].

رسول اللہ ﷺ کی وفات تک یہ سلسلہ چلتا رہا. آپ کے اصحاب آپ سے جو کچھ سنتے اس کے جمع وحفظ میں مشغول ہو جاتے. ان میں مکثرین بھی تھے اور مقلین بھی. کچھ لوگوں نے حصول تعلیم کے لئے اپنی زندگی وقف کر دی تھی. بعضوں نے اپنے وقت کا ایک حصہ حصول تعلیم کے لئے اور ایک حصہ دیگر اسلامی معاملات کے لئے خاص کر رکھا تھا.

حتی کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات تک قرآن کریم کو کتابی شکل میں اور سنت کو صحیفوں کے علاوہ دلوں میں محفوظ کیا جا چکا تھا.

جب اسلامی حدود پھیل گئے اور صحابہ کرام مختلف شہروں میں منتشر ہو گئے، اور ان کے پاس ایسی بھی حدیثیں تھیں جن کو انہوں نے کچھ لوگوں کے ساتھ سنا تھا اور کچھ ایسی تھیں جنہیں اکیلے ہی سنا تھا. ادھر صحابہ کو سنت کی حفاظت اور اس کے جمع وترتیب کی سخت ضرورت محسوس ہو رہی تھی، چنانچہ ان کے لئے یہ ضروری ہو گیا تھا کہ وہ طول طویل اور پُر مشقت سفر کے لئے کمر بستہ ہوں، صحراؤں کو ناپیں اور بیابانوں میں گھوڑے دوڑائیں اور ہر ممکن طریقے سے اس صحابی تک پہنچنے کی کوشش کریں جن کے پاس رسول اللہ ﷺ کی ایسی کوئی حدیث ہو جو ان کے پاس نہیں ہو.

حافظ ابن عبد البر نے جامع بیان العلم میں جابر بن عبد اللہ سے روایت کیا ہے کہ مجھے ایک صحابی رسول کے پاس ایک حدیث کے پائے جانے کی خبر ملی. میں نے ایک اونٹ خریدا اور اس پر اپنا سامان سفر باندھا. اور ایک ماہ کے طویل سفر کے بعد شام پہنچا، وہاں معلوم ہوا کہ اس صحابی کا نام عبد اللہ بن انیس انصاری ہے. میں ان کے گھر آیا اور ایک شخص کو یہ کہہ کر اندر بھیجا کہ آپ کے دروازہ پر جابر کھڑے ہیں. وہ شخص لوٹ کر میرے پاس آیا اور دریافت کیا کہ

(۱) الإصابۃ: ۱/ ۴.

(۲) صحیح بخاری، کتاب العلم، باب: ۲۷، (باب التناوب فی العلم).

آپ کا نام جابر بن عبداللہ ہے. میں نے کہا ہاں. اس کے بعد وہ گھر سے باہر آئے اور ہم دونوں نے باہم معانقہ کیا. میں نے ان سے کہا: مجھے معلوم ہوا ہے کہ مظالم سے متعلق آپ کے پاس رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث ہے جس کو میں نے نہیں سنا ہے. انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا...... الحدیث (۱).

ابن عبدالبر ہی کی روایت ہے کہ ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ ایک حدیث کی تحقیق کرنے کے لئے عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کے پاس مصر تک چلے گئے. جب وہ ان کے گھر پہنچے تو ان سے کہا: آپ مجھے ستر المسلم والی وہ حدیث سنا دیجئے جسے سنتے وقت صرف ہم ہی دونوں رسول کے پاس رہ گئے تھے. جونہی عقبہ رضی اللہ عنہ اس حدیث کی روایت سے فارغ ہوئے اسی وقت ابو ایوب اپنی سواری کے پاس آئے، اس پر سوار ہوئے اور رکے بغیر مدینہ کے لئے واپس ہو گئے (۲).

سنن داری میں ہے کہ اصحاب رسول میں سے ایک شخص فضالہ بن عبداللہ کے پاس مصر آئے. وہ اپنی اونٹنی کو کھینچتے ہوئے ان کے پاس پہنچے. فضالہ نے انہیں خوش آمدید کہا، اس صحابی نے کہا میں سیر وسپاٹا (زیارت) کے لئے نہیں آیا ہوں. میں آپ کے پاس اس لئے حاضر ہوا ہوں کہ ہم دونوں نے رسول سے ایک حدیث سنا تھا اور مجھے امید ہے کہ آپ کو وہ حدیث یاد ہوگی، انہوں نے پوچھا کون سی حدیث؟ اس صحابی نے کہا: اس اس طرح کی حدیث تھی (۳).

اسی طرح کی عظیم قربانیوں کے ذریعہ احادیث نبویہ کی حفاظت کی گئی اور امت کی گرانقدر امانت کو صغار صحابہ وتابعین تک پہنچایا گیا. اور تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ علمی رحلات کا سلسلہ صحابہ تک ہی محدود نہیں رہا، بلکہ تابعین نے بھی اس عظیم مقصد کے حصول میں سفر کی صعوبتوں کو برداشت اور مختلف پریشانیوں کو گوارا کیا.

ابن عبدالبر مالک بن انس سے اور وہ سعید بن مسیّب سے روایت کرتے ہیں کہ میں طلب حدیث کی غرض سے دن رات سفر میں رہا کرتا تھا (۴).

سنن دارمی میں ابو العالیہ سے روایت ہے کہ ہم لوگ اصحاب رسول ﷺ کے حوالے سے بصرہ میں حدیث سنتے مگر اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھتے جب تک مدینہ آکر خود ان کی زبان سے نہ سن لیتے.

ابو قلابہ سے روایت ہے میں نے مدینہ منورہ میں تین دن قیام کیا اس دوران میں اپنی تمام ضروریات سے

---

(۱) جامع بیان العلم: ص ر ۹۳، اس حدیث کو بخاری نے کتاب العلم میں معلقاً ذکر کیا ہے. باب الخروج فی طلب العلم، حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں: مصنف نے اسے الأدب المفرد میں اور احمد وابو یعلیٰ نے اپنے مسند میں روایت کیا ہے. ملاحظہ ہو: فتح الباری: ۱ر ۱۵۹.

(۲) جامع بیان العلم: ص ر ۹۴.

(۳) سنن دارمی: ۱ر ۱۴۲.

(۴) جامع بیان العلم: ص ر ۹۴.

فارغ ہو گیا، لیکن دیکھا کہ لوگ ایک ایسے شخص کے منتظر تھے جو ایک حدیث روایت کرتا تھا، اس کے انتظار میں میں بھی وہاں رُکا رہا. اور جب وہ آیا تو میں نے اس حدیث کے متعلق اس سے دریافت کیا[۱].

سنن ابی داؤد میں مذکور ہے، ابن ماجہ نے بھی اس کا معنی ذکر کیا ہے کہ مکحول نے کہا ہے: میں مصر میں قبیلۂ بنی ہذیل کی ایک عورت کا غلام تھا اس نے مجھے آزاد کر دیا مگر میں وہاں سے اس وقت تک نہیں نکلا جب تک اپنی دانست کے مطابق وہاں کے تمام علوم کو نہ سیکھ لیا، اس کے بعد حجاز کا رخ کیا اور وہاں سے بھی تمام علوم سے واقفیت حاصل کرنے کے بعد ہی نکلا، پھر عراق کا رخ کیا اور وہاں بھی ایسا ہی کیا آخر میں شام آیا اور اس کو بھی کھنگال ڈالا، میں ہر جگہ لوگوں سے نفل، مال غنیمت کے متعلق سوال کرتا مگر اس سلسلے میں کوئی میرے کام نہ آیا. اخیر میں زیاد بن جاریہ تمیمی نام کے ایک شیخ کے پاس حاضر ہوا اور ان سے دریافت کیا کہ آپ نے نفل مال غنیمت کے متعلق کچھ سنا ہے؟ انہوں نے کہا، ہاں! میں نے حبیب بن سلمہ فہری سے یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جہاد میں شریک تھا آپ نے حملہ میں ربع ۱/۴ اور دوسرے میں ثلث ۱/۳ دیا تھا[۲].

یہی وہ علمی تشنگی ہے جس کی وجہ سے عبدان کو اٹھارہ بار بصرہ کا سفر کرنا پڑا تھا، تا کہ بصرہ میں منتشر رسول کی ان سنتوں کو براہ راست سن سکیں جن کی روایت میں ایوب منفرد تھے[۳].

یہی وجہ ہے کہ یہودی مستشرق گولڈ زیہر (Gold Zihar) نے اپنی کتاب ''دراسات اسلامیہ'' (Islamic Studies) میں محدثین کی ان عظیم قربانیوں کے اعتراف سے اپنے آپ کو نہیں روک سکا. وہ لکھتا ہے: ''احادیث کو اکٹھا کرنے اور اس کی نشر واشاعت کے لئے محدثین نے دور دراز شہروں کا سفر طے کیا، اندلس سے لے کر وسط ایشیا تک شہر شہر اور قریہ قریہ کا پیدل مارچ کیا، جو حدیثیں اپنے راویوں سمیت اسلامی دنیا میں منتشر ہو چکی تھیں ان کو اکٹھا کرنے کے لئے اس زمانے میں اس کے علاوہ دوسرا کوئی طریقہ بھی نہیں تھا، انہی خدمات کی وجہ سے ''رجال اور جوال'' کے قابل فخر لقب سے ملقب کئے جانے کے مستحق قرار پائے اور ان کو ''طواف الأقالیم'' کہنا حقیقت ٹھہرا، آخر یہی لوگ تو ہیں جنہوں نے مشرق سے مغرب تک کا سفر طے کیا ہے.

ان لوگوں کا مقصد سیر وتفریح یا بلاد وامصار کے احوال وکوائف جاننا نہیں تھا، بلکہ ان کا مقصد صرف حدیث جاننے والوں سے ملنا اور ان سے حدیثیں حاصل کرنا تھا. حدیث کے طلب وجستجو میں ان کی مثال اس

(۱) سنن دارمی: ۱/ ۱۴۰.

(۲) سنن ابی داؤد: ۳/ ۱۰۶ اور سنن ابن ماجہ: ۲/ ۹۵۱.

(۳) معجم البلدان: ۱/ ۴۱۴.

چڑیا کی تھی جو ایک درخت سے دوسرے درخت پر اس لئے بیٹھتی ہے تا کہ اس کی پتیوں پر چونچ مار کر اس سے غذا حاصل کرے''(۱)۔

ان لوگوں کے بعد سنت کی حفاظت وحمایت کے لئے اللہ تعالیٰ نے ائمہ ومحدثین کی ایک ٹیم تیار کر دیا. جنہوں نے اس عظیم مقصد کے لئے جان ومال کی قربانیاں دیں، حدیث نبوی کی خدمت کے لئے اپنی پوری زندگی وقف کردی، تحقیق وتدقیق، جرح وتعدیل، تنقیح وتہذیب اور تصحیح وتضعیف کا عظیم کارنامہ انجام دیا، احادیث صحیحہ کو موضوع ومن گھڑت روایات سے علیحدہ کرنے میں حد درجہ احتیاط سے کام لیا. راویوں کے جرح وتعدیل اور روایات کی تحقیق وتمحیص کے لئے اپنی جانب سے پیش کئے جانے والے جامع اصول وقواعد میں بالغ نظری ودقت نظر کے تمام خزانے لٹا دیئے اور اسماء رجال کے نام سے ہمارے لئے ایک ایسا قیمتی علمی سرمایہ چھوڑا جس کی مثال ادیان وامم کی تاریخ میں کہیں نہیں ملتی (۲)۔

ان بزرگوں نے حدیث اور اس کے راویوں کے تعلق سے بنائے جانے والے اصول وقواعد کی ترتیب میں بہت زیادہ دقت نظر سے کام لیا، اور حدیث کے نام سے موسوم ہر ہر کلام کی خوب خوب تحقیق کی، اس کے ہر ہر لفظ کا پوری باریکی سے جائزہ لیا اور احتیاط ودور اندیشی کی چھلنی سے چھان کر اصل ونقل کو مکمل طور سے اجاگر کر دیا. اور موضوع در وایات وضاعین کی نشاندہی فرمادی۔

حفاظتِ سنت کے عظیم ترین عمل کو انجام تک پہنچانے کے لئے ''اسناد'' کو جس کی اہمیت عربوں میں مسلم تھی، درجہ کمال کے آخر ممکن حد تک پہنچا دیا، نیز اس میں کچھ امور کا اضافہ کیا، اس کی تہذیب وتزئین کی اور اس کو وہ صورت دی جس سے پہلے کے لوگ بالکل نا آشنا تھے، اور جس نے دنیا کو حیرت واعجاب میں ڈال دیا(۳)۔

یہ ربانی جماعت اعلیٰ ذہنیت کے حامل، متقی وپرہیزگار اور صالح افراد پر مشتمل تھی، ان میں عربی تھے اور عجمی بھی، آزاد، غلام، فارسی، رومی، عراقی، شامی، مصری، افریقی، اندلسی اور ہندی سب تھے، مرد بھی تھے اور عورتیں بھی تھیں، سنت کی حفاظت میں ان تمام لوگوں کی متحدہ کوششیں کارفرما تھیں۔

ان کی اجتماعی کوششوں نے غیر مسلم حضرات کو ذخیرۂ حدیث کی عظمت کے معترف ہونے پر مجبور کر دیا، ایک

(۱) مستشرق کا یہ قول کتاب مذکور کے (انگریزی) ترجمہ میں فصل ''طلب حدیث'': ۲/۱۶۵، ۱۶۶ پر ملاحظہ کریں اور تاریخ تدوین حدیث (اردو) ص: ۳۸ میں بھی ملاحظہ فرمائیں۔

(۲) تاریخ تدوین الحدیث: ص/۱۸۔

(۳) مصدر سابق: ص/۱۹۔

یورپی محقق پروفیسر مارگولیوتھ کہتا ہے: ''علم حدیث پر مسلمان جتنا بھی فخر کریں کم ہے''(۱).

یورپی مصنف شپرنجر الاصابہ فی اصول الصحابہ کے اپنے مقدمہ میں جو ۱۸۵۲ء اور ۱۸۶۴ء میں کلکتہ سے شائع ہوا ہے، یہ اعتراف کرتا ہے کہ'' مسلمانوں نے اسماء رجال کے نام سے جو عظیم الشان فن ایجاد کیا ہے وہ دنیا میں کسی قوم کے پاس نہیں ہے، اس کے ذریعہ تقریباً پانچ لاکھ اشخاص کے حالات قلمبند کیے گئے ہیں. اس فن کے لئے محدثین نے دور دراز علاقوں کا سفر پیدل طے کیا. جس زمانے میں نقل وحرکت اور مواصلات کے جدید وسائل ناپید تھے اس وقت ان لوگوں نے صرف ایک حدیث کے لئے ہزار ہا میل کا سفر گوارا کیا.

یہی نہیں بلکہ ہزار ہا افراد کے حالات زندگی کا تنقیدی جائزہ لیا، اور حدیث کے قبول ورد کے واسطے انتہائی سخت اور پختہ اصول ترتیب دے کر فتنۂ وضع حدیث کا سد باب کر دیا اور پوری آزادی اور بے فکری کے ساتھ مجروحین پر جرح کیا. سرکشوں اور سر پھروں کی بری نیتوں کا پردہ چاک کیا. فن جرح وتعدیل سے متعلق کوئی بھی کتاب اٹھا لو تم اس میں پاؤ گے کہ ایک ایک کر کے تمام وضاعین کی مردم شماری کی گئی ہے، کاذبوں کے نام جلی حروف میں لکھے گئے اور ماہر جوہری کی طرح ہر موضوع پر تنقید کی گئی ہے. حتی کہ حدیث میں اگر کسی نے ایک کلمہ کے اضافہ کی جسارت بھی کی ہے تو اسے بھی بیان کر دیا گیا ہے ساتھ ہی ساتھ اس فعل کے مرتکب لوگوں کے ناموں کو یکجا کر دیا گیا ہے.

اسی پر بس نہیں کیا بلکہ ان لوگوں نے ایک ایک کر کے تمام کمزور ذہانت اور ضعیف روایت والوں کی چھان بین اور تلاش وجستجو کرنے کے بعد ان پر علیحدہ کتابیں تصنیف فرمائیں اور جس طرح ان لوگوں نے موضوعات کی وضاحت فرمائی ہے اسی طرح ہر قسم کے ضعیف یا مبہم یا متروک روایات کی نشاندہی بھی کر دی ہے، اور اس سلسلے میں مستقل کتابیں تحریر کی ہیں.

حدیث کی اس قدر وقیمت سے واقفیت حاصل کر لینے کے بعد بھی اگر کوئی جماعت صحت حدیث کا انکار کرے یا اس میں شکوک وشبہات کو ہوا دے تو ایسی صورت میں اسلام مسلمانوں کو اس مہلک بیماری کا علاج ڈھونڈنے اور اس فتنہ کی بیخ کنی کرنے کو ضروری قرار دیتا ہے(۲).

فن حدیث سے متعلق تصنیفات:

سنت کی حفاظت کے لئے علماء کرام کی طرف سے پیش کی جانے والی کوششوں میں ان کی انگنت وبے شمار

(۱) تاریخ تدوین الحدیث: ص/۲۰.

(۲) تاریخ تدوین الحدیث: ص/۵۸، ۵۹.

تالیفات بھی ہیں جو علوم حدیث کے ہر ہر موضوع کو شامل ہیں اور جن کے متعلق لوگوں کا کہنا ہے کہ مسلمان مصنفین نے اپنے نبی کی سنت میں جو دلچسپی دکھائی اور جس طرح اس کی خدمت کی اس کی مثال دنیا کی تاریخ میں کہیں نہیں ملتی.

اس میدان میں محدثین کے مجہودات وخدمات کو جاننے کے لئے پہلے یہ جاننا چاہئے کہ علم حدیث کی دو قسمیں ہیں: ایک روایت حدیث کا علم اور دوسری درایت حدیث کا علم. علمِ روایتِ حدیث کا مطلب رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب اور راجح قول کے مطابق رسول کے ساتھ صحابہ وتابعین کی طرف منسوب ہر قول یا فعل یا تقریر یا صفت کو باریکی کے ساتھ نقل کرنا ہے.

اور علم درایتِ حدیث بعض ایسے مسائل ومباحث کے مجموعہ کو کہتے ہیں جن کے ذریعہ روایت کے قبول ورَد کے اعتبار سے راوی اور مروی کے حالات کی معرفت ہوتی ہے. راوی کے حالات سے مراد تحمل واداء اور جرح وتعدیل کے اعتبار سے اس کے حالات کو جاننا نیز راوی کی جائے پیدائش اس کے گھر خاندان، تاریخ پیدائش اور وفات سے متعلق حالات کو جاننا ہے اور مروی کے حالات سے مراد وہ شرطیں ہیں جن کا تحمل واداء کے وقت روایت کے اندر پایا جانا ضروری ہے اور اسناد کے اتصال یا انقطاع یا اعضال یا مصطلح حدیث کی کتابوں میں مذکور اس قسم کے دیگر اوصاف سے متعلق شرائط ہیں.

فن درایت حدیث سے متعلق مباحث کی ابتدا میں مختلف قسمیں تھیں. اور وہ مباحث کثرت کے باوجود موضوع ومنہج کے اعتبار سے مستقل حیثیت رکھتے تھے، اور جب تدوین کا چرچا عام ہوا اور تصنیفات کی کثرت ہونے لگی تو علماء نے اس فن کے ایک ایک پہلو کو اختیار کیا اور اس کا تجزیاتی مطالعہ شروع کر دیا جس کے نتیجے میں اس کے اندر اور بھی وسعت پیدا ہوگئی.

ان علوم میں اہم ترین علوم درج ذیل ہیں:

۱- جرح وتعدیل کا علم:

وہ علم ہے جو راویوں اور ان کے تزکیہ یا تجریح کے بارے میں مخصوص الفاظ کے ذریعہ بحث کرتا ہے. اور عہد صحابہ سے لے کر بعد کے عہد تک کے ائمہ حدیث نے اس فن میں خامہ فرسائی کی ہے.

فن جرح وتعدیل کی جامع تصنیفات میں سے ایک طبقات ابن سعد ہے جس کا اختصار سیوطی نے "ایجاز الوعد المنتقی من طبقات ابن سعد" کے نام سے کیا ہے. بخاری کی "تواریخ ثلاثہ" میں بھی جرح وتعدیل کے مباحث پائے جاتے ہیں. تاریخ میں علی بن مدینی کی بھی ایک کتاب ہے جو دس اجزاء پر مشتمل ہے. اسی طرح ابن حبان کی دس

اجزاء پر مشتمل کتاب ہے، اور عماد بن کثیر کی کتاب ''التکمیل فی معرفة الثقات والضعفاء والمجاہیل'' کے نام سے ایک کتاب ہے. اور صرف ثقات کے بارے میں عجلی، ابن حبان، زین الدین قاسم اور ابن شاہین وغیرہ کی تالیفات ہیں اور ضعفاء ومتروکین سے متعلق بخاری، نسائی، عقیلی، ابن عدی اور ابن جوزی کی تصنیفات ہیں.

۲-علم رجال الحدیث:

وہ علم ہے جس میں حدیث کے راویوں سے راوی حدیث ہونے کی حیثیت سے بحث کی جاتی ہے، امام بخاری کا اس فن سے شغل رہا ہے، طبقات ابن سعد میں بھی اس فن سے متعلق خاصا مواد پایا جاتا ہے. اور ساتویں صدی ہجری میں عزالدین ابن الاثیر نے ''اسد الغابہ'' لکھا. ان کے بعد حافظ ابن حجر عسقلانی نے ''الاصابہ فی تمییز الصحابہ'' تحریر فرمائی جس کا ان کے تلمیذ رشید سیوطی نے ''عین الاصابۃ'' کے نام سے مختصر تیار کیا.

۳-علم مختلف الحدیث:

یہ وہ علم ہے جو ان احادیث سے بحث کرتا ہے جن کے مابین بظاہر تناقض پایا جاتا ہے. اور وہ ان کے درمیان جمع وتطبیق کی صورت نکالتا ہے مطلق کو مقید کر کے یا عام کو خاص کر کے تعدادِ واقعہ پر محمول کر کے یا کسی اور صورت کے ذریعہ.

اس فن میں امام شافعی، ابن قتیبہ، ابو یحییٰ زکریا بن یحییٰ الساجی اور ابن الجوزی وغیرہ نے طبع آزمائی کی ہے.

۴-علم علل الحدیث:

یہ وہ علم ہے جو صحت حدیث میں سبب قدح بننے والے پوشیدہ ومخفی اسباب سے بحث کرتا ہے جیسے منقطع کو موصول، موقوف کو مرفوع اور ایک حدیث کو دوسری حدیث میں خلط ملط کر دینے جیسے مسائل ہیں. اس فن میں جن نامور لوگوں نے طبع آزمائی کی ہے ان میں ابن المدینی، امام مسلم، ابن ابی حاتم، دارقطنی، حاکم اور ابن الجوزی کے نام سرفہرست ہیں.

۵-علم غریب الحدیث:

یہ وہ علم ہے جو رسول اللہ ﷺ کی حدیث کے ان پوشیدہ مقامات اور الفاظ سے بحث کرتا ہے جن کے معنی ومفہوم کا سمجھنا عام لوگوں کے لئے مشکل تھا خاص کر عربی زبان میں بگاڑ پیدا ہونے کے بعد. اور اس فن میں جن لوگوں نے قلم اٹھایا ہے ان میں ابو عبیدہ قاسم بن سلام، ابن قتیبہ، زمخشری، اور مجد الدین ابن اثیر ہیں، ان کے علاوہ سیوطی کی «الدر النثير في تلخيص نهاية ابن الأثير» ہے جو نہایہ لابن اثیر کی تلخیص ہے.

۶۔علم ناسخ الحدیث ومنسوخہ:

اس علم میں ان متعارض احادیث سے بحث کیا جاتا ہے جن کے مابین تطبیق کی صورت نظر نہیں آتی بجز اس کے کہ بعض احادیث پر ناسخ ہونے اور بعض پر منسوخ ہونے کا حکم لگایا جائے۔

اور اس فن میں احمد بن اسحاق دیناری، محمد بن بحر اصبہانی، ہبۃ اللہ بن سلامہ، محمد بن موسیٰ حازمی اور ابن الجوزی وغیرہم نے کتابیں لکھی ہیں۔

جہاں تک علم روایت حدیث کا معاملہ ہے تو ہم پہلے ہی کہہ چکے ہیں کہ اس علم کا دارومدار رسول اللہ ﷺ اور صحابہ وتابعین کی طرف منسوب قول یا فعل یا تقریر یا سنت کو باریکی کے ساتھ فقط نقل کر دینے پر ہے۔ اس فن میں بے شمار کتابیں لکھی گئی ہیں جن میں سے کچھ ہم تک پہنچی ہیں اور کچھ مفقود ہیں۔ اور ان میں سے بہت سی کتابیں مخطوطہ کی شکل میں عالمی کتب خانوں میں پائی جاتی ہیں۔ اس عظیم اسلامی سرمایہ کو قائم رکھنے اور اس پر پڑے ہوئے غبار کو صاف کرنے کے لئے علماء مخلصین آئندہ بھی آتے رہیں گے۔

سنت کی حفاظت میں محدثین کرام کی گرانقدر خدمات اور مجہودات کا یہ مختصر ذکر اور سرسری بیان تھا، ہم نے اس بحث میں مستشرقین کو محدثین کرام کی خدمات جلیلہ کا صریح اعتراف کرتے ہوئے دیکھا۔ اور اس نتیجہ تک پہنچے کہ علوم حدیث کا جو عظیم سرمایہ ہمارے سامنے موجود ہے جس سے دنیا کی ہر قوم محروم ہے اس پر ہمیں ناز کرنا چاہئے اور اس کی حفاظت کے لئے کوشاں رہنا چاہئے۔

اور مسلمانوں کو ان شبہات پر کان نہیں دھرنا چاہئے جن کو دشمنانِ اسلام سنتِ محمدیہ کی اہمیت کو گھٹانے کی غرض سے بار بار ہوا دیتے رہتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اللہ کے اس نور کو گل کر دیں جس کو نبوت نے روشن کیا اور محدثین عظام نے جلا بخشا، تا کہ انسانیت ہمیشہ اس سے روشنی حاصل کرتی رہے۔

۸۔فتنہ وضع حدیث کی روک تھام کے لئے محدثین کی کاوشیں:

حدیث کو اس وقت سخت حملوں کا سامنا کرنا پڑا تھا جب اس کے ناموس کو داغدار کرنے اور اس میں آمیزش کرنے کی کوششیں مختلف مقاصد کے لئے مختلف جہات سے کی گئی تھیں، بعض حضرات نے اپنے سیاسی، مذہبی اور شخصی اغراض کے لئے حدیث کو اپنا آلۂ کار بنانے کی کوشش کی جس کے نتیجے میں وضع حدیث کا فتنہ کھڑا ہو گیا اور یہ اس قدر زور پکڑا کہ اسلام کے اس بنیادی اصل (سنت) کے سامنے تحریف کا خطرہ منڈلانے لگا لیکن علماء کرام نے بھی حدیث

کی تنقیح وتحقیق، اور صحیح وموضوع کی تعیین کے لئے بھرپور جدوجہد کی. اور جس طرح وضع حدیث کی مثال علم وادب کی دنیا میں نہیں ملتی ہے. اسی طرح صحیح حدیث کی چھنٹائی اور وضع کی آلودگی سے اس کی صفائی کے لئے پیش کی جانے والی عظیم قربانیوں اور اس مقصد تک پہنچنے کی خاطر وضع کئے جانے والے علوم اور استعمال میں لائے جانے والے وسائل کی مثال بھی نہ تو دنیا کی تاریخ میں اور نہ ہی کسی قوم وملت کی تاریخ میں کہیں پائی جاتی ہے.

جو تحریک بناء سنت کو زمین بوس کر دینے کے لئے اٹھی تھی اس کے نہایت مثبت نتائج ظاہر ہوئے اور اس نے قلعہ سنت کی پختگی اور علوم حدیث کی بنیاد کی پائیداری میں اہم رول ادا کیا، اور حدیث کی حفاظت، اس کی تنقیح وتطہیر اور اس میں کسی طرح کی دراندازی کی روک تھام کے لئے تمام ضروری انتظامات کر لئے حتی کہ پہلی صدی کے اواخر اور دوسری صدی کے اندر ہی بہت بڑے پیمانے پر تدوین حدیث کا کام شروع کر دیا گیا اور تیسری صدی کے وسط تک یہ کام اپنے کمال کو پہنچ گیا.

تدوین حدیث کے دوران احادیث کی جانچ پڑتال کے سلسلے میں محدثین نے جو کام کیا اس کے نتیجے میں تنقید حدیث کے قواعد ظاہر ہوئے اور علم جرح وتعدیل کی بنیاد پڑی، اور ان کے اہم کارناموں میں سے علم مصطلح حدیث کا وضع کرنا ہے جو تاریخی واقعات کی تحقیق اور نقل صحیح اور نقل باطل کے درمیان تمیز کے لئے دنیا کا سب سے محتاط اور دقیق طریقہ ہے. اگر اللہ تعالیٰ کے یہ برگزیدہ بندے اپنے کام میں مخلص نہ ہوتے، اپنے دین کی حمایت کے لئے آگے نہ آتے، سنت رسول ﷺ کے دفاع کے لئے کمر نہ کستے، اور حدیث ثابت کو حدیث مکذوب سے الگ کرنے میں اپنی عمریں نہ گنواتے جب کہ وہی ائمہ سنت اور اعلام ہدایت ہیں. اگر وہ نہیں ہوتے تو علماء وفضلاء بھی اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں کھاتے اور احادیث پر سے لوگوں کا اعتماد اٹھ جاتا. چنانچہ امام کبیر عبداللہ بن مبارک سے جب یہ سوال کیا گیا کہ ''ان موضوع احادیث کا کیا ہوگا؟'' تو انہوں نے جواب دیا: ان کے لئے ماہر علماء آتے رہیں گے اور اس آیت کی تلاوت کی: ﴿اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ﴾ (بے شک ہم نے قرآن کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں).

اور ایسا ہی ہوا بھی، اس فتنہ کا قلع قمع کرنے کے لئے ماہر فن علماء آئے اور ایک ایک کر کے تمام وضاعین کی نشاندہی کر دی، اور ہر موضوع حدیث کو الگ الگ بیان کر دیا حتی کہ اگر حدیث نبوی میں کسی نے ایک کلمہ کا بھی اضافہ کیا تھا تو اس کو بھی بیان کر دیا اور اس فعل کے مرتکب لوگوں کے ناموں کو ایک جگہ جمع کر دیا. اس کے بعد سنت ایسے ہوگئی جیسا کہ ابن قتیبہ نے کہا ہے: «ليس لأمة سنة مثل سنتنا» ''ہماری سنت کی طرح دنیا کے کسی قوم کے پاس

سنت نہیں ہے''.

پروفیسر نکلسون نے اس قول کو نقل کیا ہے اور اس کی تائید کی ہے، اور پروفیسر مارگولیوتھ کا یہ قول تو اوپر گزر ہی چکا ہے کہ ''علم حدیث پر مسلمان جتنا بھی فخر کریں وہ کم ہے''(۱).

۹-سنت صحیحہ و سنت موضوعہ کے مابین تفریق کے لئے محدثین کے متعین کردہ اصول:

اس سے قبل والی بحث ''وضع حدیث کی روک تھام میں محدثین کی کاوشیں'' کے اندر میں نے امام عبداللہ بن مبارک کا یہ قول نقل کیا ہے کہ جب ان سے موضوع احادیث کے متعلق استفسار کیا گیا تو انہوں نے جواب میں کہا کہ اس کے لئے ماہر فن علماء وجود میں آتے رہیں گے: ﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ إِنَّا لَهُ لَحٰفِظُوْنَ﴾ (بے شک ہم نے قرآن کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں) اور حقیقت میں ماہر فن و نادر روزگار علماء آئے بھی اور انہوں نے روایت صحیحہ و روایت موضوعہ کے مابین تفریق کے لئے نہایت موزوں و دقیق اصول بھی مرتب کئے جن میں سے مشہور درج ذیل قواعد ہیں:

۱- راوی حدیث خود اعتراف کرے کہ اس نے فلاں فلاں حدیث وضع کی ہے. مثلاً بخاری نے التاریخ الأوسط میں عمر بن صبیح بن عمران تیمی سے اس کا یہ قول روایت کیا ہے کہ اس نے خود یہ اقرار کیا ہے کہ میں نے خطبۂ رسول ﷺ کو خود وضع کیا تھا. اسی طرح میسرہ بن عبد ربّہ فارسی نے فضائل قرآن میں احادیث وضع کرنے کا اقرار کیا ہے، نیز علی رضی اللہ عنہ کی شان میں ستر (۷۰) احادیث گڑھنے کا بھی اقرار کیا ہے. اسی طرح ابو عصمہ نوح بن ابی مریم جس کو ''نوح الجامع'' کہا جاتا ہے اس بات کا خود اقرار کرتا ہے کہ اس نے قرآن کی ہر ہر سورت کی فضیلت میں احادیث وضع کر کے ابن عباس کی طرف منسوب کیا ہے(۲).

۲- راوی میں کچھ اس طرح کے قرائن پائے جاتے ہوں جو اس کے جھوٹا ہونے پر دلالت کرتے ہوں مثال کے طور پر حدیث کا راوی جھوٹ میں مشہور ہو، بے دین ہو، اتباع نفس و ہوی کے زیر اثر احادیث و اسانید گڑھتا ہو. مثلاً حاکم نے سیف بن عمر تمیمی سے روایت کیا ہے کہ ہم لوگ سعد بن طریف کے پاس بیٹھے تھے اسی اثنا میں اس کا بیٹا ہاتھ میں کتاب لئے روتا ہوا آیا تو اس نے پوچھا تجھے کیا ہوا ہے؟ بچہ نے جواب دیا کہ استاد نے مجھے مارا ہے اس پر وہ بولا کہ آج میں اسے رسوا کروں گا، مجھ سے عکرمہ نے بحوالہ ابن عباس بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «معلموا

(۱) تاریخ تدوین حدیث: (اردو) ص/۷۱.

(۲) تدریب الراوی: ص/۱۷۸، ۱۸۴، ۱۸۵.

صبیانکم شرارکم أقلهم رحمة للیتیم وأغلظهم علی المسکین» ''تمہارے بچوں کے معلمین بدترین لوگ ہوں گے، یتیم پر کم رحم کریں گے اور مسکینوں پر سخت ہوں گے''(۱).

یحییٰ بن معین نے سعد بن طریف کے متعلق کہا ہے کہ «لا یحل لأحد أن یروی عنه» ''اس سے روایت کرنا کسی کے لئے بھی جائز نہیں ہے''.

مامون بن احمد ہروی سے پوچھا گیا کہ شافعی اور ان کے خراسانی معتقدین کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ اس نے جواب دیا: ہم سے احمد بن عبداللہ نے اور انہوں نے عبداللہ بن معدان سے اور انہوں نے انس بن مالک سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ میری امت میں محمد بن ادریس نام کا ایک شخص ہوگا جو میری امت کے لئے ابلیس سے زیادہ نقصان دہ ہوگا اور ابوحنیفہ نام کا ایک شخص ہوگا جو میری امت کے لئے سراج ثابت ہوگا(۲).

اسی طرح محمد بن عکاشہ کرمانی کذاب سے جب یہ کہا گیا کہ لوگوں کی ایک جماعت رکوع میں جاتے اور رکوع سے اٹھتے ہوئے اپنے ہاتھ اٹھاتی ہے تو اس نے کہا کہ ہم سے میبّب بن واضح نے اور ان سے عبداللہ بن مبارک نے یونس بن یزید سے اور انہوں نے زہری سے اور انہوں نے سالم بن عبداللہ بن عمر سے اور انہوں نے اپنے والد سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے رکوع میں دونوں ہاتھ اٹھایا اس کی نماز نہ ہوئی(۳).

یہ محض جھوٹ ہی نہیں ہے بلکہ نہایت گھٹیا اور ناپاک جھوٹ ہے، کیونکہ اسی سند کے ذریعہ زہری سے قطعی طور پر رکوع میں جاتے اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین ثابت ہے جو کہ موطا اور حدیث کی دیگر تمام کتابوں میں موجود ہے.

امام سیوطی فرماتے ہیں: قرائن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ راوی حدیث رافضی ہو اور حدیث اہل بیت کی فضیلت میں وارد ہو(۴).

۳- راوی حدیث وضع کا صراحتاً اقرار نہ کرے مگر اس کو راوی کا اقرار ہی سمجھا جائے، جیسا کہ راوی کسی شیخ سے کوئی ایسی حدیث روایت کرے جو کسی دوسرے کے پاس نہ ہو. پھر جب راوی سے اس کی تاریخ پیدائش دریافت کی جائے تو وہ ایک متعین تاریخ کی خبر دے. اس کے بعد راوی کی تاریخ پیدائش اور شیخ کی تاریخ وفات کے مقارنہ سے یہ معلوم ہو کہ راوی شیخ کی وفات کے بعد پیدا ہوا ہے یا شیخ کی وفات کے وقت راوی بچہ تھا اور اس عمر میں وہ روایت نہیں

(۱) تدریب الراوی: ص/۱۸۰، ۱۸۱.

(۲) لسان المیزان: ۵/ ۷، ۸، اور تدریب الراوی: ص/۱۸۱.

(۳) تدریب الراوی: ص/۱۸۱.

(۴) تدریب الراوی: ص/۱۸۰.

کر سکتا تھا. وغیرہ ذلک. مثلاً مامون بن احمد ہروی نے دعویٰ کیا کہ اس نے ہشام بن عمار سے حدیث سنا ہے، حافظ ابن حبان نے اس سے پوچھا کہ تم شام کب گئے تھے؟ اس نے کہا ۲۵۰ھ میں، اس پر ابن حبان نے کہا تم جس ہشام سے روایت کرنے کا دعویٰ کرتے ہو وہ ۲۴۵ھ میں ہی انتقال کر گئے تھے. اس نے کہا یہ دوسرا ہشام بن عمار ہے (۱).

۴- مروی کے اندر ہی اس طرح کے قرائن موجود ہوں: مثلاً عبارت میں لحن پایا جائے یا معنی میں ایسی رکاکت وسطحیت ہو جس کا صدور فصحائے عرب کے سردار نبی اکرم ﷺ سے محال ہو.

علماء حدیث معنوی رکاکت کو لفظی رکاکت کے مقابلے میں زیادہ اہمیت دیتے ہیں، اس لئے کہ معنی کا فساد وضع کی سب سے واضح وروشن دلیل ہے.

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: ''رکت کا مدار رکت معنی پر ہے. جہاں یہ رکت پائی جائے گی موضوع کی علامت ہوگی اگر چہ اس کے ساتھ لفظی رکت نہ پائی جائے، کیوں کہ پورا دین محاسن ہے اور رکت عیب ہے، اور صرف لفظی رکت وضع کی علامت نہیں ہے، اس لئے کہ اس بات کا احتمال ہے کہ راوی نے بالمعنی روایت کیا ہو اور حدیث کے الفاظ کو غیر فصیح الفاظ سے بدل دیا گیا ہو، البتہ اگر راوی دعویٰ کرے کہ یہ الفاظ نبی اکرم ﷺ کے ہیں تو وہ جھوٹا ہے'' (۲).

ربیع بن خیثم کا قول ہے، حدیث کے پاس دن کی روشنی کی طرح روشنی ہوتی ہے جسے دیکھتے ہی پہچان لوگے اور رات کی تاریکی کی طرح تاریکی ہوتی ہے جس کا تم فوراً انکار کر دوگے (۳).

علامات وضع میں سے یہ بھی ہے کہ روایت قرآن کی مخالفت میں ہو، مثلاً وہ حدیث جس میں مقدار دنیا کو بیان کیا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ اس کی عمر سات ہزار سال ہے اور ہم لوگ ساتویں ہزار میں ہیں. یہ حدیث بالکل ہی جھوٹ ہے کیونکہ قرآن کے واضح بیان کے خلاف ہے، اگر یہ حدیث صحیح ہوتی تو ہر شخص کو یہ معلوم ہوتا کہ قیامت کے آنے میں محدود ایام رہ گئے ہیں اور اتنے سالوں کے اندر قیامت واقع ہوجائے گی. حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰهَا ۖ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ ۚ لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَآ اِلَّا هُوَ ۘ ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۖ لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً ۖ يَسْئَلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا ۖ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ﴾ (لوگ آپ سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ وہ کب واقع ہوگی، آپ کہہ دیجئے کہ اس کا علم صرف میرے رب کو ہے، اسے اس کے وقت مقرر پر اللہ کے علاوہ کوئی ظاہر نہیں کرے گا، وہ آسمانوں اور زمین کی

(۱) ملاحظہ ہو: کتاب المجروحین: ۳/ ۴۵.

(۲) تدریب الراوی: ص/ ۱۷۹.

(۳) تدریب الراوی: ص/ ۱۷۹.

ایک بھاری بات ہے، وہ تمہارے سامنے اچانک آ جائے گی، لوگ آپ سے اس طرح پوچھتے ہیں کہ جیسے آپ ہر دم اس کی کرید میں لگے ہوئے ہیں، آپ کہئے کہ اس کا علم صرف اللہ کو ہے)[۱].

نیز فرماتا ہے: ﴿إِنَّ اللّٰهَ عِندَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ﴾ (بے شک اللہ کو ہی قیامت کا علم ہے)[۲].

علامات وضع میں سے یہ بھی ہے کہ حدیث عقل یا حس یا مشاہدہ کے خلاف ہو، اس کی مثال وہ روایت ہے جسے ابن جوزی نے عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم عن ابیہ عن جدہ کے طریق سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ "نوح علیہ السلام کی کشتی نے خانۂ کعبہ کا سات مرتبہ طواف کیا اور مقام ابراہیم کے نزدیک دو رکعت نماز پڑھی".

اور تہذیب میں امام شافعی سے یہ روایت منقول ہے کہ امام مالک سے کسی نے ایک منقطع حدیث بیان کیا تو امام مالک نے اس سے کہا: تم عبدالرحمٰن بن زید کے پاس جاؤ وہ تم کو اپنے باپ کے ذریعہ نوح سے روایت کر کے بتائے گا.

اس کی ایک مثال یہ بھی ہے جس کو ابن الجوزی ہی نے محمد بن شجاع بلخی کے طریق سے روابت کیا ہے اور وہ حسان بن ہلال سے وہ حماد بن سلمہ سے، وہ ابومہزم سے اور وہ ابوہریرہ سے مرفوعاً روایت کرتا ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے گھوڑا پیدا کیا پھر اس کو دوڑایا اور جب اس کے بدن سے پسینہ نکلا تو اس سے خود کو پیدا کیا".

امام سیوطی تدریب میں فرماتے ہیں: اس کو کوئی مسلمان وضع نہیں کرسکتا، اس کا وضع کرنے والا محمد بن شجاع بددین تھا. اور اس روایت میں ابومہزم بھی ہے جس کے متعلق شعبہ کا کہنا ہے کہ میں نے دیکھا اگر اس کو ایک درہم دے دیا جائے تو وہ اس کے بدلے پچاسوں حدیثیں وضع کر دے گا.

۵- روایت میں چھوٹے گناہ پر سخت عذاب کی وعید ہو یا معمولی عمل پر اجر عظیم کا وعدہ ہو.

نیز علامات وضع میں سے یہ بھی ہے کہ حدیث سنت متواترہ یا اجماع قطعی کے خلاف ہو، یا متواتر کی تعداد کی طرح علماء کی ایک بڑی جماعت اس کی بصراحت تردید وتکذیب کرتی ہو. یا اس میں کسی ایسے اہم واقعہ کی خبر ہو جس کو لوگوں کی کثیر تعداد کی طرف سے روایت کیا جانا چاہئے، لیکن اسے صرف ایک ہی شخص روایت کرتا ہو[۳].

---

(۱) سورۂ اعراف: آیت/۱۸۷.

(۲) سورۂ لقمان: آیت: ۳۴.

(۳) ملاحظہ ہو: الباعث الحثیث، بحث "معرفة الموضوع" ص/۸۷. اور اس کے بعد والے صفحات اور الفیۃ الحدیث: ص/۹۷ اور اس کے بعد کے کچھ صفحات.

ثانی

فتنۂ انکارِ سنت

اس میں تین فصلیں ہیں:

پہلی فصل: دوسری صدی میں انکارِ سنت کا فتنہ.

دوسری فصل: حدیثِ نبوی کی صحت کے متعلق مستشرقین کے شکوک وشبہات.

تیسری فصل: چودھویں صدی کے بعض نام نہاد مسلمانوں کی سنت سے دشمنی.

پہلی فصل

دوسری صدی میں انکار سنت کا فتنہ

انکار سنت کے اسباب:

رسول اللہ ﷺ اس حال میں دنیا سے رخصت ہوئے کہ آپ اسلام اور اس کی دعوت کی طرف سے بالکل مطمئن تھے. اور آپ کو اندازہ ہو چکا تھا کہ آپ کے اصحاب دین اور اس کی حقیقت سے مکمل طور پر آگاہ ہو چکے ہیں، ان کے دلوں میں اسلام کی عظمت رچ بس گئی ہے اور دین کے بارے میں وہ پوری طرح مخلص ہیں، اور ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں اور ایک کتاب، ایک شریعت اور ایک نبی کی محبت نے ان کے دلوں کو جوڑ رکھا ہے حتی کہ وہ اس تعریف کے مستحق ہیں: ﴿مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ۡ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ﴾ (محمد اللہ کے رسول ہیں، اور جو لوگ اُن کے ساتھ ہیں، وہ کافروں کے لئے بڑے سخت ہیں، اور آپس میں نہایت مہربان ہیں، آپ انہیں رکوع اور سجدہ کرتے دیکھتے ہیں، وہ لوگ اللہ کی رضا اور اس کے فضل کی جستجو میں رہتے ہیں، سجدوں کے اثر سے اُن کی نشانی ان کے پیشانیوں پر عیاں ہوتی ہے)(۱).

صحابہ کرام ہمیشہ اسی ڈگر پر چلتے رہے. اسلام کی نشر و اشاعت اور روئے زمین پر قرآنی حکومت کے قیام کے لئے ایک دوسرے کا ہاتھ بٹاتے رہے. اور ایک فوجی کی طرح اطاعت و فرمانبرداری کا قلادہ پہنے رہے، وہ نہ بغاوت سے آشنا تھے اور نہ اختلاف سے بلکہ وہ نئی حکومت، نئی شریعت اور نئی امت کی تعمیر و ترقی کے لئے دن رات کوشاں رہے.

مگر اسلام کے یہودی اور فارسی دشمنوں نے جو خود کو آزاد و مختار اور تمام لوگوں کا سردار سمجھتے تھے اور اپنے علاوہ دوسری قوموں کو اپنا غلام و خدمتگار گردانتے تھے جب یہ دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان عربوں کے ہاتھوں جن کی وہ توہین و تحقیر کیا کرتے تھے ان کی عزت کو ذلت سے بدل دیا ہے تو ان کے اوپر یہ بات بجلی بن کر گری اور انہوں نے بظاہر اسلام کو قبول تو کر لیا مگر ان کے دل اسلام کی روشنی سے محروم ہی رہے. بالآخر یہ لوگ اسلام کے خلاف صف آراء ہو گئے اور اس کو نقصان پہنچانے کے لئے سازشیں کرنا شروع کر دیا، اور یہ سلسلہ عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت تک چلتا رہا حتی کہ انہی لوگوں کی سازش کے نتیجے میں خلیفہ ثالث کا قتل بھی ہوا.

---

(۱) سورۃ الفتح: آیت/۲۹.

یہی وہ مقام ہے جہاں سے بناء اسلام میں شگاف پڑنا شروع ہوا اور ملت اسلامیہ کے جسم میں اختلاف کا زہر داخل ہوا، عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے قتل کے بعد لوگوں نے علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کیا مگر ایک دن کے لئے بھی ان کی خلافت پرسکون نہیں رہی، اس لئے کہ معاویہ بن ابی سفیان جن کا شام میں دبدبہ قائم ہو گیا تھا پہلے ہی دن سے خون عثمان کا مطالبہ کرنے لگے. اور اس وقت تک کے لئے علی کی بیعت سے انکار کر دیا جب تک خلیفہ ثالث کے قتل کا بدلہ نہ لے لیا جائے. اس معاملہ کو لیکر ان دونوں بزرگوں کے مابین سخت جنگیں بھی ہوئیں، بالآخر جنگ صفین کے موقع سے ''تحکیم'' پر دونوں فریقوں کی رضامندی کے بعد یہ معاملہ سرد پڑا.

اسی وقت سے مسلمانوں میں چند فرقے ظاہر ہو گئے:

۱-خوارج:

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے قبول تحکیم کو کفر تصور کیا اور ان لوگوں نے علی و عثمان، اصحاب جمل، دونوں حکم، تحکیم کو پسند کرنے والے اور اسے صحیح قدم قرار دینے والے نیز دونوں حکم یا ان میں سے کسی کی تصویب کرنے والے تمام اجلاء صحابہ کو کافر قرار دیا، اس کے بعد جمہور صحابہ کی ان تمام احادیث کو قبول کرنے سے انکار کر دیا جو بعد از فتنہ کی ہیں. کیوں کہ وہ تحکیم سے راضی تھے اور خوارج کے بقول انہوں نے ائمہ جور کی اتباع کی تھی.

۲-شیعہ:

یہ وہ لوگ تھے جو دائرۂ اسلام میں رہتے ہوئے علی رضی اللہ عنہ کی حمایت کی، اور تحکیم کو بھی قبول کیا اور اپنے لئے الگ عقیدہ منتخب کیا. یہ لوگ ابوبکر و عمر و عثمان اور ان کے حامی صحابہ کی تنقیص کرتے ہیں، عائشہ، طلحہ، زبیر، معاویہ، عمرو بن عاص اور ان کے ہم خیال صحابہ کی شان میں بھی نازیبا کلمات استعمال کرتے ہیں. بلکہ تمام صحابہ کی تجریح و تنقیص کرتے ہیں سوائے ان چند صحابہ کے جو علی رضی اللہ عنہ کے حمایتی سمجھے جاتے ہیں.

اسی بنیاد پر وہ حامیان علی سے مروی احادیث کے علاوہ جو ان کے ائمہ کے طریق سے مروی ہیں جمہور صحابہ کے تمام احادیث کو رد کر دیتے ہیں. اور صرف فرقہ زیدیہ ہی شیخین کی خلافت کو صحیح مانتے ہیں.

۳-عامۃ المسلمین:

یہ وہ لوگ ہیں جو خروج یا تشیع کی بدعت سے پاک وصاف ہیں، اور انہوں نے فتنہ سے پہلے اور فتنہ کے بعد بھی تمام صحابہ کی عدالت کے قائل ہیں. یہ اصحاب علی کی مرویات کو چھوڑ کر تمام عادل وثقہ لوگوں کی روایت کو

قبول کرتے تھے. البتہ عبد اللہ بن مسعود کے اصحاب کی مرویات کو قبول کرتے ہیں کیونکہ یہ لوگ ثقہ وامین ہیں. اوران لوگوں نے کبھی بھی علی رضی اللہ عنہ کی حمایت میں اس طرح کذب بیانی سے کام نہیں لیا جیسا کہ علی کے رافضی اصحاب نے کیا تھا.

بعد میں چل کر شیعیت اسلام کے لئے بہت بڑا خطرہ اور اعداء اسلام کے لئے محفوظ کمین گاہ ثابت ہوا، اور اس فتنہ کا سرغنہ عبد اللہ بن سبأ یہودی تھا جس نے دکھاوے کے لئے اسلام قبول کیا، اور علی رضی اللہ عنہ کی محبت کا دم بھرنے لگا اور ان کی محبت میں اس قدر غلو کا مرتکب ہوا کہ ان کی الوہیت کا دعویٰ کر بیٹھا. یہی نہیں بلکہ اس عقیدے کی اشاعت کے لئے مختلف شہروں میں قاصدین کو روانہ کیا اور عاملین سے خط و کتابت کیا. اور عوام الناس میں اس عقیدے کے پرچار کے لئے خفیہ کوشش کیا لیکن جب علی رضی اللہ عنہ کو اس کی خبر ملی تو وہ اس فتنہ کے سد باب کے لئے کھڑے ہو گئے، اور بعض فتنہ پردازوں کو جلا ڈالا، بعض مؤرخین کی رائے کے مطابق جلائے جانے والوں میں عبد اللہ بن سبأ بھی تھا. مگر اس وقت تک پانی سر سے گذر چکا تھا. اور فتنہ جڑ پکڑ چکا تھا. اور یہ مسموم افکار بہت سے لوگوں کے دلوں میں جگہ بنا چکے تھے.

حاصل یہ کہ یہودی سازش جزوی طور پر کامیاب ہوگئی اور اس کے دو خطرناک نتیجے برآمد ہوئے.

پہلا: علی بن ابی طالب کے نام سے احادیث وضع کیا جانے لگا.

دوسرا: حامیان علی کے علاوہ طرق سے مروی احادیث کو رد کرنے کا رجحان عام ہوا.

بالآخر معاویہ بن ابی سفیان کی خلافت پر عامۃ المسلمین کا اتفاق تو ہو گیا. مگر سیاسی انتشار کو دبایا نہیں جا سکا، اعداء اسلام نے فتنہ کا جو پودا لگایا تھا وہ تناور ہو کر کڑوے کسیلے پھل دینے لگا، اور دھیرے دھیرے خلافت، صحابہ کرام کی تکفیر اور جمہور صحابہ سے مروی احادیث کو قبول نہ کرنے کے سلسلے میں شیعہ و خوارج کے موقف میں مزید شدت بھی آتی گئی اور دوسری صدی کے آنے تک مسلمان تین متحارب و مخالف فرقوں میں اس طرح منقسم ہو چکے تھے گویا تین فرقے نہیں بلکہ تین قومیں ہوں. اور ہر فرقہ کا اپنا الگ عقیدہ تھا اور شریعت، صاحب شریعت اور امت کے پاسبان صحابہ کرام کے متعلق سبھوں کے جداگانہ خیالات و نظریات تھے.

جس سنت کو صحابہ کرام نے جانفشانی اور عرق ریزی کے بعد جمع کیا تھا اور جس کی تحقیق کا کام ائمہ دین و ناقدین حدیث کے مبارک ہاتھوں انجام پایا تھا اسے شیعوں کے زبردست حملوں کا سامنا کرنا پڑا، جنھوں نے جمہور صحابہ کی احادیث پر جھوٹ اور من گھڑت ہونے کے الزامات عائد کئے، صحابہ کی عدالت کو پامال کیا، اور ان پر غلط و بے بنیاد الزامات عائد کئے، اور ان اعمال کے پیچھے ان کا مقصد اس بنیاد کو ڈھا دینا تھا جس پر حدیث نبوی کی عمارت قائم تھی.

خوارج نے بھی اس سے ملتا جلتا موقف اختیار کیا.اورانہوں نے سنت کو اَساس شریعت ماننے سے انکار کردیا اور وہ اس کے ذریعہ اسلامی معاشرہ کوسبوتاژ کرنا اور اس میں اباحیت پسندی اور انتشار پھیلانا چاہتے تھے.اور چونکہ سنت لوگوں کے لئے منار ہدایت تھی اور اسی کی بدولت لوگ ایک لڑی میں پروئے ہوئے تھے اس لئے سنت کا انکار کئے بغیر اپنے مقصد کو حاصل کرنا ان کے لئے ممکن نہیں تھا.

ان کے شبہات کی تردید:

یہ دونوں فرقے اسی وقت سیدھے راستے سے بھٹک گئے تھے اور ایک سنگین غلطی کے مرتکب ہوئے تھے جب انہوں نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی عدالت کو اس لئے چیلنج کیا تھا تاکہ وہ انکار سنت کی دیوار کھڑی کرسکیں اور چونکہ صحابہ کرام سلسلۂ اسناد کی پہلی کڑی ہیں اس لئے ان کی تنقیص ضروری تھا.

ایسے چند افراد کو چھوڑ کر جو رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد اسلام پر قائم نہیں رہ سکے تھے،جن کی تعداد ایک ہاتھ کی انگلیوں کی تعداد سے زیادہ نہیں ہے عام اہل سنت والجماعت جملہ صحابہ کرام کی عدالت وایمانداری پر متفق ہیں (۱).

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے اس قول کے ذریعہ صحابہ کا تزکیہ یوں بیان کیا ہے:﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَ الَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا ؗ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۛ وَ مَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۛ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْئَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ؕ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝﴾ (محمد اللہ کے رسول ہیں،اور جو لوگ اُن کے ساتھ ہیں،وہ کافروں کے لئے بڑے سخت ہیں،اور آپس میں نہایت مہربان ہیں،آپ انہیں رکوع اور سجدہ کرتے دیکھتے ہیں،وہ لوگ اللہ کی رضا اور اس کے فضل کی جستجو میں رہتے ہیں،سجدوں کے اثر سے اُن کی نشانی ان کے پیشانیوں پر عیاں ہوتی ہے،تورات میں ان کی یہی مثال بیان کی گئی ہے،اور انجیل میں بھی ان کی یہی مثال بیان کی گئی ہے،اس کھیتی کی مانند جس نے پہلے اپنی کونپل نکالی،پھر اُسے سہارا دیا تو وہ موٹی ہوگئی،پھر اپنے تنے پر سیدھی کھڑی ہوگئی،وہ کھیت اب کاشتکاروں کو خوش کررہا ہے،(اللہ نے ایسا اس لئے کیا) تاکہ اُن مسلمانوں کے ذریعہ کافروں کو غضبناک بنائے،اُن میں سے جو ایمان لائے اور انہوں نے عمل صالح کیا،اُن سے اللہ نے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ کیا ہے)(۲).

---

(۱) ملاحظہ ہو:الروض الباسم،ص:۱۲۸-۱۳۰.

(۲) سورۃ الفتح:آیت/۲۹.

رسول اللہ ﷺ نے بھی اجتماعی وانفرادی طور پر صحابہ کرام کی فضیلت ومرتبت کی شہادت دیا ہے. ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "لَا تسبوا أحدًا من أصحابی، فان أحدکم لو أنفق مثل أحد ذهبًا ما أدرک مدّ أحدهم ولَا نصيفه" [1] "میرے صحابہ میں سے کسی کو گالی نہ دو، اگر تم میں کا کوئی احد پہاڑ کے برابر بھی سونا خرچ کردے تو ان کے ایک سیر یا آدھا سیر کو نہیں پہنچ سکتا"۔

عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جس کو ترمذی نے اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (اللّٰه اللّٰه في أصحابی، لَا تتخذوهم غرضًا بعدی، فمن أحبهم فبحبي أحبهم، ومن أبغضهم فببغضي أبغضهم، ومن آذاهم فقد آذانی، ومن آذانی فقد آذى اللّٰه، ومن آذى اللّٰه يوشک أن يأخذه) "اللہ سے ڈرو اللہ سے ڈرو میرے صحابہ کے بارے میں، ان کو میرے بعد ہدف تنقید نہ بنانا، کیونکہ جس نے ان سے محبت کی تو میری محبت کی بنا پر کی اور جس نے ان سے دشمنی کی تو مجھ سے دشمنی کی بنا پر کی، جس نے ان کو ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ کو ایذا دی اور جس نے اللہ کو ایذا دی تو قریب ہے کہ اللہ اسے پکڑ لے" [2]۔

عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں: (من كان منكم متاسياً فليتاس بأصحاب محمد صلى اللّٰه عليه وسلم فانهم كانوا أبر هذه الأمة قلوباً وأقلها تكلفا، وأقومها هديا وأحسنها حالاً، قوم اختارهم اللّٰه لصحبة نبيه وإقامة دينه، فاعرفوا لهم فضلهم واتبعواهم فی آثارهم، فانهم كانوا على الهدى المستقيم) "تم میں سے جو شخص کسی کو اپنے لئے اسوہ بنانا چاہتا ہے تو وہ صحابہ کرام کو اپنا اسوہ بنائے کیونکہ وہ اس امت میں سب سے زیادہ نیک دل، سب سے کم تکلف والے، سب سے زیادہ ہدایت یافتہ اور سب سے عمدہ حال والے ہیں. اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے نبی کی صحبت اور اپنے دین کی اقامت کے لئے اختیار کیا تھا تم لوگ ان کے مقام کی بلندی کو پہچانو اور ان کے آثار میں ان کی اتباع کرو وہ ہمیشہ صراط مستقیم پر گامزن رہے ہیں" [3]۔

---

(۱) بخاری: كتاب فضائل أصحاب النبی صلى اللّٰه عليه وسلم، باب قول النبی صلى اللّٰه عليه وسلم، لو كنت متخذاً خليلاً، مسلم: فضائل الصحابة، باب تحريم سب الصحابة، حدیث: ۲۵۴۱، ابوداؤد: كتاب السنة، باب النهي عن سب أصحاب النبی صلى اللّٰه عليه وسلم حدیث: ۴۶۵۸، ترمذی: كتاب المناقب، باب فيمن سب أصحاب النبی صلى اللّٰه عليه وسلم، حدیث ۳۸۶۰۔

(۲) ترمذی: كتاب المناقب، باب فيمن سب أصحاب النبی صلى اللّٰه عليه وسلم، حدیث: ۳۸۶۱، امام احمد فی المسند، ج ۴، ص: ۸۷، امام ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث غریب ہے اس کو ہم صرف اسی سند سے جانتے ہیں۔

(۳) الموافقات: ۴/۵۱۔

حافظ ابو زرعہ رازی کا قول ہے: ''جب تم کسی شخص کو اصحاب رسول میں سے کسی صحابی کی تنقیص کرتے ہوئے دیکھو تو سمجھ لو کہ وہ زندیق ہے. ایسا اس لئے کہ رسول برحق ہیں، قرآن برحق ہے اور جو کچھ اپنے ساتھ لائے تھے وہ بھی برحق ہے. اور ان تمام چیزوں کو ہم تک پہنچانے والے صحابہ ہیں، اب یہ زنادقہ چاہتے ہیں کہ ہمارے دین کے ان معماروں کو جرح کا شکار بنا کر کتاب وسنت ہی کو باطل قرار دے دیا جائے، جبکہ وہ خود جرح کی زد میں آنے کے زیادہ مستحق ہیں''(۱).

حاصل یہ کہ شان صحابہ کے خلاف وہی شخص گفتگو کرے گا جس کے دل کو اللہ نے بے نور کر دیا ہے. وہ جونہی کسی صحابی کے خلاف زبان دراز کرتا ہے، اسی وقت کتاب اللہ اور سنت رسول کے ذریعہ اس پر حجت قائم ہو جاتی ہے.

انکار سنت کا جھنڈا ایک دوسرے گمراہ فرقے کے ہاتھ میں:

اس سے قبل ہم بتا چکے ہیں کہ یہودیوں، فارسیوں اور عجمیوں کو اس بات کا بڑا ملال تھا کہ اسلام نے ان سے ان کی مملکت اور شان وشوکت چھین لیا ہے اور ان کی عظمت وشان کے تمام مناروں کو نیست ونابود کر دیا ہے. اس لئے وہ اور وہ تمام لوگ جن کے دلوں میں اسلام اور اس کے نبی کے خلاف نفرت وعداوت کا لاوا پھوٹ رہا تھا، شروع ہی سے اسلامی معاشرہ کے وجود کو سبوتاژ کرنے میں لگے ہوئے تھے، اس دوران خفیہ سازشیں اور خطرناک تنظیمیں پروان چڑھتی رہیں یہاں تک کہ دوسری صدی آئی جس میں علمی تحریک کا سلسلہ شروع ہوا اور فارسی کتابوں اور فلسفوں نیز بت پرست یونان کی منطقی کتابوں کا ترجمہ ہوا. اس موقع سے اسلام دشمن عناصر نے بھرپور فائدہ اٹھایا اور علم حکمت ومعقول نام کے جدید ہتھیار سے اسلام پر تابڑ توڑ حملہ شروع کر دیا، اور انہوں نے نصوص نبویہ ہی نہیں بلکہ آیات قرآنیہ کے خلاف بھی شکوک وشبہات پھیلانا شروع کر دیا.

کفر والحاد کے ان علمبرداروں نے حدیث وائمہ حدیث کے خلاف ایک خطرناک جنگ چھیڑ دی، صحابہ کرام کی شان میں گندی زبان استعمال کرنے لگے. اہل حدیثوں کی برائی اور انکے طرز عمل کی عیب جوئی کی جانے لگی. ان کی عزت وناموس پر حملہ کیا گیا اور ان کو احمق، بے وقوف اور بلید وغیرہ کہا گیا.

ان سب کے پیچھے ان کا مقصد محض یہ تھا کہ حدیث اور اہل حدیث دونوں کی قدر ومنزلت کو کم کر دیا جائے اور شریعت اسلامی کی تشکیل میں حدیث کا جو اہم کردار ہے اسے ختم کر دیا جائے، تا کہ وہ امت اسلامیہ کے افراد میں بگاڑ وفساد، اباحیت اور فسق وفجور کو پھیلا سکیں.

---

(۱) الکفایۃ: ص/۴۹.

ان کے کافرانہ نظریات کی تردید:

مسلمانوں کے بہت سے ائمہ وعلماء ان شبہات کی تردید کے لئے آگے آئے جو سنت نبویہ، صحابہ کرام اور حدیث کے مخلص راویوں کے متعلق پھیلائے گئے تھے، ان میں سے ایک امام ابن قتیبہ ہیں جنھوں نے اپنی کتاب ''تاویل مختلف الحدیث'' میں جو اس گمراہ فرقے کی تردید میں ہی لکھی گئی تھی ان کے بعض الزامات وخرافات کو بیان کیا ہے جن کا نشانہ اہل حدیث تھے.

وہ ایک ایک کر کے تمام رؤساء معتزلہ کا ذکر کرتے ہیں حتی کہ نظام تک پہنچتے ہیں جو نہایت شاطر ومکار تھا، صبح سے شام تک نشے میں دھت رہتا، شراب کے مشکیزے کے ساتھ ہی سوتا تھا، گندی جگھوں پر رہتا اور فواحش ومنکرات کا ارتکاب کرتا تھا. اس شعر کا قائل وہی ہے.

ما زلت آخذ روح الزق في لطف   واستبيح دماً من غير مجروح
حتى انثنيت ولي روحان في جسد   والزق مطرح، جسم بلا روح

پھر اس کے بعد امام موصوف نے بہت سے مسائل میں اس کی طرف سے اجماع امت کی مخالفت کئے جانے اور صحابہ وخلفاء اربعہ کا استہزاء واستخفاف کرنے کا ذکر کیا ہے[۱].

ابو ہذیل العلاف کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں: ''انه كذاب افاك'' کہ وہ بہت بڑا جھوٹا اور بہت بڑا فتنہ پرداز تھا[۲] عبید اللہ بن حسن اور بکر صاحب البکریۃ کے ذکر کے ساتھ ان کی ضلالت وگمراہی اور فساد کا بھی ذکر کیا ہے[۳] اس کے بعد ہشام بن الحکم کے متعلق انہوں نے لکھا ہے[۴]: وہ غالی رافضی تھا. اللہ تعالیٰ کے بارے میں اقطار اور حدود اور بعض ایسی باتوں کا قائل ہے جنہیں بیان نہیں کیا جاتا.

اس کے بعد کہتے ہیں: پھر جب ہم ثمامہ پر نظر ڈالتے ہیں تو پاتے ہیں کہ وہ ایک بددین تھا اسلام کی تنقیص کرتا اور اس کا مذاق اڑاتا تھا، وہ اپنی زبان کو اس طرح بے لگام رکھتا کہ جو اللہ کی معرفت رکھتا ہے اور اس پر ایمان لاتا ہے وہ اس طرح کی باتیں ہرگز نہیں کہہ سکتا ہے. وہی جس نے لوگوں کو جمعہ کے دن مسجد جاتے ہوئے دیکھ کر کہا تھا:

---

(۱) تاویل مختلف الحدیث: ص/۲۰.
(۲) تاویل مختلف الحدیث: ص/۴۳.
(۳) تاویل مختلف الحدیث: ص/۴۴-۴۶.
(۴) تاویل مختلف الحدیث: ص/۴۸.

"أنظروا الى البقر، أنظروا إلى الحمير، ثم قال لرجل من اخوانه، ماذا صنع هذا العربي (يعني محمد صلى الله عليه وسلم) بالناس" "ذرا دیکھو اس بیل کو، ذرا اس گدھے کی طرف دیکھو، پھر اس نے اپنے ایک ساتھی کو مخاطب کر کے کہا: اس عربی یعنی محمد (ﷺ) نے لوگوں کو کیا کر دیا ہے؟"(۱)

پھر وہ محمد بن جہم البرمکی کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں اس کا جو مصحف ہے اس میں ہم دیکھتے ہیں کہ کون وفساد فطرت وطبیعت اور حدود منطق سے متعلق ارسطو نظریات ہیں. اس نے عمر بھر کبھی رمضان کا روزہ نہیں رکھا.

میں کہتا ہوں کہ جب یہ لوگ فسق وفجور، بے حیائی وبدکلامی، تکبر ونخوت اور رسول واصحاب رسول کے استخفاف واستہزاء میں اس حد تک بڑھے ہوئے ہیں اور اسلامی معاشرہ میں فساد اور بے حیائی عام کرنے کے لئے اتنے کوشاں ہیں تو ان باتوں کو جان لینے کے بعد ان کی اہل حدیث دشمنی، محدثین کی عزت ووقار پر حملہ اور ان کے خلاف الزام تراشی نیز اپنے مزعوم فلسفہ وعلوم کی سری وجہری دعوت اور سنت محمدیہ سے لوگوں کو منحرف کرنے جیسی ان کی کاروائیوں پر ہمیں کوئی تعجب نہیں ہوتا.

امام شافعی نے بھی حدیث کے متعلق ان کے شبہات واباطیل کی تردید کیا ہے چنانچہ ان کی کتاب ''الأم'' کے ابتدا میں ہی ان کے اور اس قسم کے باطل نظریات کے حامل بعض افراد کے مابین ہوئے مکالمے کا ذکر ملتا ہے. علماء کا خیال ہے کہ وہ سائل ایک معتزلی ہی تھا. اس طرح امام محمد بن نصر المروزی نے بھی اپنی کتاب ''السنۃ'' میں ان لوگوں پر رد کیا ہے(۲).

---

(۱) تاویل مختلف الحدیث: ص ر ۴۹.

(۲) تاریخ التشریع الإسلامی، للخضری: ص ر ۱۵۵، نیز امام شافعی کی کتاب ''الرسالہ'' اور امام محمد بن نصر المروزی کی السنۃ ضرور ملاحظہ کریں.

دوسری فصل

حدیث نبوی کی صحت میں مستشرقین کے شکوک وشبہات

استشراق تاریخ کے آئینے میں:

مستشرقین اور حدیث نبوی کے خلاف ان کے پھیلائے ہوئے شکوک وشبہات پر گفتگو کرنے سے قبل میں یہ مناسب خیال کرتا ہوں کہ پہلے استشراق کی حقیقت اور اس کے پوشیدہ اغراض کا کچھ ذکر ہو جائے تاکہ مستشرقین اور اسلام کے خاتمہ کے لئے ان کی پیہم کوششوں کا جب ہم آئندہ تذکرہ کریں تو انہیں سمجھنے میں کوئی دشواری نہ ہو اور حدیث نبوی کی صحت کے متعلق ان کے پھیلائے شکوک وشبہات پر گفتگو کے لئے مقدمہ کا کام بھی دے.

اس بارے میں پورے وثوق سے کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ مشرقی علوم کے دراستہ وتحقیق کے لئے سب سے پہلے کس مغربی شخص نے پیش قدمی کی ہے اور کب کی ہے، لیکن یہ بات متحقق ہے کہ جس وقت اندلس کی فضاؤں پر اس کی عظمت کا پرچم لہرا رہا تھا اس زمانہ میں کچھ مغربی راہبوں نے اندلس کے مدارس میں رہ کر مسلمان عالموں سے مختلف علوم وفنون کی تعلیم حاصل کی تھی. اور انہوں نے قرآن کریم اور دیگر عربی کتابوں کا اپنی زبان میں ترجمہ بھی کیا تھا، اور جب یہ اپنے ملک واپس ہوئے تو وہاں عربی تعلیم وتہذیب کو رواج دیا، نیز علوم عربیہ کی تعلیم وتحقیق کے لئے الگ ادارے قائم کئے.

اس کے بعد یہ سلسلہ ہمیشہ جاری رہا، اسلامی علوم اور عربی زبان کی تعلیم وتدریس کے لئے لوگ عربی واسلامی ممالک کا برابر سفر کرتے رہے. اور انہوں نے قرآن کریم کے ترجمہ کے ساتھ عربی کی کچھ علمی وادبی کتابوں کا ترجمہ بھی کیا. اور تیرہویں صدی ہجری تک یہ سلسلہ چلتا رہا. اور یہی وہ زمانہ ہے جس میں عالم اسلامی پر مغربی ممالک کا غلبہ ہوا. استشراق میں متعدد مغربی علماء کا ظہور ہوا اور عربی واسلامی ممالک میں موجود عربی مخطوطات پر قابض ہونے اور ان کو ان کے بے قدر مالکان سے خریدنے اور مکتبات عامہ سے انہیں چرانے کا کام بھی اسی زمانہ میں ہوا.

انیسویں صدی عیسوی کی آخری دہائی یعنی ۱۸۷۳ء میں پیرس کے اندر مستشرقین کی پہلی کانفرنس ہوئی تھی اس کے بعد کانفرنسوں کا سلسلہ چل پڑا.

مشرقی علوم کے دراستہ وتحقیق کے پیچھے جو عوامل ومحرکات کارفرما تھے وہ دینی اور سیاسی نوعیت کے تھے. اور ان کا مقصد اول اسلام کو بدنام کرنا اور اس کے حقائق کو مسخ کرنا تھا. اس لئے کہ اہل یورپ کی نظر میں اسلام ہی

مسیحیت کا واحد مخالف تھا. خصوصا موجودہ دور میں جب انہوں نے دیکھا کہ جدید تہذیب نے اہل یورپ کے عقیدے کی تمام بنیادوں کو ہلا کر رکھ دیا ہے تو اسلام پر اپنے حملے کو تیز تر کر دیا، تاکہ اپنی قوم کو اپنے عقیدے اور کتاب مقدس کی تنقید سے باز رکھ سکیں.

اسی طرح وہ اسلام کے خلاف پروپیگنڈا کر کے عقیدۂ اسلامیہ کو کمزور اور اسلامی علوم و آداب کو مشکوک بنانا چاہتے تھے.

جب انہوں نے بلادِ اسلامیہ پر سیاسی غلبہ حاصل کر لیا تو استشراقی مشن کو تیز تر کر دیا تاکہ مسلمان اپنے دین وعقیدہ سے بیزار ہو کر یورپ کی گود میں آ جائیں اور وہ ان سے اصول عقائد اور معیار اخلاق حاصل کریں.

یورپی مصنوعات کو اسلامی بازاروں میں پھیلانا اور اسلامی ممالک کے ذرائع آمدنی کو سستے داموں میں خرید کر مقامی صنعت کو ناکارہ بنا دینا بھی استشراقی مشن کا ایک اہم کام رہا ہے.

نیز استشراقی مشن کا ایک محرک یہ بھی ہے جو موجودہ دور میں ظاہر ہوا ہے. اور وہ یہ کہ تمام مغربی ممالک اپنے سفارتخانوں میں کلچرل اتاچی یا عربی داں سکریٹری کی تقرری کرتے ہیں تاکہ اس ملک کے اہل فکر وسیاست کو ملا کر وہاں اپنے ملک کی پسندیدہ فکر وسیاست کو مسلط کر سکیں. آپ کو بہت کم ایسے مستشرقین ملیں گے جنہوں نے ذاتی رغبت سے قوموں کی تہذیب وتمدن اور ان کے دین وزبان وادب کو حاصل کرنے کی طرف متوجہ ہوئے ہیں، اس قسم کے لوگ تو انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں. اور ایسا اس بنا پر کہا جاتا ہے کہ ان کی بے لوث تحقیقات ہرگز رواج نہیں پا سکتے. اور وہ نہ رجال دین کے یہاں مقبول ہوں گے نہ رجال سیاست کے یہاں اور نہ عام لوگوں کے نزدیک، ان تحقیقات سے ان کو آخر کیا فائدہ حاصل ہو سکتا ہے.

ایمانداری اور غیر جانبداری کا ثبوت صرف وہی شخص دے سکتا ہے جس کے پاس آمدنی کے خاص ذرائع ہوں اور پورے اخلاص وامانت کے ساتھ اپنی بحث کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کا حوصلہ اور خواہش رکھتا ہو[1].

حدیث نبوی کی صحت میں مستشرقین کے شکوک وشبہات:

اسلام کے مطالعہ وتحقیق کے پیچھے مستشرقین کا ایک مقصد حدیث رسول کی صحت میں شکوک وشبہات پیدا کرنا

(۱) یہاں آپ ابراہیم خلیل کی کتاب «الاستشراق والتبشیر» ص/۶۱، ۶۲، عبدالستار فتح اللہ کی «الغزو الفکری» ص/۹۰، ۹۱، نجیب عقیقی کی «المستشرقون» ۲/۵۶۱، ۳/۱۱۴۹، اور «الغارة علی العالم الإسلامی» ص:۴۹، ۱۰۱، ۱۴۱ اور عمر فروخ کی «التبشیر والاستعمار» ص:۲۴، ۲۵ اور علی حسن خربوطلی کی کتاب «المستشرقون» ص:۸۲ ضرور ملاحظہ کریں.

ہے جس پر امت اسلامیہ کا مکمل اعتماد ہے.

مستشرقین احادیث گڑھے جانے اور ان میں ملاوٹ کئے جانے کو بنیاد بناتے ہیں اور وہ علماء مسلمین کی ان تمام کوششوں کو یکسر نظر انداز کر دیتے ہیں جو انہوں نے اثبات و تحقیق کے قابل تحسین اور لائق اعتماد قواعد کی مدد سے حدیث صحیح کو غیر صحیح سے الگ کرنے کے سلسلے میں کی ہیں. جس کی بدولت صحت کے اعتبار سے ہماری حدیثوں کو جو مقام حاصل ہے اس کا عشر عشیر بھی ان کی مقدس کتابوں کو حاصل نہیں ہے.

وہ اپنے دعویٰ میں کذب بیانی سے کام لینے پر اس لئے مجبور ہوئے کیوں کہ انہوں نے دیکھا کہ مسلمانوں کے پاس حدیث نبوی کی صورت میں فکری و تشریعی دولت کا انبار ہے اور چونکہ یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کی نبوت پر اعتقاد نہیں رکھتے اس لئے ان لوگوں کا دعویٰ ہے کہ یہ عقل میں آنے والی بات نہیں ہے کہ یہ سب کچھ محمد امی (ﷺ) سے صادر ہوئے ہیں. بلکہ یہ تو ابتدائی تین صدیوں میں انجام پذیر مسلمانوں کے کارنامے ہیں. حالانکہ یہاں بنیادی چیز رسول اللہ ﷺ کی نبوت کا انکار ہے اور یہیں سے ان کے سارے شکوک واوہام کے سوتے پھوٹتے ہیں.

ان لوگوں نے آزاد اور غیر جانبدار بحث و تحقیق کے نام پر حدیث اور اس کے راویوں کو ہدف طعن و تنقید بنانے، قوی حدیث کو ضعیف اور ضعیف و موضوع کو قوی کا درجہ دینے، چھوٹے معاملے کو بڑا اور بڑے کو چھوٹا بتانے، حقائق کی پردہ پوشی اور دلائل و براہین کے حامل حقائق سے چشم پوشی جیسے اعمال کو قصداً انجام دیا تا کہ دین پر سے مسلمانوں کے اعتماد کو متزلزل کر دیا جائے.

جب ہم مستشرقین کے حالات کا جائزہ لیتے ہیں تو یہ تمام باتیں کھل کر ہمارے سامنے آجاتی ہیں اور پتہ چلتا ہے کہ جتنے لوگوں نے اپنی تالیفات میں اسلامی علوم سے بحث کیا ہے وہ سب کے سب یا تو متعصب راہب ہیں یا خبیث استعماری ہیں یا پھر حاقد یہودی ہیں. آپ گولڈزیہر (Gold Zihar)[1] کو ہی لے لیجئے جس نے اسلام کے مصفی چہرے کو داغدار کرنے، اس کے خلاف سازشیں رچنے اور اپنی تالیفات میں حقائق کو توڑ مروڑ کر پیش کرنے کا کارنامہ انجام دیا ہے وہ اسلام مخالف کٹر یہودی تھا. جب ہم سنت اور اس کے راویوں کے متعلق اس کے آراء کا تذکرہ

---

(۱) گولڈزیہر ۱۸۵۰ء میں پیدا ہوا اور ۱۹۲۱ء میں اس کی وفات ہوئی، برلین، لیبزج اور فیینا میں واقع مشرقی زبان وادب کے مدارس میں تعلیم حاصل کیا، ۱۸۷۳ء میں سوریا کا سفر کیا اور شیخ طاہر جزائری کی شاگردی اختیار کیا، عربی کی تعلیم ازہر شریف کے مشائخ سے حاصل کیا، یہ اسلام دشمنی کے لئے معروف ومشہور ہے. اور اس کی کتابیں حد درجہ خطرناک ہیں. اس نے کئی کتابیں لکھی ہے. جیسے «الظاهرية ومذهبهم وتاريخهم» «دراسات إسلامية» دو اجزاء میں ہے. «العقيدة والشريعة في الإسلام» اور «مذاهب المسلمين في تفسير القرآن» اور یہ دائرۃ المعارف الاسلامیہ کے محررین میں سے ایک ہے.

کریں گے تو آپ وہاں ان چیزوں کو اچھی طرح محسوس کریں گے.

استشراقی مشن کے دوسرے ستون شاخت (۱) کو دیکھئے جس نے گولڈزیہر کے بعد اسلام دشمنی کی تحریک کی قیادت کی ہے وہ بھی ہالینڈی یہودی ہی تھا. اسی طرح آپ ان تمام لوگوں کو دیکھ جایئے جنھوں نے اپنے مضامین یا کتابوں میں اسلام دشمنی کا موقف اختیار کیا ہے. جب آپ اسلامی علوم کے مطالعہ وتحقیق سے گہری دلچسپی کے پس پردہ ان کے مخفی مقاصد کی معرفت کے لئے ان کی زندگی کا مطالعہ کریں گے تو انہیں آپ اسلام اور علوم اسلامیہ کا سخت ترین دشمن پائیں گے. ورنہ ہم دیکھتے ہیں کہ علمی جذبے کے ساتھ اس میدان میں جس نے بھی قدم رکھا ہے وہ یا تو مسلمان ہو گیا یا حقیقت کا اعتراف کرنے سے خود کو نہیں روک سکا. اور علی الاعلان اسلامی سرمایہ علم کی عظمت ومرتبت اور اس کی صحت واصلیت کا اعتراف کیا.

یہی وجہ ہے کہ فرانسیسی مستشرق اتین دینیہ کی غیر جانبدار تحقیق نے اسے اسلام قبول کرنے اور اس کا دفاع کرنے پر آمادہ کر دیا. غیر جانبدار اور صحت مند تحقیق کی بنا پر ہی ٹامس ارنولڈ نے اپنی کتاب ''الدعوۃ الی الاسلام'' میں مسلمانوں کے ساتھ پورا انصاف کیا ہے (۲).

شبہات کے پس پردہ مستشرقین کے اغراض ومقاصد:

حدیث نبوی کے خلاف شکوک وشبہات پھیلانے اور اس پر جھوٹے الزامات دھرنے کے پیچھے مستشرقین کے بہت سے اغراض ومقاصد ہیں جن میں چند کا تذکرہ کیا جا رہا ہے.

۱- مستشرقین کو اچھی طرح پتہ تھا کہ حدیث نبوی قرآن کریم کی تفسیر وتشریح ہے اگر قرآن کو تفسیر نبوی سے الگ کر دیا جاتا ہے تو مسلمان اس کی تفسیر میں ٹامک ٹوئیاں مارنے لگیں گے اور اس صورت میں مسلمانوں کو ان کے دین کی حقیقت سے دور رکھنا آسان ہو جائے گا.

---

(۱) یوسف شاخت: یہ اسلام اور مسلمانوں کا کٹر مخالف ہے، اسلام کے خلاف پروپیگنڈا کرنے اور سازش رچنے میں یہ اس دور کا دوسرا گولڈزیہر ہے. جامعہ القاہرہ -فؤاد سابقا- میں دائرۃ المعارف الاسلامیہ اور دائرۃ معارف العلوم الاجتماعیہ کے محررین سے علم حاصل کیا. اس کی مشہور کتاب ''اصول الفقہ الاسلامی'' ہے. شریعت اسلامی کی تاریخ سے متعلق بھی اس کی ایک کتاب ہے. اپنے شیخ گولڈزیہر کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اس نے بھی اپنی کتابوں میں تحریف وتزویر سے کام لیا ہے

(۲) اس مستشرق مصنف نے اپنی اس کتاب میں دشمنوں کے ساتھ مسلمانوں کے عفو ودرگذر اور ہمدردانہ سلوک کو بیان کیا ہے، جبکہ مسلمانوں کے ساتھ ان کے مخالفین کا رویہ ظالمانہ رہا ہے. یہ وہ عظیم کتاب ہے جو اسلام میں رواداری کے موضوع پر سب سے محقق ومستند کتاب مانی جاتی ہے. اس میں مؤلف نے جو بھی واقعہ ذکر کیا ہے اس کے مصدر کی نشاندہی بھی کر دی ہے.

۲-مسلمانوں کے دلوں میں یہ بات بیٹھا کر کہ رسول اللہ ﷺ کی حیثیت فقط مبلغ قرآن کی تھی اور نزول قرآن کے بعد ان کی ذمہ داری ختم ہو جاتی ہے آپ ﷺ کی رسالت میں شکوک وشبہات پیدا کرنا.

۳-سیدھے سادھے مسلمانوں کے دلوں میں اس بات کو بیٹھانے کی کوشش کرنا کہ شریعت اسلامی دراصل یہودیت سے ماخوذ ہے جیسا کہ گولڈزیہر اور شاخت کا دعویٰ ہے.

۴-فقہ اسلامی کی قدر وقیمت کو مشکوک بنانا.

۵-اسلامی تہذیب واقدار کے خلاف مسلمانوں کی ذہن سازی کرنا.

۶-مسلمانوں کے پاس موجود عظیم اسلامی سرمایہ علم سے ان کو بے گانہ کرنا اور ان کے صحیح عقائد اور پاکیزہ وبلند اخلاق میں شکوک وشبہات پیدا کرنا.

۷-جس نبوی ہدایت نے مسلمانوں کو ایک رسّی میں باندھ رکھا ہے اس کو ختم کر کے اسلامی اخوت کے وسیع دائرہ کو علاقائی حدود میں محصور کر دینا، ان کے علاوہ اور بھی بہت سے اغراض ومقاصد ہیں جو شریعت اسلامی کی بیخ وبنیاد کو اکھاڑ پھینکنے کے سلسلے میں ہیں.

ان کے شبہات اور ان کا جواب:

حدیث اور راویان حدیث کے متعلق مستشرقین کے بہت سے شبہات ہیں. اور زیادہ ہو کیوں نہیں جب کہ ان کی تمام تر علمی کاوشوں کا بنیادی مقصد ہی حدیث میں شبہات پیدا کرنا اور مسلمانوں کی نگاہ میں اس کی معنویت کو کم کرنا تھا.

لیکن اللہ تعالیٰ اپنے دین کا محافظ ونگہبان ہے اور جس طرح اس نے ماضی میں علماء مخلصین کی جماعت کے ذریعہ کذب وافتراء سے سنت کی حفاظت فرمائی جس کی وجہ سے اس کا چہرہ روشن ومنور رہا اسی طرح اس دور میں بھی اس نے مخلص علماء کی جماعت تیار کی جس نے قطعی دلائل اور مسکت حجتوں کے ذریعہ مستشرقین کے چھکے چھڑا دیئے، ان کے مکر وفریب کا پردہ چاک کیا اور سنت کو کذب وافتراء کی گندگی سے آلودہ ہونے نہیں دیا. اس سلسلے میں محدثین کی تمام کاوشیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان شاء اللہ مقبول ومحمود ہوں گی.

آئندہ صفحات میں ہم ان کے بعض الزامات بیان کریں گے اور پھر تاریخی حقائق کی روشنی میں ان کے جوابات بھی تحریر کریں گے، تاکہ آپ یہ دیکھ سکیں کہ حق کس طرح غالب آتا ہے اور باطل سرنگوں ہو کر کیسے فنا ہو جاتا ہے.

حدیث اور اس کے راویوں کے سلسلے میں کچھ دیگر گولڈز یہر کے ساتھ:

ان شبہات کو دیکھنے کے بعد- جو حدیث نبوی کے تعلق سے پھیلائے گئے ہیں یا پھیلائے جا رہے ہیں- میں اس نتیجے تک پہنچا ہوں کہ ان میں سے بیشتر کا مرجع ومنبع یہودی مستشرق گولڈز یہر ہی ہے. اس کے بعد کے مستشرقین یا ان کے دستر خوان کے خوشہ چیں بعض نام نہاد مسلمان اسی گولڈز یہر کے بیان کردہ شبہات میں تھوڑا اضافہ یا معمولی تشریح کر کے لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں. اور آپ کو شاذ و نادر ہی ایسے مستشرقین ملیں گے جنہوں نے کوئی ایسی نئی بات پیش کی ہے جس کی طرف گولڈز یہر نے اشارہ نہیں کیا ہے. لہذا میں نے مناسب سمجھا کہ میں اپنی توجہ اسی شخص پر مرکوز رکھوں اور اسی کے خیالات نقل کروں پھر حقیقت وواقعہ کی روشنی میں ان کا بھرپور جواب دوں.

گولڈز یہر کا ائمہ حدیث پر وضع حدیث کا الزام:

اس سے قبل ہم محدثین عظام کی ان خدمات کو جان چکے ہیں جو انہوں نے وضع حدیث کے فتنے کی روک تھام کے لئے عہد نبوی سے لے کر بعد کے زمانوں تک انجام دی ہیں. لیکن اس یہودی مستشرق کو اسلام کی سرخروئی کسی بھی صورت میں گوارا نہیں ہے. اس لئے اس کا دعویٰ ہے کہ فتنہ وضع حدیث کے خلاف کارروائی کرنے کا عمل اس کے سر اٹھانے کے بہت مدت بعد دوسری اور تیسری صدی میں شروع ہوا تھا. وہ اپنی کتاب **دراسة إسلامیه** میں لکھتا ہے: ''موضوعات پر قابو پانے اور فتنہ وضع حدیث کے سدباب کے لئے بزرگ علماء کرام نے جو طریقہ اختیار کیا وہ تاریخ ادب کا نرالا طریقہ تھا. کیوں کہ ان علماء نے دینی مقصد کے حصول کے لئے موضوع ومدرج احادیث کا استعمال شروع کر دیا جن میں یہ لوگ واضعین حدیث کے لئے عذاب الیم کا وعید بیان کیا کرتے تھے. آگے مزید لکھتا ہے کہ حدیث «من كذب علي متعمدًا فليتبوأ مقعده من النار» اور اس مفہوم کی دیگر تمام حدیثیں محدثین کی پیداوار ہیں''. اور ان کے ذریعہ وہ واضعین کو وضع حدیث سے باز رکھنا چاہتے تھے، حالانکہ یہی شخص آگے لکھتا ہے کہ یہ حدیث اور اس معنی کی تمام حدیثیں تقریباً اسی (۸۰) طریقوں سے مروی ہیں. ان میں سے کچھ احادیث عثمان بن عفان ودوسرے جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تک پہنچتی ہیں''[۱].

اس نے محض لفاظی سے کام لیا ہے، اور اپنی پرانی اور دائمی عادت کے مطابق اپنے دعویٰ کے لئے کوئی دلیل پیش نہیں کیا ہے. حالانکہ ایک دوسرے مستشرق شبرنجر نے اس حدیث یعنی «من كذب عليَّ متعمدًا فليتبوأ مقعده من النار» کی تحقیق کرنے کے بعد ۱۸۶۰ء میں ہندوستان کے مشہور شہر کلکتہ سے شائع ہونے والے جریدے ایشیائی

(۱) ملاحظہ ہو: دراسات اسلامیہ کا انگریزی ترجمہ: ج/۲، فصل/۲، ص/۱۳۲، ۱۳۳.

اتحاد میں اس کو شائع کرایا تھا، اس نے لکھا ہے کہ اس حدیث کی صحت میں شک کی کوئی گنجائش نہیں ہے. یہ حدیث متعدد سندوں اور مستقلا کئی طریقوں سے مروی ہے. اس کے علاوہ اس معنی کی جتنی بھی احادیث ہیں وہ سب بے شمار سندوں سے مروی ہیں جن کی صحت میں شک کا شائبہ بھی نہیں ہے (۱).

خود گولڈزیہر نے بھی یہ اعتراف کیا ہے کہ «من كذب عليَّ متعمدًا» والی حدیث اسی (۸۰) طریقوں سے مروی ہے اور رسول اللہ ﷺ سے مرفوعا اور متواترا ثابت ہے، اسے روایت کرنے والوں میں عبداللہ بن عمرو بن عاص، زبیر بن عوام، ابو ہریرہ، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن مسعود، ابوسعید خدری، علی بن ابی طالب اور ابوسلمہ جیسے جلیل القدر صحابہ کرام ہیں. نیز یہ حدیث بخاری و مسلم ترمذی اور ابن ماجہ کی روایت کردہ ہے.

کیا اس بیان کے بعد بھی اس بات میں کوئی شک باقی رہ جاتا ہے کہ یہ تمام الزامات محض اس کی اسلام دشمنی کا نتیجہ ہیں. (۲) امام سیوطی نے اس حدیث کے تمام طرق کو ذکر کیا ہے اور اپنی کتاب «تحذير الخواص من أكاذيب القصاص» میں ایک جگہ جمع کر دیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی تعداد ستانوے (۹۷) تک پہنچتی ہے. نیز انہوں نے ابوبکر محمد بن عبدالوہاب الاسفرائینی (۳) کا یہ قول بھی ذکر کیا ہے کہ حدیث «من كذب عليَّ......» کے علاوہ دنیا میں کوئی ایسی حدیث نہیں ہے جس کو روایت کرنے میں زبان رسول ﷺ سے جنت کی بشارت پانے والے عشرۂ مبشرہ جمع ہوں (۴).

اس طرح اوٹ پٹانگ ہانکنے کے بعد مستشرق مذکور آگے لکھتا ہے ''محدثین کا یہ طریقہ علماء نفسیات کا پسندیدہ موضوع ہو سکتا ہے''

وضع حدیث کے سیل رواں کو روکنے میں علماء کرام کی امانت و دیانت اور ان کی انتھک کوششوں اور گرانقدر خدمات کو دیکھتے ہوئے ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ اس نے ایسی باتیں کر کے جس کی کوئی تائید نہیں کر سکتا اس نے خود یہ موقع فراہم کیا ہے کہ علماء نفس اس کی خباثت و بے ہودگی اور اس کی حماقت و کور ذہنی کا اندازہ لگا سکیں.

گولڈزیہر کا علماء اسلام پر اپنے نظریات کی تائید میں احادیث بنانے کا الزام:

جرمن مستشرق شبرنجر نے خطیب بغدادی کی کتاب ''تقييد العلم'' کا انکشاف کرنے کے بعد ایک طویل

(۱) تاریخ تدوین حدیث: ص ر ۹۳.
(۲) تاریخ تدوین حدیث، (حاشیہ): ص ر ۹۴-۹۵.
(۳) یہ محمد بن احمد بن عبدالوہاب ابوبکر الاسفرائینی ہیں. بہت بڑے حافظ حدیث تھے. ملاحظہ ہو: تذکرۃ الحفاظ: ص ر ۱۰۶۴.
(۴) ملاحظہ کریں: کتاب تحذیر الخواص: ص ر ۸-۶۵.

مضمون ترتیب دیا ہے جس میں یہ ثابت کرنے کے لئے کہ حدیث رسول اللہ ﷺ کے زمانہ سے ہی لکھی جا رہی تھی، خطیب کی مذکورہ کتاب سے کچھ اقتباسات نقل کئے ہیں اور گولڈ زیہر نے اس مضمون سے استفادہ کیا ہے اور اس میں کچھ چیزوں کا اضافہ کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ حدیث کا ایک شخص سے دوسرے شخص کی طرف حفظاً منتقل ہونے کا دعویٰ وہم اور خطاً ہے۔

پھر وہ ان اخبار میں جن کو اس کے پیش رو شپر نجر نے خطیب بغدادی وغیرہ سے نقل کیا ہے، غور کرنے کے بعد اس رائے کا اظہار کرتا ہے کہ اس وقت مختلف مذاہب اور احزاب کے مابین تفاضل وتنافس کا جذبہ اس قدر پختہ تھا جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ نیز یہ بھی مان کر چلنا پڑے گا کہ ان میں ایسے بھی لوگ تھے جو حدیث کی عدم کتابت کو اس لئے ثابت کرنا چاہتے تھے، تاکہ اس کو حدیث کی عدم صحت ثابت کرنے اور اس کو ناقابل اعتبار قرار دینے کے طور پر استعمال کر سکیں۔ اور اس جماعت کو اہل رائے کا نام دیا گیا تھا اور جب ہم نے اس کو مان لیا ہے تو پھر اس کا انکار ہرگز نہیں کر سکتے کہ یہ بات ان کے مخالفین کے لئے جو کہ ''اہل حدیث'' کے نام سے جانے جاتے تھے انتہائی تکلیف دہ تھی۔ اور آخر میں ہم اس کو بھی تسلیم کر لیں کہ یہ متحارب جماعتیں اپنے آراء ونظریات کی تائید میں احادیث واخبار وضع کرنے سے نہیں بچ سکیں۔

وہ لکھتا ہے: جب ہم اس کا اقرار کر چکے اور اسے اچھی طرح سمجھ گئے تو یہ حقیقت کھل کر ہمارے سامنے آ گئی کہ ''تقیید العلم'' کی احادیث کے درمیان پایا جانے والا تناقض سابقہ اختلافات کی تائید کی خاطر احادیث وضع کرنے کے سلسلے میں اہل حدیث اور اہل رائے کے مابین ہونے والی مسابقت کا ایک جیتا جاگتا ثبوت ہے (۱)۔

محقق کبیر ڈاکٹر یوسف العش نے ''تقیید العلم'' کے مقدمہ میں اس رائے کو آڑے ہاتھوں لیا ہے اور اس میں موجود کمزوریوں اور خامیوں کو ایسے دلائل کے ذریعہ واضح کیا ہے جن میں اختلاف کی گنجائش نہیں ہے، انہوں نے یہ ثابت کیا ہے کہ کتابت حدیث کے جواز یا عدم جواز میں اختلاف اہل حدیث واہل رائے کے مابین کسی مسابقت کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ کتابت علم کے سلسلے میں صدر اول کے موقف کو اختیار کرنا یا نہ کرنا ہے، وہ لکھتے ہیں (۲): اہل علم اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ جاہلیت میں اور اسلام کے ابتدائی دنوں میں لکھنے کا رواج بہت کم تھا جو لوگ لکھتے بھی تھے وہ لکھنے پر پوری طرح قادر نہ تھے، بلکہ چند سطر لکھنے میں اچھا خاصا وقت صرف کر دیتے تھے۔ اگر کچھ لکھنا ہوتا تو اپنا

(۱) مقدمہ تقیید العلم، ڈاکٹر یوسف العش، ص: ۱۶، اس کے علاوہ گولڈ زیہر کی کتاب ''مسلم اسٹڈیز'' کی ساتویں فصل: ص / ۱۸۱-۱۸۵ تک ملاحظہ کریں۔ (انگریزی ترجمہ)۔

(۲) مقدمہ تقیید العلم: ص / ۱۸۔

پورا زور قلم لگا دیتے تب جا کر کہیں کچھ لکھ پاتے. جب معاملہ ایسا تھا تو کیا رسول اللہ ﷺ قرآن پر اپنی حدیث کو ترجیح دیتے، اور کیا آپ ﷺ کے لئے یہی مناسب تھا کہ حدیث کی تدوین میں الجھا کر ان کو قرآن کی تدوین سے غافل کر دیں، اور کیا اس کا خطرہ نہیں تھا کہ اگر حدیث کو قرآن کے ساتھ ایک ہی صحیفہ میں لکھ دیا گیا تو دونوں کے درمیان اختلاط والتباس ہو جائے گا؟! یہ جانتے ہوئے بھی کہ لکھنے والے ابھی اس پوزیشن میں نہیں ہیں کہ قرآن وحدیث میں تفریق کے لئے کسی علامت یا تصنیف وتنسیق سے کام لے سکیں. حاصل یہ کہ منع کتابت کی وجہ بس یہ خوف تھا کہ کہیں لوگ حدیث ہی میں پھنس کر نہ رہ جائیں یا قرآن وحدیث کے مابین التباس نہ پیدا ہو جائے. چنانچہ جب اس خوف کے تمام اسباب جاتے رہے تو لکھنے کی ممانعت بھی جاتی رہی اور جواز کتابت نے اس کی جگہ لے لی، رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ نے عبداللہ بن عمرو بن العاص کو لکھنے کی اجازت مرحمت فرمائی تھی اس لئے کہ وہ اچھا لکھتے تھے اور اس پر پوری طرح قادر تھے (۱) جمع قرآن کا کام بھی انہوں نے ہی انجام دیا تھا بعض لوگوں نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ انہوں نے ایک ہی رات میں پورے قرآن کو پڑھ ڈالا تھا (۲).

ابوسعید خدری جنہوں نے ابونضرہ کو حدیث املاء کرانے سے صاف انکار کر دیا تھا فرماتے ہیں: کیا تم لوگ حدیث کو قرآن بنانا چاہتے ہو. حدیث کو مصاحف میں لکھ کر پڑھو گے. ہم تمہیں نہیں لکھوائیں گے اور نہ ہی حدیث کو مصاحف میں رکھیں گے (۳). اور یہ ابن عباس ہیں جو کہا کرتے تھے کہ صحیفوں میں ہم صرف رسائل اور قرآن کو ہی لکھتے ہیں (۴).

ان آثار سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ اوائل صحابہ حدیث کو قرآن کے مشابہ بنائے جانے اور صحیفوں میں اس طرح لکھے جانے کہ وہ کلام اللہ کے مشابہ ومماثل بن جائیں، کے سخت مخالف تھے. یہ عمر ہیں جو صرف اس وجہ سے کتابت سنن کی مخالفت پر آمادہ نظر آتے ہیں کہ کہیں لوگ کتاب اللہ کو پس پشت نہ ڈال دیں اور اس میں دوسری کوئی چیز سرایت نہ کر جائے.

یہ تمام حالات قرآن کریم کو مصاحف میں جمع کئے جانے، کاتبین قرآن کی کثرت اور طریقہ کتابت میں عمدگی وپختگی پیدا ہونے سے پہلے کی ہیں اور نبی اکرم ﷺ کی ممانعت کی صحیح توضیح بھی یہی ہے.

---

(۱) ملاحظہ ہو، فتح الباری: ۱/ ۱۸۴.

(۲) ملاحظہ ہو: حلیۃ الاولیاء: ۱/ ۲۸۵.

(۳) تقیید العلم: ص/ ۳۷.

(۴) مصدر سابق: ص/ ۴۲، ۴۳.

اور اگر یہ بات صحیح ہے تو ممانعت کتابت کے اسباب ختم ہو جانے کے بعد صحابہ کے موقف میں تبدیلی ناگزیر تھی، اور حقیقت بھی یہی ہے کہ کاتبین کی تعداد میں اضافہ اور قرآن کریم کو مصاحف و دفاتر میں جمع کر لئے جانے کے ساتھ ہی صورت حال میں تبدیلی آگئی تھی.

ابو سعید خدری کا قول ہے:«كنا لَا نكتب إلّا القرآن و التشهد» ''ہم لوگ قرآن اور تشہد کے علاوہ دوسری کوئی چیز نہیں لکھتے تھے''[1] ان کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ بعد میں ان دونوں کے علاوہ دوسری چیزیں بھی لکھی جانے لگی تھیں. عبد اللہ بن عباس ہی کو دیکھ لیجئے ان کے پاس علی رضی اللہ عنہ کے فیصلوں پر مشتمل ایک صحیفہ تھا. اور کریب کے پاس ایک اونٹ کے بوجھ کے وزن کے برابر کتابیں موجود تھیں[2] یہ صورت حال کراہیت و ممانعت کتابت کے بعد کی ہے.

یہی بات تم ان تمام صحابہ کے متعلق کہہ سکتے ہو جو اموی دور خلافت تک زندہ رہے جیسے زید بن ثابت، واثلہ ابن اسقع، ابو ہریرہ، معاویہ اور مروان وغیرہم.

لکھنے کی اجازت و ممانعت کے سلسلے میں صحابہ کے اقوال میں اختلاف اور تناقض حالات اور ضروریات کا دین ہے. جوں ہی غیر قرآن کی کتابت میں مشغول ہو جانے کا خطرہ رخصت ہوتا ہے اس کے ساتھ ہی ممانعت بھی ختم ہو جاتی ہے اور جب قرآن و حدیث کے مابین التباس کا خطرہ نہیں رہتا تو کتابت حدیث جائز ہو جاتی ہے اور جب بھی یہ خطرہ لوٹتا ہے ممانعت کتابت کا حکم بھی لوٹ آتا ہے.

ضحاک کا یہ قول سنو کہتے ہیں:«لَا تتخذوا للحديث كراريس ككراريس المصاحف» ''مصاحف کی طرح احادیث کے لئے کاپیوں کا استعمال نہ کرو''[3] .ادھر اوائل تابعین میں سے لیث، ابراہیم اور مجاہد ہیں جو ضحاک ہی کی طرح اس کو ناپسند کرتے ہیں. کیونکہ کتابت کی وجہ سے عام علم قرآن کا مشابہ بن جا رہا ہے. گویا متاخرین صحابہ کرام اور اوائل تابعین کے نزدیک علم کو قید تحریر میں لانا جائز ہے بشرطیکہ اس طرح کے حالات نہ ہوں جن میں نبی اکرم ﷺ اور اوائل صحابہ سے ممانعت وارد ہوئی ہے، اور اس دور کے جن لوگوں سے ممانعت وارد ہوئی ہے اس کی تاویل ان حالات سے کریں گے جن میں کتابت علم کے لئے فضا سازگار نہ ہو. دوسری بات یہ ہے کہ وہ لوگ سب کے سب فقیہ تھے، جیسے عبد اللہ بن عمر، ابراہیم التیمی، جابر بن زید، سعید بن میسّب، ابراہیم نخعی، عبیدۃ، طاؤس اور قاسم وغیرہم ہیں. ان لوگوں میں کوئی بھی ایسا نہیں جو محدث ہو مگر فقیہ نہ ہو اور یہ تو سبھی جانتے ہیں کہ فقیہ حدیث اور رائے

(۱) توجیہ النظر: ص/ ۹۳۸.

(۲) تقیید العلم: ص/ ۱۳۶.

(۳) تقیید العلم: ص/ ۴۷.

دونوں کو جمع کر دیتا ہے. اس صورت میں یہ خطرہ ہوتا ہے کہ حدیث کے ساتھ اس کی رائے اور اجتہاد بھی نہ قلمبند ہو جائے، اور اسی وجہ سے زید بن ثابت نے مروان کے لئے حدیث لکھوانے سے معذرت کر لیا تھا اور کہا تھا: اے مروان اس معاملہ میں میں معذور ہوں کیونکہ میں حدیث کے ساتھ اپنی رائے بھی بیان کرتا ہوں، سعید بن مسیب نے ان سے لکھے جانے والے صحیفے کو جلا ڈالا تھا کیونکہ اس میں ان کی رائے بھی تحریر تھی. جابر بن زید سے کہا گیا کہ آپ کے شاگرد آپ کی رائے لکھتے ہیں تو انہوں نے کہا: تم لوگ وہ باتیں لکھتے ہو جس سے میں کل ہو کر رجوع بھی کر سکتا ہوں. معلوم یہ ہوا کہ کتابت کے سلسلے میں اس دور کے علماء کے اقوال میں موجود تناقض کی توجیہ اسی طرح کی جانی چاہئے کہ ممانعت کتابت سے متعلق روایات کو حدیث کے ساتھ رائے لکھ لئے جانے کی ممانعت پر محمول کریں.

اس کے بعد تابعین کی نسل اپنے اسلاف کی روش پر گامزن رہی، بلکہ اس نے تو حدیث کے جمع و ترتیب کا کام باضابطہ طور پر شروع کر دیا. اور اس کے قائد عمر بن عبدالعزیز اور زہری تھے. حالانکہ حدیث کے ساتھ آراء کو قلمبند کر لیا جانا ان کے یہاں بھی ناپسندیدہ تھا.

اس کے بعد کی نسل تو کتابوں کے عروج و ترقی کے دور میں پروان ہی چڑھی، اس وقت تک لکھنے کا رواج عام ہو چکا تھا، لیکن ۱۲۰ھ کے آتے آتے لوگوں کی ایک کثیر تعداد پھر سے لکھنے کی مخالفت پر اتر آئی اور ترک کتابت کا مطالبہ شروع کر دیا. یہ لوگ تدوین حدیث کی کھلی آزادی اور اس میں مکمل انہماک پر جو اس وقت تک بہت زور پکڑ چکا تھا اور جس نے علم کی اصلی شکل و صورت میں خرابی پیدا کر دیا تھا. پابندی عائد کئے جانے کا مطالبہ کرنے لگے.

اوزاعی سے سنو! علم کی حالت زار کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: "جب علم کتابوں میں قید ہو کر رہ گیا تو اس کی روشنی گم ہو گئی اور نااہل لوگ اس کے مالک بن بیٹھے" ابن عون کتابوں کے مضر اثرات پر ماتم کرتے ہوئے کہتے ہیں: "یہ کتابیں لوگوں کو گمراہ کر کے چھوڑیں گی" ابن علیہ بصری صحابہ کے حالات سے استشہاد کرتے ہوئے کہتے ہیں: "ان صحابہ نے کتابت کو اس لئے ناپسند کیا کیوں کہ پہلے کے لوگوں نے کتابیں لکھ رکھی تھیں اور ان پر ناز کرنے لگے تھے. چنانچہ صحابہ نے لکھنے کو اس لئے ناپسند کیا کہ لوگ کہیں قرآن کو چھوڑ کر اسی میں مشغول نہ ہو جائیں".

اور ہوا بھی یہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور اوائل تابعین کو جو یہ خوف لاحق تھا کہ کہیں دوسری کتابیں شکل و شباہت اور کثرت تداول میں کتاب اللہ کے مشابہ نہ ہو جائے تو وہ بالکل واقعہ بن کر نمودار ہوا. خالد کلاعی کے پاس جو قدیم لوگوں میں سے تھے اور کتابت کو جائز سمجھتے تھے ایک ایسا مصحف تھا جس میں کاج اور بٹن (گھنڈی) لگے ہوئے تھے اسی میں وہ اپنے علم کو محفوظ رکھتے تھے.

کتابت کی مخالفت کرنے والوں کے موقف میں اس لئے بھی اور زیادہ شدت آ گئی تھی کہ انہوں نے دیکھ لیا تھا کہ جب سے لوگوں نے کتاب پر اعتماد کرنا شروع کر دیا اسی وقت سے حفظ کم ہو گیا، قوت حافظہ میں بگاڑ پیدا ہونے لگا اور کتاب کے بغیر روایت کرنے میں اضطراب ظاہر ہونے لگا تھا. یہ دیکھ کر ان لوگوں نے کتابت کو چھوڑنے اور حفظ پر بھروسہ کرنے کی پرزور تحریک شروع کر دی. سعید بن عبدالعزیز، سفیان ثوری، عاصم بن ضمرہ اور حماد بن سلمہ جیسے اکابرین نے لوگوں میں حفظ پر اعتماد کرنے کی مہم چلائی لیکن انہوں نے اپنے راستے میں ایک بھاری چٹان کو محسوس کیا جو لوگوں میں لکھنے کی مستحکم عادت اور اس کی سخت ضرورت اور ایک ایسی بدعت کی شکل میں ظاہر ہوا جسے اپنائے بغیر کوئی چارۂ کار نہ تھا. پھر ان کے اور لکھنے والوں کے مابین ناچاقی بھی پیدا ہوئی اور شاید اسی ناچاقی کو دیکھ کر گولڈ زیہر نے کہا تھا کہ کتابت حدیث کے جواز اور عدم جواز کو لے کر علماء دو مخالف و متحارب گروہوں میں منقسم ہو گئے تھے. بہر حال وہ اپنے اس دعویٰ میں تو بالکل سچا نہیں کہ کتابت کے عدم جواز کے قائل اہل رائے تھے اور ان کے مخالفین اہل حدیث تھے. درحقیقت یہ اختلاف ان دو جماعتوں کے درمیان نہیں تھا کیونکہ اہل رائے سے تعلق رکھنے والے کچھ علماء اگر کتابت کو ناپسند کرتے تھے جیسے عیسیٰ بن یونس، حماد بن زید، عبداللہ بن ادریس اور سفیان ثوری وغیرہم تو ان کے کچھ دوسرے علماء اس کے قائل بھی تھے جیسے حماد بن سلمہ، لیث بن سعد، زائدہ بن قدامہ اور یحییٰ بن یمان وغیرہم.

محدثین میں سے بھی بعض لوگ کتابت حدیث کو ناپسند کرتے تھے جیسے ابن علیہ، ہشیم بن بشیر اور عاصم بن ضمرہ وغیرہم اور بعض محدثین اس کی اجازت دیتے تھے جیسے بقیہ کلاعی، عکرمہ بن عمار اور مالک بن انس وغیرہم.

اس سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ وقت کی نزاکت اور ضرورت کے مطابق کتابت علم کا عمل کئی معقول مراحل سے گزرا ہے اور جن احادیث نے اس کی تفصیلات پیش کی ہیں ان تک وضع کا ہاتھ نہیں پہنچ سکا ہے اگر ان کے درمیان بظاہر تناقض نظر آتا ہے (معمولی تصرف کے ساتھ ان کا قول ختم ہوا).

ان کے علاوہ دوسرے علماء نے بھی خطیب بغدادی کی کتاب ''تقیید العلم'' میں مذکور احادیث و آثار کی روشنی میں اس موضوع کا جائزہ لیا ہے. ان علماء نے کتابت حدیث کی ممانعت اور اباحت کے سلسلے میں مروی احادیث پر گفتگو کرنے کے ساتھ کتابت حدیث کی ممانعت والی روایات کا تنقیدی جائزہ لیا ہے اور اس سلسلے کے دوسرے آثار پر گفتگو کے بعد ان کے درمیان جمع کی ایسی صورت نکالی ہے کہ جس پر دل پوری طرح مطمئن ہو جاتا ہے.

خطیب بغدادی نے اپنی کتاب میں ممانعت یا اباحت کے سلسلے میں جن اخبار کا تذکرہ کیا ہے ان کی تین قسمیں ہیں:

* **پہلی قسم:** ان اخبار کے بیان کے لئے خاص ہے جو کراہیت کتابت کے ساتھ خاص ہیں اور انہیں تین فصلوں میں تقسیم کیا گیا ہے:

پہلی فصل: اس فصل میں رسول اللہ ﷺ کا کتابت علم سے منع فرمانے کا ذکر ہے.

دوسری فصل: اس فصل میں صرف ان اصحاب رسول کا ذکر ہے جن سے کتابت علم کی ممانعت منقول ہے. اور وہ چھ صحابہ ہیں؛ ابوسعید خدری، عبداللہ بن مسعود، ابوموسیٰ اشعری، ابوہریرہ، ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ عنہم اجمعین.

تیسری فصل: اس میں ان اخبار کا ذکر ہے جو کتابت علم کی کراہیت پر دلالت کرتے ہیں اور یہ اخبار بارہ تابعین کی طرف منسوب ہیں؛ ابوادریس، ابوالعالیہ، نخعی، اعمش، ضحاک، عبیداللہ بن عبداللہ، عبیدہ السلمانی، عمرو بن دینار، قاسم بن محمد، ابن سیرین، مغیرہ اور منصور.

* **دوسری قسم:** اس میں ان تین صحابہ کا ذکر ہے جن سے کتابت علم کی کراہیت منقول ہے. اور ساتھ ہی ان صحابہ کی زبان سے کراہیت کی علت کو بھی بیان کیا گیا ہے. ان تینوں کے نام یہ ہیں: ابن عون، ابوموسیٰ اشعری اور ابن مسعود.

* **تیسری قسم:** اس میں ان اخبار و آثار کا بیان ہے جو کتابت علم کے جواز پر دلالت کرتے ہیں. اور جو مختلف صحابہ و تابعین سے مروی ہیں.

ان اخبار میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جن جن صحابہ سے ممانعت کتابت منقول ہے ان سے جواز کتابت بھی منقول ہے. اور ظاہر ہے کہ اس اختلاف کو وقت و حالات کے اختلاف پر محمول کیا جائے گا. ورنہ رسول اللہ ﷺ کی صحیح و ثابت احادیث کی بنیاد پر جواز کتابت ہی اصل ہے. کیونکہ آپ نے نہ صرف کتابت کی اجازت دی ہے بلکہ بعض مرتبہ آپ نے بعض اصحاب کو لکھنے اور اس سے مدد لینے کا مشورہ بھی دیا ہے. اور ایک مرتبہ آپ نے کہا تھا: «اکتبوا لأبی شاہ» ''ابوشاہ کے لئے لکھ دو''(۱). نیز آپ نے عبداللہ بن عمرو بن عاص سے کہا تھا: «أکتب والذی نفسی بیدہ ما خرج منی إلّا الحق» ''لکھو! اللہ کی قسم میری زبان سے حق کے علاوہ کچھ نہیں نکلتا''(۲) ایک مرتبہ لوگوں نے علی رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ کیا رسول اللہ ﷺ نے آپ کو کوئی ایسی بات بتائی ہے جس کو وہ دوسروں سے نہیں کہہ سکتے تھے؟ علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا نہیں، رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے ایسی کوئی بات نہیں کی ہے سوائے ان باتوں کے جو میری اس کتاب میں درج ہیں. اس کے بعد انہوں نے اپنی تلوار کے نیام سے ایک صحیفہ نکال

---

(۱) اس کی تخریج اس کتاب کے چوتھے باب میں گزر چکی ہے.
(۲) اس کی تخریج اس کتاب کے چوتھے باب میں گزر چکی ہے.

کرلوگوں کودکھایا(۱) اس صحیفہ کا ذکر بہت سے راویوں نے کیا ہے(۲).

وہ تین اصحاب رسول جن کی طرف رسول اللہ ﷺ کی ممانعت کتابت والی روایت منسوب ہے وہ ابوسعید خدری، ابوہریرہ اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہم ہیں، ابوسعید خدری سے دو روایتیں مروی ہیں:

پہلی روایت:

عن همام عن زيد بن أسلم عن عطا بن يسار عن أبي سعيد الخدري أنّ رسول الله ﷺ قال: «لَا تكتبوا عنّي، ومن كتب عنّي غير القرآن فليمحه، وحدثوا عني ولَا حرج ومن كذب عليّ. قال همام أحسبه قال. متعمدًا فليتبوأ مقعده من النار» ہمام زید بن اسلم سے وہ عطاء بن یسار سے اور وہ ابوسعید خدری سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مجھ سے کچھ نہ لکھا کرو. اور جس نے بھی مجھ سے قرآن کے علاوہ کچھ لکھا ہے تو اس کو مٹا دے، البتہ مجھ سے بیان کرو اس میں کوئی حرج نہیں ہے. اور یاد رکھو کہ جس نے بھی میری طرف جھوٹ منسوب کیا. ہمام کہتے ہیں کہ جہاں تک مجھے یاد ہے زید بن اسلم نے متعمداً کا لفظ استعمال کیا تھا یعنی جس نے بالقصد میری طرف جھوٹ کا انتساب کیا وہ اپنا ٹھکانہ جہنم کو بنالے''(۳).

دوسری روایت:

عن طريق عبد الرحمٰن بن زيد بن أسلم عن أبيه عن عطاء بن يسار عن أبي سعيد الخدري قال: «استأذنا النبي ﷺ في الكتابة فلم يأذن لنا» عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم اپنے والد سے اور وہ عطا بن یسار سے اور وہ ابوسعید خدری سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا: ''ہم لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے کتابت حدیث کی اجازت مانگی مگر آپ نے ہمیں اس کی اجازت نہیں دی''(۴).

علماء نے اس کے درج ذیل جوابات دیئے ہیں:

۱- حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں: کچھ ائمہ نے اس حدیث میں یہ علت بیان کیا ہے کہ اصلاً یہ حدیث ابوسعید خدری پر موقوف ہے جیسا کہ بخاری اور دیگر محدثین نے کہا ہے(۵).

(۱) اس کی تخریج اس کتاب کے چوتھے باب میں گزر چکی ہے.
(۲) اس کی تخریج اس کتاب کے چوتھے باب میں گزر چکی ہے.
(۳) اس کی تخریج بھی اس کتاب کے چوتھے باب میں گزر چکی ہے.
(۴) اس کی تخریج بھی اس کتاب کے چوتھے باب میں گزر چکی ہے.
(۵) فتح الباری: ۱/ ۲۰۸.

یعنی درحقیقت یہ حدیث ابوسعید خدری کا اپنا قول ہے اور اس کو ابوسعید خدری سے مرفوعا روایت کرنے میں بعض راویوں نے غلطی کیا ہے. ابن عبدالبر نے کتاب العلم کے اندر تقریباً اسی معنی کی ایک روایت جو کہ ابوسعید خدری پر موقوف ہے کئی طرق سے نقل کیا ہے اور ان میں رسول اللہ ﷺ کا ذکر نہیں ہے (۱).

۲- دوسری روایت کے اندر راوی عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کے ضعیف ہونے پر محدثین کا اجماع ہے (۲).

۳- ابوسعید خدری کی حدیث کو مرفوع اور صحیح ماننے کی حالت میں اس کو منسوخ قرار دیا جائے گا، کیونکہ یہ حدیث ابو ہریرہ کی حدیث: «أن عبد الله بن عمرو كان يكتب وأنا لا أكتب» ''عبداللہ بن عمرو بن عاص لکھا کرتے تھے اور میں لکھتا نہیں تھا'' سے پہلے کی ہے، نیز ابوشاہ والی حدیث تو رسول اللہ ﷺ کی زندگی کے آخری ایام کی ہے. یا ہم یہ کہیں گے کہ اس میں وارد نہی غیر قرآن کو لکھنے کے ساتھ خاص ہے (۳).

جہاں تک ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس روایت کا تعلق ہے: "خرج رسول الله ﷺ ونحن نكتب الأحاديث، فقال: ما هذا الذی تكتبون؟ قلنا: أحاديث نسمعها منک، قال: كتاب غير كتاب الله؟ أتدرون ما ضل الأمم قبلكم إلّا بما اكتتبوا من الكتب مع كتاب الله تعالىٰ» "ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ ہم لوگ احادیث لکھ رہے تھے اتنے میں رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور فرمایا: تم لوگ یہ کیا لکھ رہے ہو؟ ہم لوگوں نے جواب دیا کہ آپ سے سنی ہوئی احادیث لکھ رہے ہیں. آپ نے کہا: کتاب اللہ کے علاوہ دوسری کتاب؟ تم لوگوں کو معلوم ہے کہ کتاب اللہ کے ساتھ دوسری کتابیں لکھنے کی وجہ سے ہی تم سے اگلی امتیں گمراہ ہوئی ہیں'' (۴).

یہ حدیث عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کے طریق سے مروی ہے اور یہ گزر چکا ہے، ائمہ حدیث اس کے ضعیف ہونے پر متفق ہیں. امام ذہبی نے تو اس روایت پر منکر کا حکم لگایا ہے (۵). زید بن ثابت کی روایت میں یہ ہے کہ ایک دن وہ معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے ان سے ایک حدیث کے متعلق سوال کیا. اور ایک شخص کو اسے لکھنے کا حکم دیا. زید نے ان سے کہا: رسول اللہ ﷺ نے حدیث لکھنے سے ہمیں منع کیا ہے چنانچہ اس کو مٹا دیا (۶).

---

(۱) جامع بیان العلم: ۱/ ۶۴.

(۲) ملاحظہ کریں: میزان الاعتدال: ۲/ ۵۶۴-۵۶۶.

(۳) ملاحظہ کریں، الباعث الحثیث: ص/ ۱۳۳.

(۴) اس کی تخریج اس کتاب کے چوتھے باب میں ملاحظہ کریں.

(۵) میزان الاعتدال: ۲/ ۵۶۵.

(۶) اس کی تخریج اس کتاب کے چوتھے باب میں ملاحظہ کریں.

یہ حدیث کثیر بن زید کے حوالے سے المطلب بن عبداللہ بن حنطب سے مروی ہے اور کثیر بن زید ''غیر قوی'' ہے جبکہ مطلب نے زید کو نہیں پایا ہے[۱]۔

سنت اور راویان سنت کے متعلق گولڈ زیہر کے کچھ اور بے ہودہ خیالات:

گولڈ زیہر نے اپنی دو کتابوں ''اسلامی عقیدہ و شریعت'' اور مطالعۂ اسلام'' میں کئی طریقوں سے سنت نبویہ کو ہدف تنقید بنایا ہے۔ اور اس پر حملہ آور ہوا ہے۔ اور اس بات کی بھرپور کوشش کی ہے کہ وہ اپنے پرفریب وشیریں طرز بیان کی مدد سے سنت نبویہ کی بھیانک صورت لوگوں کے سامنے پیش کرے۔

وہ اپنی کتاب ''عقیدہ وشریعت'' میں لکھتا ہے: ''سنت قدیم مسلمانوں کے عادات واطوار اور افکار ونظریات کا خلاصہ ہے...... اس کے بعد لکھتا ہے: ہم موضوع احادیث کو صرف بعد کی نسلوں کی طرف منسوب نہیں کر سکتے بلکہ کچھ ایسی بھی حدیثیں ہیں جن پر قدیم چھاپ موجود ہے۔ اور یہ حدیثیں یا تو رسول کے اقوال ہیں یا قدیم علمائے اسلام کے اعمال ہیں۔ اور ایک بات یہ بھی ہے کہ اصل سرچشمہ (عصر نبوی) سے زمان ومکان کے بُعد کی بنا پر کسی کے لئے بھی اس جدید خطرہ (وضع حدیث) کو اجاگر کرنا آسان نہیں تھا، خصوصاً اس صورت میں کہ مختلف عقیدہ وعمل کے حامل اصحاب مذاہب ایسی حدیثیں ایجاد کریں جن میں بظاہر وضع کی کوئی علامت نہ ہو پھر ان کو رسول اور اصحاب رسول کی طرف منسوب کر دیں''۔

پھر آگے لکھتا ہے: خود مسلمان بھی اس خطرے پر پردہ نہیں ڈال سکتے تھے اس لئے علماء نے ''علم نقد حدیث'' کے نام سے ایک قیمتی فن ایجاد کیا تاکہ جب ان کے لئے متناقض ومخالف اقوال کے درمیان توفیق دینا دشوار ہو جائے تو اس کے ذریعہ صحیح وغیر صحیح حدیثوں کے درمیان فرق کر سکیں اور یہ بات تو بالکل آسانی سے سمجھ میں آنے والی ہے کہ نقد حدیث میں ان کا نقطہ نظر ہمارے نقطہ نظر سے بالکل مختلف ہے، اور جن احادیث کو نقد اسلامی صحیح اور غیر مشکوک قرار دے چکا ہے، ہمارے نقطہ نظر کے مطابق ان احادیث میں غور وفکر کی ابھی بہت حد تک گنجائش باقی ہے[۲]۔

اپنی دوسری کتاب ''مطالعۂ اسلام'' میں اس نے لکھا ہے: ''اس طرح قرن اول میں حدیث کا وجود بالکل مضطرب رہا ہے اور اس کو ان حکام کی خاموش مخالفت بھی برداشت کرنا پڑا جو اس کے مخالف سمت میں چل رہے تھے۔ کچھ بزرگان دین تھے جن کے پاس پہلے سے کچھ حدیثیں محفوظ تھیں یا ان کو اخبار واعلام کے ذریعہ حاصل ہوئی تھیں،

(۱) ملاحظہ ہو: تقریب التھذیب: ۱۰/ ۷۹ا اور الانوار الکاشفۃ: ص/ ۳۵۔

(۲) ملاحظہ ہو: مستشرق مذکور کی کتاب ''عقیدہ وشریعہ'' ص/ ۴۲- ۴۳۔

انہوں نے ان کی نشر واشاعت کا کام کیا۔اور کچھ ایسی احادیث بھی وضع کیا جن کو بعض محدود افراد کی طرف سے قبول کر لئے جانے کی امید تھی''۔

آگے لکھتا ہے: ''اس سے ہمیں یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ اس فترہ میں جو علماء مخالفت کے لئے کام کر رہے تھے صرف وہی نشر حدیث کے لئے کوشاں تھے بلکہ حکام وقت کو بھی اس سے خاصی دلچسپی تھی، بلکہ جب وہ کسی فکر کو رواج دینا چاہتے یا صلحاء واتقیاء کو خاموش کرنا چاہتے تو انہیں معلوم ہوتا تھا کہ کس طرح مقصد کے مناسب حدیث کا اکتشاف کیا جاسکتا ہے۔اور یہ ان کے لئے ضروری بھی تھا کہ جس طرح ان کے مخالفین حدیث بناتے ہیں اس طرح وہ بھی بنائیں،اور انہوں نے ایسا کیا بھی۔

ہمارے پاس بکثرت ایسے شواہد موجود ہیں جو اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ حکومت کے بڑے بڑے عہدیداران وضع احادیث کا سبب تھے۔خصوصاً اس بات سے ہم اچھی طرح باخبر ہیں کہ بزرگ علماء دین کا ایک طبقہ حکام کے لئے احادیث بنانے کا کام کیا کرتا تھا۔اور ہمارے لئے یہ بات قابل تعجب نہیں ہونی چاہئے کہ اسلام میں جو اختلافی مسائل ہیں خواہ سیاست سے متعلق ہوں یا قانون سے سبھوں کی تائید میں کچھ نہ کچھ احادیث ہیں اور یہ تمام احادیث من گھڑت اسانید سے مروی ہیں۔

احادیث بنانے اور ان کی اشاعت کرنے اور مخالفین حکومت کو خاموش کرنے کے سلسلے میں سیاسی قوتیں پہلے ہی سے کام کر رہی تھیں۔معاویہ نے مغیرہ بن شعبہ کو یہ حکم دیا تھا کہ تم علی کو برا بھلا کہنے اور عثمان کے لئے رحمت طلب کرنے میں لگے رہو۔اصحاب علی کو خوب گالیاں دو، انہیں اپنے قریب پھٹکنے نہ دو اور ان کی کوئی بات نہ سنو۔یعنی حدیث کے طور پر وہ جو کچھ کہتے یا پھیلاتے ہیں اس پر کان نہ دھرو۔اس کے برخلاف حامیان عثمان کی مدح سرائی کرو، انہیں اپنے قریب بلاؤ اور ان کی باتیں سنو۔

یہ علی رضی اللہ عنہ کی مخالفت والی حدیثوں کو پھیلانے اور عام کرنے اور ان کی تائید والی احادیث کو بے اثر بنانے کی خاطر حکومت کی طرف سے واضح حوصلہ افزائی ہے۔

مزید کہتا ہے: جب اموی خلیفہ عبدالملک بن مروان نے اس ڈر سے کہ کہیں عبداللہ بن زبیر حجاز مقدس کے سفر کے دوران شامی حاجیوں سے زبردستی بیعت نہ لے لیں مکہ مکرمہ کے سفر پر پابندی عائد کرنا چاہا تو اس نے ایک حیلہ اختیار کیا۔اور وہ حیلہ تھا قبۂ صخرہ کو بیت اللہ کے مساوی قرار دینا اور اس سلسلے میں اس نے یہ حکم بھی جاری کیا کہ قبۂ صخرہ کا طواف کر کے بھی طواف واجب کی ادائیگی کی جاسکتی ہے۔اور اس طواف کو شریعت میں وہی اہمیت حاصل ہے

جوطواف کعبہ کو حاصل ہے.

اور خلیفہ نے دینی معاملہ میں سیاسی اصلاح کی ذمہ داری ایک بزرگ عالم دین (زہری) کے سر ڈال دیا کہ وہ حدیث وضع کر کے اس کو مرفوع حدیث کی شکل میں لوگوں کے درمیان یہ مشہور کریں کہ دنیا میں تین ایسے مساجد ہیں جن کی زیارت کی جاسکتی ہے اور یہ مکہ مکرمہ، مدینہ اور قدس کی مسجدیں ہیں (یعقوبی: ۲/ ۳۱۱).

اس کے بعد اس نے یہ بتایا ہے کہ امویوں کو اپنے مطلب کی احادیث پھیلانے میں کیونکر کامیابی ہوئی اور ان لوگوں نے اپنے مقصد کو حاصل کرنے کے لئے زہری جیسے لوگوں کو کس طرح اپنا آلہ کار بنایا. نیز لکھتا ہے کہ خطیب بغدادی کی روایت سے بھی اس پر استدلال کیا جاسکتا ہے.

عبدالرزاق (ت ۲۱۱ھ) نے جو معمر بن راشد (ت ۱۵۳ھ) کے شاگرد ہیں اور معمر زہری کے شاگرد ہیں متعدد طرق سے روایت کیا ہے کہ ابراہیم بن الولید اموی (ت ۱۲۶ھ) زہری کے پاس حاضر ہوا. اس کے ساتھ اس کی لکھی ہوئی کتاب تھی جس کو اس نے زہری سے لکھا تھا اور وہ اس میں موجود اقوال کو زہری سے مروی احادیث کے طور پر روایت کرنے کی اجازت چاہ رہا تھا اور زہری نے یہ کہتے ہوئے بآسانی اس کو اجازت دے دیا کہ میرے علاوہ تم سے اس طرح کی احادیث کون بیان کرسکتا ہے.

اس طرح اس اموی شخص نے اپنی لکھی ہوئی باتوں کو زہری سے حاصل کردہ معلومات کے طور پر پھیلانے میں کامیابی حاصل کر لی. اس خبر سے اس کی مکمل تصدیق ہوجاتی ہے، دینی وسائل کو استعمال میں لاکر حکومت کی خواہشات کو پورا کرنے کا زہری کتنا آرزومند ہوتا تھا (اس سلسلے کی ایک مثال پیش کی جاچکی ہے) لیکن بسا اوقات ان کی پرہیزگاری اس میں آڑے بھی آجاتی تھی مگر ہر وقت حکومت نواز حلقوں کی طرف سے ڈالے جانے والے دباؤ کا مقابلہ کرنا اس کے بس کا روگ نہیں تھا.

معمر نے ہمارے لئے زہری کا یہ قول محفوظ رکھا ہے، زہری کہتے ہیں: «هؤلاء الأمراء أكرهوا الناس على كتابة أحاديث» ''ان امیروں نے حدیث لکھنے کے لئے لوگوں کو مجبور کردیا ہے''. «أكرهنا عليه هؤلاء الأمراء» ''امیروں نے اس پر ہمیں مجبور کردیا''.

اس کلام سے صرف یہی سمجھا جاسکتا ہے کہ سیاسی اغراض کی تکمیل کے لئے زہری اپنے نام کو استعمال کئے جانے (جس کا مسلمانوں میں بڑا احترام تھا) کی چاہت رکھتے تھے. اس کے بعد زہری کے متعلق اس نے تفصیلاً گفتگو کیا ہے اور یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ وہ ہمیشہ امیروں کے پیچھے پیچھے رہتے، ان کی مجلسوں ومحلوں میں موجود

ہوتے، ان کے بچوں کو تعلیم دیتے اور ان کی خواہشات ورغبات کی تکمیل میں ہر دم مشغول ہوتے. اور منصب قضاء پر بھی فائز رہے[۱].

سنت اور علمائے سنت کے متعلق گولڈ زیہر کے یہ بعض آراء ہیں، اور میں انہی پر اکتفا کرتا ہوں تاکہ ان میں موجود اہم نقاط کا پوسٹ مارٹم کر سکوں اور لوگوں کو بتاؤں کہ اس نے کس طرح کذب اور افترا سے کام لیا ہے اور جس کو اس نے دلیل بنایا ہے اس کو نقل کرتے وقت اس کی صحت پر غور وفکر کرنے کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی ہے. دراصل اس نے جملوں اور کلمات میں تحریف کر کے عوام کے دل ودماغ میں یہ بات بٹھانے کی سعی رائیگاں کی ہے کہ سنت جھوٹ کا پٹارا ہے. اور صدق وصحت سے اس کا ادنیٰ واسطہ بھی نہیں ہے.

جب ہم اس کے کذب وزور کا پردہ فاش کر دیں گے تو اس کی بنیاد پر اس کے دوسرے اکاذیب واباطیل کو سمجھنا ہمارے لئے آسان ہو جائے گا اور ہم اچھی طرح جان لیں گے کہ یہ شخص علمی طور طریقہ اور صدق وامانت کے تمام تر اوصاف سے بالکل ہی عاری ہے.

سابقہ عبارتوں میں سنت وعلماء سنت پر لگائے جانے والے الزامات کا خلاصہ درج ذیل سطور میں پیش کیا جا رہا ہے:

۱- احادیث قدیم اسلامی معاشروں میں رونما ہونے والی سیاسی وسماجی ترقی کا نتیجہ ہیں.

۲- موضوع احادیث صرف علماء متأخرین کا نتیجۂ فکر نہیں ہیں بلکہ صحابہ وتابعین نے بھی خوب خوب حدیثیں وضع کی ہیں.

۳- اسلام کے اندر پائے جانے والے فکری وعملی مذاہب کے حامل افراد نے اپنے اپنے مذہب کی تائید میں حدیثیں بنانے کے بعد ان کو رسول واصحاب رسول کی طرف منسوب کیا ہے.

۴- محدثین کے نزدیک نقد حدیث کا دائرہ نہایت تنگ ہے اور سند تک محدود ہے. جس کی وجہ سے بہت سی حدیثیں جو فی الواقع غیر صحیح ہیں ان کو نقد اسلامی نے صحیح قرار دیا ہے.

۵- علماء اسلام نے ایسی حدیثیں وضع کیں جو حکام کے ساتھ ان کی مخاصمت میں ان کی تائید کرنے والی تھیں.

۶- مسلم حکمرانوں نے بھی اپنے سیاسی نظریات کی تائید اور بزرگان دین کو خاموش کرنے کے لئے حدیثیں وضع کیں.

(۱) ملاحظہ ہو: "مطالعہ اسلام" انگریزی ترجمہ/ص ۴۳ سے ۴۸ تک.

۷-معاویہ بن ابی سفیان نے علی اوران کے حامیوں کی تائید کرنے والی احادیث کو دبانے اور حکومت کے افکار ونظریات کی مؤید احادیث کو پھیلانے کے لئے مغیرہ بن شعبہ کو حکم دیا تھا.

۸-عبدالملک بن مروان نے لوگوں کو قبہ صخرہ کے طواف کا حکم دیا تھا.

۹-زہری نے «لَا تشدوا الرحال إلّا إلی ثلاثة مساجد» والی حدیث خود وضع کیا تھا.

۱۰-زہری بنوامیہ کی خواہشات کے مطابق حدیثیں وضع کیا کرتے تھے.اوراس کی دلیل ابراہیم بن ولید اموی سے متعلق عبدالرزاق کی وہ روایت ہے جس میں ابراہیم نے مرویات زہری کے نام پر اپنی ذاتی کتاب کو شائع کرنے کے لئے زہری سے اجازت مانگی ہے.

۱۱-زہری نے امراء بنی امیہ کے بارے میں کہا ہے: «هولاء الأمراء أكرهوا الناس علی كتابة أحاديث».

آئندہ صفحات میں ہم مذکورہ تمام شبہات کو ایک ایک کرکے ذکر کریں گے اوران شاء اللہ صحیح واقعات اور فیصلہ کن دلائل کے ذریعہ ان کا پوسٹ مارٹم کریں گے، جس کے بعد تمام شبہات ہوا ہو جائیں گے اور مذکورہ تمام الزامات کا پردہ فاش ہو جائے گا.میں اس کام کے لئے مدد الٰہی کا طلب گار ہوں.

پہلے شبہ کا جواب:

قرآن مجید اور احادیث صحیحہ وثابتہ اس امر پر قطعیت کے ساتھ دلالت کرتے ہیں کہ سنت نبوی (علی صاحبها أفضل الصلوات وأتم التسليمات) شریعت اسلامی کا دوسرا مصدر ہے.اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں بتایا ہے کہ اس نے ہمارے لئے اپنا دین مکمل کردیا ہے.اپنی نعمت کا اتمام کردیا ہے اور دین کے طور پر اس نے ہمارے لئے اسلام کو پسند کیا ہے[1].

اب یہ بالکل سمجھ میں آنے والی بات نہیں ہے کہ سنتِ نبویہ کی تکمیل رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں نہیں ہوسکی تھی.اوراس کو حافظہ اور کتابوں کے ذریعہ محفوظ نہیں کیا جاسکا تھا اور اسلامی معاشرہ کی طرف سے سنن رسول کو دستور حیات کے طور پر اختیار کرلئے جانے کے بعد بھی اس کی حفاظت نہیں ہوسکی تھی.

بلکہ تحقیق کے بعد ثابت ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے اس کا پورا خیال رکھا ہے.لہذا ہم دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمیشہ اپنے اصحاب کو سنت کی حفاظت کی تلقین کرتے رہتے ہیں.اس سلسلے میں آپ کا ارشاد ہے: «تركت فيكم

(۱) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾ (آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کردیا، اور اپنی نعمت تم پر پوری کردی، اور اسلام کو بحیثیت دین تمہارے لئے پسند کرلیا) [سورۃ المائدہ: آیت/۳].

أمرين لن تضلوا ما تمسكتم بهما كتاب الله وسنتي» ''میں تم لوگوں کے لئے دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں اگر انہیں اپنائے رہو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے. ان میں سے ایک کتاب اللہ ہے اور دوسری میری سنت''.

نیز آپ کا ارشاد ہے: «نضر الله امرء أ سمع مقالتي فوعاها فاداها كما سمعها» ''اللہ تعالیٰ اس شخص کو تر و تازہ رکھے جس نے میری بات سنی اور یاد کر لیا پھر اس کو بعینہ دوسروں تک پہنچا دیا''(۱).

رسول اللہ ﷺ کی زندگی ہی میں سنت کو محفوظ کر لئے جانے کی ایک قطعی دلیل یہ بھی ہے کہ صحابۂ کرام روئے زمین کے طول و عرض میں پھیل چکے تھے اور دعوت اسلام کے ساتھ مغرب و مشرق تک جا پہنچے تھے، نئے مسلمانوں کو احکام اور شرائع اسلام کی تعلیم دیتے. فرائض و سنن اور اخلاق و آداب سے انہیں آگاہ کرتے، کچھ لوگوں نے انتہائے مغرب میں مقیم صحابہ سے تعلیم لی تو کچھ لوگوں نے انتہائے مشرق میں رہنے والے صحابہ سے، اور اس غیر معمولی دوری کے باوجود ان تمام لوگوں کے اعمال میں کوئی فرق نظر نہیں آتا، اگر یہ احادیث عصر نبوی کے بعد کے عصور میں رونما ہونے والے سیاسی وسماجی انقلابات کا نتیجہ ہوتیں تو لوگوں کے اعمال میں اس طرح کا حیرت انگیز توافق کیونکر پایا جاتا. بلکہ ایک خطہ کے مسلمانوں کا عمل دوسرے خطہ کے مسلمانوں کے عمل سے مختلف ہوتا.

بلکہ حقیقت میں ہوا یہ کہ قرآن کریم نے قواعد کلیہ پیش کیا ہے اسی طرح احادیث رسول بھی قواعد واصول پر مشتمل ہیں، تا کہ لوگ قیامت تک پیش آمدہ مشکل و مسائل کا حل معلوم کر سکیں، اور اس کے مطابق مسلمانوں نے قرآن وحدیث کے قواعد سے دینی وسیاسی وسماجی مسائل کے لئے احکام کا استنباط کیا، لیکن ان استنباطات کو احادیث نہیں کہا جا سکتا، اور مسلمانوں میں سے کسی نے ایسا کہا بھی نہیں ہے.

اگر گولڈ زیہر اور اس کے چیلوں کی ذہنیت کا کوئی شخص ان احکام کے متعلق سادہ لوح مسلمانوں کے دلوں میں یہ بات بٹھانے کی کوشش کرتا ہے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کی احادیث ہیں جنہیں مسلمانوں نے وضع کر کے رسول کی طرف منسوب کر دیا ہے تو ظاہر ہے اسے کذب و افتراء اور حقائق کی پردہ پوشی نہیں کہیں گے تو اور کیا کہیں گے.

اور اگر اس یہودی مستشرق کا اشارہ زنادقہ و ملاحدہ، اور ایمان فروشوں اور نام نہاد مسلمانوں کی وضع کردہ احادیث کی طرف ہے تو اسے اور اس کے چچوں کو یہ بات اچھی طرح جان لینا چاہئے کہ محدثین کرام پہلے ہی صحیح احادیث کی تحقیق و تنقیح کا کام مکمل کر چکے ہیں. اب دنیا میں کوئی ایسی حدیث نہیں رہی جو محدثین کی عقابی نظروں سے بچ گئی ہو اور انہوں نے اس کی تحقیق و تفتیش اور چھان پھٹک کے بعد اس کی حقیقت واضح نہ کر دی ہو، انہوں نے تو

---

(۱) ان دونوں حدیثوں کی تخریج فصل (احادیث نبویہ سے حجیت سنت کی تائید و توثیق) میں ملاحظہ کریں.

موضوع وضعیف روایتوں کو مستقل کتابوں میں جمع بھی کر دیا ہے. الحمد للہ علیٰ ذٰلک.

میرے بھائی! جب اس کو آپ سمجھ گئے تو یہ بھی جان لیں کہ استشراق کی چادر میں چھپے اسلام دشمن عناصر کے لئے یہ بات نا قابل برداشت تھی کہ احادیث کا عظیم سرمایہ شریعت اسلامی کے لئے اصل ثابت کی حیثیت سے مسلم حلقوں میں مقبول اور منظورِ نظر رہے. اس لئے آپ انہیں ہمیشہ ان کتابوں میں پائے جانے والے فرضی واقعات وحکایات اور جھوٹے اقوال کے پیچھے دوڑتے ہوئے پائیں گے. جن کتابوں کا محدثین کے نزدیک کوئی اعتبار ہی نہیں ہے. اور ان کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ وہ کسی طرح اپنی شیطانی چالوں سے حق کو مات دینے میں کامیاب ہو جائیں.

۲- اس کا یہ دعویٰ کہ حدیثیں صرف علماء متاخرین ہی کی پیدا کردہ نہیں ہیں بلکہ صحابہ وتابعین بھی وضع احادیث میں پیش پیش رہے ہیں.

تو یہ دعویٰ بالکل کھوکھلا ہے، اس کی تائید میں کوئی ایسی صحیح دلیل یا قول نہیں ہے جو جمہور امت اسلامیہ کے لئے قابل قبول اور لائق اعتناء ہو. صحابہ کی عدالت اہل سنت وجماعت کے عقیدہ کے مطابق ہر طرح کی بحث وتحقیق سے بالاتر ہے. اور ان کے نزدیک تمام صحابہ کرام عادل ہیں، خواہ فتنہ سے ان کا کوئی تعلق ہو یا نہ ہو.

ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”عمر بن خطاب کے بعد اوائل مہاجرین کو ہم افضل مانتے ہیں، مگر ان میں سے کسی ایک کو دوسرے پر قطعیت کے ساتھ فوقیت نہیں دیتے ....، ان کے بعد اہل عقبہ کا درجہ ہے پھر اہل بدر کا پھر دیگر غزوات میں شریک صحابہ کا، اور اہل حدیبیہ تک بالترتیب ہر غزوہ میں شریک اپنے بعد والے غزوہ میں شریک صحابہ سے افضل ہیں. ہم بیعت رضوان تک کے تمام مہاجرین وانصار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مومن وصالح ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں. اور اس کا بھی کہ ان تمام صحابہ کی وفات ایمان وہدایت اور تقویٰ پر ہوئی ہے. اور وہ تمام کے تمام جنتی ہیں ان میں سے کوئی بھی جہنم میں نہیں جائیں گے“(۱).

قرآن کریم میں اس قسم کی بہت سی آیتیں ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام ایمان وایقان کی بلندی پر تھے. ارشاد باری ہے: ﴿ وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ ۝ فِیْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ ﴾ (اور نیکیوں میں سب سے سبقت کر جانے والے تو سب سے آگے ہی ہوں گے، وہی لوگ اللہ کے مقرب بندے ہوں گے، وہ نعمتوں والی جنتوں میں ہوں گے)(۲).

---

(۱) ملاحظہ ہو: الفصل في الملل والأهواء والنحل: ۴/ ۲۲۴، ۲۲۵.

(۲) سورۃ الواقعہ: آیت/ ۱۰-۱۲.

اور ارشاد باری ہے:﴿لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا﴾ (یقیناً اللہ مومنوں سے راضی ہوگیا، جب وہ آپ سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے، پس وہ جان گیا اس اخلاص کو جو اُن کے دلوں میں تھا، اس لئے اُن پر سکون واطمینان نازل کیا، اور بطور جزا ایک قریبی فتح سے نوازا)(۱).

اور ارشاد باری ہے:﴿وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ﴾ (اور مہاجرین وانصار میں سے وہ اولین لوگ جنہوں نے ہجرت کرنے اور ایمان لانے میں دوسروں پر سبقت کی، اور وہ دوسرے لوگ جنہوں نے اُن سابقین کی اخلاص کے ساتھ پیروی کی، اللہ ان سب سے راضی ہوگیا، اور وہ سب اللہ سے راضی ہوگئے)(۲).

خطیب بغدادی کہتے ہیں: یہ تمام باتیں اس بات کی متقاضی ہیں کہ صحابہ کرام بے داغ ہیں. اور عادل وامین ہیں. اللہ تعالیٰ کی تعدیل کے بعد جو ان کے باطن سے بھی باخبر ہے. اب وہ کسی مخلوق کی تعدیل کے محتاج نہیں ہیں (۳).

اس کے علاوہ دامن سنت میں بھی ایسی بے شمار حدیثیں ہیں جو صحابہ کی عدالت اور ان کی فضیلت کی شہادت دیتی ہیں:

امام احمد نے اپنی سند سے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میرے اصحاب کو برا بھلا نہ کہو، اس اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر تم میں کا کوئی احد پہاڑ کے برابر بھی سونا خرچ کرے پھر بھی ان کے ایک مد یا نصف مد کے ثواب کو حاصل نہیں کرسکتا''(۴).

امام احمد ہی نے نُسیر بن دُعلوق سے روایت کیا ہے کہ میں نے ابن عمر کو یہ کہتے سنا کہ ''اصحاب محمد کو گالیاں نہ دو، کیونکہ ان کی ایک گھنٹے کی مصاحبت تمہاری پوری زندگی کے عمل سے بہتر ہے''(۵).

اور عام طور سے انہیں صحابہ کرام سے حدیثیں مروی ہیں جو قبل از فتح مکہ آپ کی مصاحبت میں رہے ہیں. اور جو لوگ فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوئے ان سے اس کثرت سے احادیث مروی نہیں ہیں جس کثرت سے شروع ہی

(۱) سورۃ الفتح: آیت/۱۸.
(۲) سورۃ التوبہ: آیت/۱۰۰.
(۳) الکفایہ: ص/۴۸، ۴۹.
(۴) بخاری: ۷/۲۱، ابوداؤد: ۴/۲۱۴، احمد فی المسند: ۳/۱۱، ترمذی: ۵/۶۹۵، مسلم: ۴/۱۹۶۷، ابن ماجہ: ۱/۵۷ اس کے ساتھ امام احمد کی کتاب فضائل صحابہ بھی ملاحظہ کریں: ۱/۵۱.
(۵) فضائل صحابہ: ۱/۵۷، ابن ماجہ: ۱/۵۷.

سے آپ کی مصاحبت میں رہنے والے صحابہ کرام سے مروی ہیں. اگر ان میں سے کسی نے روایت کی بھی ہے جیسے حکیم بن حزام اور عتاب وغیرہما تو ان کی دیانت داری وامانت داری روزِ روشن کی طرح عیاں ہیں.

صحابہ کرام کی سیرت وکردار کے بارے میں کتب تراجم میں سیر حاصل بحث کی گئی ہے اور جن صحابہ کرام نے روایت کی ذمہ داری قبول کی ہے ان کی امانت ودیانت اور صداقت وعدالت مشہور ومعروف ہو چکی ہے.

اور عہد رسول ﷺ میں کاذبین اور منافقین کا پایا جانا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ وہی لوگ احادیث رسول ﷺ کے رواۃ بھی تھے. کیونکہ اس قسم کے لوگوں کو آپ اور آپ کے اصحاب اچھی طرح جانتے تھے اور ان کی ذات وصفات سے مکمل آگاہ تھے. چنانچہ صحابیٔ رسول کعب بن مالک رضی اللہ عنہ جو غزوہ تبوک سے پیچھے رہ جانے والے تین افراد میں سے ایک تھے مدینہ منورہ کی حالت اور غزوہ تبوک سے پیچھے رہ کر مدینہ میں رک جانے والوں کی حالت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کے نکلنے کے بعد جب میں گھر سے باہر نکلتا اور لوگوں کے درمیان جاتا تو یہ دیکھ کر اور زیادہ مغموم ہو جاتا کہ مدینہ میں صرف وہی شخص بچا ہے جو پکا منافق ہے یا ضعفاء ومعذور ہیں"(۱).

اس سے پتہ چلتا ہے کہ منافقین معروف تھے اور گنے چنے تھے، وہ عام لوگوں سے الگ تھلگ رہتے اور ایک مخصوص فضا میں زندگی بسر کرتے تھے (۲).

یہ منافقین احادیث رسول کو روایت کرنے والے نہیں تھے اور نہ ہی ذخیرۂ سنت میں ان سے کوئی بات منقول ہے، اور یہ دعویٰ بلا دلیل نہیں ہے کہ یہ محض ایک دعویٰ ہے بلکہ سراسر حقیقت ہے. اگر کوئی حدیث کی مقبول ومستند کتابوں میں تلاش کرے تو اس کو کسی ایسے شخص کی ایک بھی روایت نہیں ملے گی جس کا معاملہ عہد رسول میں مشکوک رہا ہو. اس کے برخلاف جو صحابہ کثرت روایت میں مشہور تھے ان کا شمار اکابرین صحابہ میں ہوتا تھا، اور رسول واصحاب رسول کے نزدیک ان کی قدر ومنزلت مسلم تھی اور وہ ہر اس صفت سے متصف تھے جو دنیا کے کسی عظیم ترین انسان میں پائی جا سکتی ہے. ان کے علاوہ بقیہ تمام صحابہ کرام بھی ویسے ہی تھے، ان کا معاملہ بھی اسی طرح واضح اور ان کی عدالت اسی شہرت کی حامل تھی. کتب تراجم میں ان کی زندگی ایک کھلی کتاب کی طرح دکھتی ہے. اس کے باوجود پتہ نہیں لوگ وضع احادیث میں صحابہ کرام کے ملوث ہونے کا دعویٰ کیسے کر دیتے ہیں.

تابعین بھی انہی خصوصیات کے حامل تھے. اللہ تعالیٰ کے اس قول کے مصداق: ﴿وَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ

(۱) بخاری: کتاب المغازی، باب حدیث کعب بن مالک.
(۲) منہج النقد عند المسلمین: ص ۱۱۱.

بِإِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ﴾ (اور وہ دوسرے لوگ جنھوں نے اُن سابقین کی اخلاص کے ساتھ پیروی کی، اللہ ان سب سے راضی ہوگیا، اور وہ سب اللہ سے راضی ہوگئے)(۱) تابعین نے صحابہ کے اخلاق وکردار کی اتباع کے ساتھ ہر موقع پر ان کے راہ عمل کو اپنایا. احادیث نبویہ کے جمع وتدوین کا کام کیا، جو بھی اخبار ان تک پہنچے انہیں قلمبند کیا اور اس کے لئے ہر طرح کی قربانیاں دیں.

امام سخاوی کا قول ہے: واسطہ حدیث میں تابعین کے اندر ضعف کا احتمال - خاص کر کذب کا - بہت ہی بعید ہے. کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے تابعین کے عہد کی تعریف کی ہے اور صحابہ کے بعد عہد تابعین کی بہتری وعمدگی کی شہادت دی ہے(۲).

دوسری جگہ فرماتے ہیں: قرن اول میں جو کہ صحابہ واکابر تابعین کا زمانہ ہے ایک یا دو راوی کے علاوہ جیسے حارث اعور(۳) اور مختار کذاب(۴) ہے اور کوئی ضعیف راوی نہیں ملتا.

پہلی صدی کے بعد جیسے ہی دوسری صدی میں داخل ہوتے ہیں اوساط تابعین کے درمیان ہمیں کچھ ضعیف چہرے نظر آتے ہیں جنہیں غالباً حدیث کے ضبط وتحمل میں کسی کمی کی وجہ سے ضعیف قرار دیا گیا ہے. جیسے کہ مرفوع حدیث کو کبھی مرفوعاً اور کبھی مرسلاً روایت کر دیتے ہیں ان کی اور کچھ غلطیاں بھی ہیں(۵).

لیکن کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ نقاد تابعین نے ان ضعفاء کے ساتھ کوئی ہمدردی برتی ہے، یا پھر انہوں نے ان کے ضعف کو طشت از بام کرنے اور ان کی حالت سے لوگوں کو آگاہ کرنے کا کام کیا ہے؟

تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ ان لوگوں نے اپنی انتھک کوششوں کے ذریعہ ضعف کی ادنیٰ صورت کو بھی کھول کر رکھ دیا ہے اور یہ تمام باتیں تاریخ کی کتابوں میں موجود ہیں اور ناقدین حدیث اس سے اچھی طرح واقف ہیں.

سید تابعین سعید بن مسیب (ت ۹۳ھ)، عامر شعبی (ت ۱۰۴ھ) جو یحییٰ بن سعید کے بقول: سند کی تفتیش کرنے

---

(۱) سورۃ التوبہ: آیت/۱۰۰.

(۲) فتح المغیث: ۱/۳۴۴.

(۳) یہ حارث بن عبد اللہ ہمدانی ہیں. ضعیف ہونے کے باوجود ان کا شمار اکابر علماء تابعین میں ہوتا ہے. شعبی کا قول ہے: «حدثني الحارث الأعور وكان كذاباً» "ہم سے حارث الاعور نے بیان کیا جو کہ جھوٹا تھا". ابن مدینی کا قول ہے: "کذاب" وہ جھوٹا تھا. ابن معین کہتے ہیں: ضعیف. وہ ضعیف ہے. (میزان الاعتدال: ۱/۴۳۵).

(۴) یہ ابو عبید ثقفی کذاب کا بیٹا ہے. امام ذہبی کہتے ہیں: اس سے کچھ بھی روایت کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ وہ خود گمراہ تھا اور دوسروں کو گمراہ کرتا تھا. اس کا دعویٰ تھا کہ جبریل علیہ السلام اس پر نازل ہوتے تھے. وہ حجاج اور اس قماش کے لوگوں سے بھی برا تھا. (میزان الاعتدال: ۴/۸۰).

(۵) ملاحظہ ہو: فتح الباری: ۳/۳۱۸، اور الاعلان بالتوبیخ: ص/۱۶۳.

والے پہلے شخص ہیں. خازن حدیث ابراہیم نخعی، زہری (۱۲۴ھ) جن کے متعلق عمرو بن دینار نے کہا تھا: حدیث میں ان سے زیادہ بصیرت رکھنے والا ہم نے آج تک نہیں دیکھا، اعمش (۱۴۸ھ)، شعبہ بن حجاج (۱۶۰ھ)، سفیان ثوری (۱۶۱ھ)، حماد بن سلمہ (۱۶۷ھ)، حماد بن زید (۱۷۹ھ)، لیث بن سعد (۱۷۵ھ)، مالک بن انس (۱۹۷ھ) وغیرہم.

ان حضرات نے اور ان کی طرح دوسرے بہت سے تابعین ومحدثین نے کبھی کسی ضعیف راوی کو نہیں بخشا، بلکہ جب تک اس کی حقیقت کو کھول کر نہیں رکھ دیا، چین کی سانس نہیں لیا، اور یہ تمام چیزیں مسلمانوں کے نزدیک معتبر کتابوں میں موجود ہیں.

اس کے علاوہ جن تابعین نے حدیثیں روایت کی ہیں ان کے حالات منظر عام پر آچکے ہیں. ان کی عدالت وامانت کی حقیقت کتابوں میں محفوظ ہیں. اسی طرح جو حدیثیں مسلمانوں کے نزدیک صحیح وثابت اور علمائے مسلمین کی نظر میں معتبر ہیں وہ بھی معروف ہیں اور قابل اعتماد کتابوں کی زینت بنی ہوئی ہیں.

گولڈزیہر نے جن شرمناک باتوں کو ذکر کیا ہے. ان کو ایک باضمیر آدمی - خواہ وہ یہودی ہی کیوں نہ ہو- نہیں کہہ سکتا. دراصل اس نے کذب بیانی کے ذریعہ اسلام کے خلاف اپنے دل میں دہکتی ہوئی آگ کو ٹھنڈا کرنا چاہا ہے.

اس کا ایک دعویٰ یہ ہے کہ مختلف افکار ونظریات کے حامل اصحاب مذاہب نے اپنے مذہب کی تائید وحمایت میں احادیث وضع کر کے رسول واصحاب رسول کی طرف منسوب کر دیا ہے.

اس کے جواب میں سب سے پہلے ہم یہی کہیں گے کہ اس نے یہاں بھی حقیقت کو دبانے اور چھپانے اور محدثین کی خدمات کو نظر انداز کر دینے کی پالیسی اپنائی ہے. ذیل میں اس کا تفصیلی جواب دیا جاتا ہے:

۱- مسلمان اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ ذخیرۂ احادیث میں کچھ ضعیف حدیثیں پائی جاتی ہیں جن کے مختلف اسباب ہیں، ان اسباب میں سے عصبیت ایک اہم سبب ہے. کچھ کمزور نفس لوگوں نے ائمۂ دین میں سے کسی خاص امام یا فقہی وعقائدی مذاہب میں سے کسی خاص مذہب کے فضائل کو بڑھا چڑھا کر پیش کرنے کے لئے احادیث بنانے کا کام کیا.

لیکن جن لوگوں کا علوم حدیث اور اس کی تاریخ سے ادنیٰ تعلق بھی ہے ان سے یہ بات پوشیدہ نہیں کہ اس قسم کی احادیث کو دریافت کر لیا گیا تھا، اور اعلام محدثین نے ان پر موضوع کی مہر لگا کر رد کر دیا تھا. اور ان کو خاص کتابوں میں درج بھی کر لیا گیا تھا.

۲- علمائے سنت کے یہاں یہ بات مسلّم ہے کہ کتب فقہ کتب سنت نہیں ہیں، بلکہ سنت کی اپنی مخصوص کتابیں ہیں. اگر کسی کو کسی حدیث کی تلاش ہو تو وہ سنت کی مخصوص کتابوں کی طرف رجوع کرے.

نیز ناقدین حدیث نے فقہ کی کتابوں میں منتشر احادیث کو بھی نہیں چھوڑا ہے، بلکہ انہیں بھی نقد کی کسوٹی پر چڑھا کر امت اسلامیہ کے سامنے ان کی حقیقت کو واضح کر دیا ہے. ان میں سے جو صحیح تھیں انہیں قبول کر لیا گیا اور جو صحیح نہیں تھیں انہیں رد کر دیا گیا.

۳- اس کے باوجود اگر کسی عالم نے ضعیف یا موضوع حدیث کا سہارا لیا ہے، تو اس کے قول کو رد کر دیا گیا ہے، اور اگر اپنے فہم کے مطابق صحیح حدیث کو اپنا مستند قرار دیتا ہے اور اس کا مخالف بھی صحیح حدیث سے استدلال کرتا ہے تو اس بارے میں علماء بیان کرتے ہیں کہ بعض احادیث میں اختلاف کا سبب یہ ہوتا ہے کہ کوئی عالم کسی حدیث کو لوگوں میں مشہور دیکھ کر یہ سمجھ بیٹھتا ہے کہ وہ بغیر اصل صحیح کے مشہور نہیں ہوئی ہے. اور وہ اس کو اختیار کر لیتا ہے. اس کے بعد دوسرا کوئی آتا ہے تو دیکھتا ہے کہ اس پوری شہرت کا دارومدار صرف ایک ہی مصدر پر ہے اور وہ بھی صحیح نہیں ہے. جیسا کہ نماز کے اندر قہقہہ کے مسئلہ میں ہوا ہے. اور کبھی کسی عالم تک کوئی حدیث ایک ہی سند سے پہنچتی ہے. اور وہ یہ دیکھتا ہے کہ اہل علم نے اس کی مخالفت کی ہے لہذا وہ اس حدیث سے دستبردار ہو جاتا ہے. مگر جب کوئی دوسرا عالم اس کی تحقیق اور چھان بین کرتا ہے تو اسے بالکل صحیح وثابت پاتا ہے. اور دیکھتا ہے کہ بعض علماء نے اس کو اختیار بھی کیا ہے اور جنہوں نے اختیار نہیں کیا ہے وہ اس سے مطلع نہیں ہو سکے ہیں. ونحو ذلک. پتہ یہ چلا کہ ان لوگوں کے عدم استدلال کی وجہ سے کسی حدیث کی صحت یا حجیت متأثر نہیں ہوتی.

۴- صحابہ کرام یا فقہائے اسلام کے درمیان موجود فقہی اختلافات کا محرک ہوائے نفس نہیں تھا کہ وہ لوگ وضع حدیث کے لئے مجبور ہوتے. بلکہ ان اختلافات کے دوسرے اسباب تھے جنہیں علماء نے بیان کر دیا ہے. ان میں سے ایک دو مختلف حالتوں میں واقع فعل کو صحابہ کی طرف سے دو مرتبہ بیان کیا جانا ہے. ایک صحابی اپنا مشاہدہ بیان کر رہے ہیں تو دوسرا اپنے مشاہدہ کی بات بتا رہے ہیں جب کہ دونوں فعل دو مختلف حالتوں میں انجام دیئے گئے ہیں.

کبھی کبھی رسول اللہ ﷺ بیان جواز کے لئے ایک فعل کو دو طرح سے ادا کرتے تھے، لیکن دیکھنے والوں نے جو دیکھا اسے ہی بیان کیا.

فہم مراد میں اختلاف بھی اس کی ایک وجہ ہے. ایک ہی نص سے ایک شخص وجوب سمجھتا ہے تو دوسرا شخص استحباب.

ایک صحابی کو جدید حکم اور ماقبل حکم کے ناسخ کا علم ہوتا ہے مگر دوسرے صحابی کو اس کی خبر نہیں ہوتی، چنانچہ وہ

اپنے سابقہ سماع کے مطابق حکم اول کو ہی بیان کرتے رہتے ہیں.

اور یہ اختلاف امور دین، عقیدہ یا ارکان اسلام میں نہیں ہے بلکہ بعض فروعی معاملات میں ہے. اگر عقیدۂ اسلامی کے خلاف کوئی رائے ظاہر ہوئی بھی تو علماء مخلصین نے اس رائے اور اس کے قائلین سے اپنی براءت کا اعلان کیا اور ان کو دائرۂ اسلام سے بھی خارج کر دیا.

علماء نے مذکورہ اسباب کے علاوہ بھی کچھ اور اسباب گنائے ہیں جیسے کہ الفاظ کا کئی معانی میں مشترک ہونا، اور کئی تاویلات کا محتمل ہونا، حقیقت ومجاز کا احتمال پایا جانا، عموم وخصوص کا جھگڑا کھڑا ہونا. روایت کے اعتبار سے کوئی اختلاف ہونا، یا حدیث ہی میں کچھ علتوں کا پایا جانا. یا اجتہاد وقیاس کا مخالف ہونا، یا نسخ کا احتمال ہونا. یا توسع واباحت کا خیال کرنا وغیرہ (۱).

غرضیکہ بعض احادیث کے درمیان اختلاف پائے جانے سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ وہ احادیث موضوع ہیں اور فقہی مذاہب والوں کی پیداوار ہیں. بلکہ اس کے وجہ کچھ علمی نوعیت کے اسباب ہیں جنہیں علماءِ مسلمین اچھی طرح جانتے ہیں، لیکن ان اسباب میں علماء کرام کا اپنے نقطۂ نظر کی تائید کے لئے احادیث وضع کرنا نہیں ہے جیسا کہ اس یہودی مستشرق کا دعویٰ ہے.

جہاں تک اس کے اس دعویٰ کا تعلق ہے کہ محدثین کے نزدیک تنقید حدیث کا دائرہ نہایت تنگ ہے اور سند ہی تک محدود ہے. تو اس بات کو اس کے علاوہ دوسرے مستشرقین نے بھی اٹھایا ہے. مثال کے طور پر گاستون ویٹ ہے جس نے اپنی کتاب ادیان عالم کی عام تاریخ میں ''حدیث'' کے متعلق لکھے گئے اپنے مضمون میں کہا ہے: ''علمائے حدیث نے بڑی باریکی سے سنت کا مطالعہ کیا ہے، مگر ان کا مطالعہ وتحقیق سند، اسماء رجال اور لقاء وسماع تک ہی محدود ہے. پھر آگے کہتا ہے: راویانِ حدیث نے رسول اللہ ﷺ سے ہمارے لئے بالمشافہ حدیثیں نقل کیں. اور حافظین حدیث نے ان کے جمع وتدوین کی ذمہ داری ادا کی. مگر ان لوگوں نے نقد متن کے سلسلے میں کچھ نہیں کیا. چنانچہ ہم اس بارے میں پورے یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہہ سکتے کہ رسول اللہ ﷺ کے حوالے سے جو حدیث ہم تک پہنچی ہے وہ بالکل اپنی اصلی حالت میں ہے اور اسے روایت کرتے ہوئے راویوں نے نیک نیتی ہی سے سہی اس میں کوئی اضافہ نہیں کیا ہے (۲).

---

(۱) ملاحظہ ہو: التنبیه علی الأسباب التی أوجبت الاختلاف بین المسلمین، لأبی محمد عبدالله بن السید البطلیوسی (المتوفی سنة ۵۲۱ھ)، ص ۱۱-۲۲.

(۲) ادیان عالم کی عام تاریخ (اسلام) ص: ۳۶۵.

اس یہودی سازش کے جواب میں میرا یہی کہنا ہے کہ کوئی بھی منصف باحث اور محقق جب ان مباحث کو بنظر غائر دیکھے گا جن سے مصطلح حدیث کے علماء نے بحث کیا ہے تو ان میں خاص نقد متن سے متعلق اس کو اچھا خاصا مواد ملے گا. اس کے علاوہ اس کو سند، رجال سند اور علوم حدیث کی تاریخی حیثیت اور تدریجی ارتقاء سے متعلق معلومات کا ایک عظیم ذخیرہ بھی ملے گا جس کی موجودگی ہی سے یہ علم ایک کامل فن کی صورت اختیار کر چکا ہے اور جس میں وہ تمام تنقیدی مباحث داخل کئے گئے ہیں جن کے بارے میں انسانی عقل صرف سوچ ہی سکتی ہے. بلکہ باحث اگر واقعی منصف وغیر جانبدار ہے تو وہ تھک ہار کر آخر میں اسی نتیجے تک پہنچے گا کہ ناقدین حدیث کے پیش نظر متن ہی تھی اور ان کے وہ تمام تنقیدی مباحث جو بظاہر سند سے متعلق ہوں یا ان چیزوں سے جن کا تعلق سند سے ہوتا ہے یا متن سے مگر واقع امر میں ان تمام مباحث کا دارومدار متن پر ہے اور رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب حدیثوں میں سے صحیح حدیث کو جاننا ہی محدثین کا مطمح نظر رہا ہے.

محدثین جب صحیح حدیث کی تعریف کرتے ہیں تو کہتے ہیں: ''صحیح حدیث وہ ہے جس کی سند متصل ہو، عادل وضابط راوی اپنی ہی طرح کے عادل وضابط راوی سے روایت کرتا ہو اور حدیث شذوذ وعلت سے محفوظ ہو''.

ان کا یہ قول ''شذوذ وعلت سے محفوظ ہو'' جس طرح نقد سند کی طرف اشارہ کرتا ہے اسی طرح نقد متن کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے، کیونکہ جس طرح سند میں شذوذ پائے جاتے ہیں اسی طرح متن میں بھی پائے جاتے ہیں. علت بھی سند و متن دونوں میں پائی جاتی ہے.

اور حسن لذاتہ اسے کہتے ہیں جو صحیح لغیرہ کے درجہ تک پہنچ جائے، اس میں فقط کثرت طرق واسانید کو نہیں دیکھا جاتا، بلکہ سب سے پہلے یہ دیکھا جاتا ہے کہ علت وشذوذ سے خالی ہے یا نہیں، اور ہم یہ جان ہی چکے ہیں کہ علت وشذوذ سند کی طرح متن میں بھی پائے جاتے ہیں.

چنانچہ علماء کرام ''حدیث حسن الاسناد'' یا ''صحیح الاسناد'' اور حدیث حسن'' یا ''حدیث حسن صحیح'' کی اصطلاحات کے مابین فرق کرتے ہیں. کیونکہ ہوسکتا ہے حدیث حسن الاسناد یا صحیح الاسناد تو ہو مگر متن حدیث حسن یا صحیح نہ ہو اور اس میں اس قسم کے علت وشذوذ پائے جاتے ہوں جن سے ماہرین فن ہی آگاہ ہوسکتے ہوں.

اسی طرح علماء کرام حدیث مقلوب کو دو قسموں میں تقسیم کرتے ہیں، ایک وہ جس کی سند مقلوب ہو، دوسری وہ جس کا متن مقلوب ہو، مضطرب، مدرج، مصحف اور زیادت ثقہ کا بھی یہی حال ہے. ان مباحث میں بھی علماء متن کو ہی زیادہ اہمیت دیتے ہیں. اضطراب اور ادراج سند و متن دونوں میں پائے جاتے ہیں، تصحیف کی کئی

صورتیں ہوتی ہیں اور سب کا تعلق متن ہی سے ہے. ناقدین حدیث نے اس کا بہت زیادہ اہتمام کیا ہے. اور اس سلسلے میں بہت سی کتابیں لکھی ہیں.

موضوع احادیث بھی اسی قبیل سے ہے. ان کی پہچان کے لئے جو قواعد متعین کئے گئے ہیں ان میں سے بیشتر قواعد متن کی حقیقت سے ہی بحث کرتے ہیں.

مثال کے طور پر وضع کی علامتوں میں سے ایک یہ ہے کہ عبارت میں لحن ہو یا معنی میں رکاکت پائی جاتی ہو یا اس کا مفہوم ضرورۃً یا استدلالاً عقل کے خلاف ہو اور تاویل کی گنجائش نہ ہو، یا حدیث کا مفہوم آیات قرآنیہ یا سنت متواترہ یا اجماع قطعی یا دلیل عقل کے خلاف ہو اور ایسی کسی تاویل کا متحمل بھی نہ ہو جس کے ذریعہ اس کے اور دلیل مخالف کے درمیان توافق کی صورت پیدا کرنا ممکن ہو.

یا روایت میں کسی ایسے اہم واقعے کی خبر دی گئی ہو جس کو لوگوں کے مجمع عام میں بیان کئے جانے کے اسباب موجود ہوں پھر بھی اس کو روایت کرنے والا صرف ایک ہو، یا روایت میں معمولی گناہ کے لئے سخت وعید ہو اور معمولی عمل پر اجر عظیم کی بشارت ہو (۱).

محدثین کا یہ بھی کہنا ہے کہ انقطاع سند کے باوجود مرسل صحابی مقبول ہے، اس لئے کہ جس متن کو صحابہ بیان کرتے ہیں اس کا موضوع و مخترع ہونا بعید از عقل ہے کیونکہ اجماع مسلمین کے مطابق تمام صحابہ عادل ہیں (۲).

ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ کسی حدیث پر علی الاطلاق صحت کا حکم نہیں لگایا جا سکتا، کیونکہ اس کے متن میں کسی علت کا پایا جانا بعید نہیں ہے (۳).

ان مثالوں سے یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ محدثین نے جس طرح سند کو اپنا موضوع بحث بنایا ہے اسی طرح متن بھی ان کی تنقید و تحقیق کا مرکز رہا ہے. نیز نقد سند کے لئے انہوں نے جو کسوٹی قائم کی تھی اسی طرح کی کسوٹی نقد متن کے لئے بھی تھی.

ان سب کے باوجود مستشرقین اس افتراء پردازی کو اپنے لئے کیسے جائز ٹھہرا لیتے ہیں کہ محدثین نقد متن کا اہتمام بالکل نہیں کرتے تھے. درحقیقت یہ کذب بیانی اور صریح مغالطہ ہے جس کا مقصد حدیث ورجال حدیث کو

---

(۱) ملاحظہ ہو: الباعث الحثیث: ص/ ۷۶-۸۷ اور المنار المنیف: ص/ ۱۹ و ما بعد کے صفحات، معرفۃ علوم الحدیث: ص/ ۶۲، تدریب الراوی: ص/ ۱۷۹-۱۸۰.

(۲) ملاحظہ ہو: التبصرۃ لابی اسحاق الشیرازی: ص/ ۳۲۹، اور فتح المغیث: ۱/ ۱۴۷.

(۳) ملاحظہ کریں: تدریب الراوی مع التقریب: ص/ ۹۱، ۹۲.

مطعون قرار دینا اور حدیث کے نصوص و متون کو مشکوک ٹھہرانا ہے.

۵-علماء مسلمین پر گولڈزیہر کا ایک الزام یہ بھی ہے کہ انہوں نے اموی حکمرانوں سے اختلافات کے زمانہ میں اپنے موقف کی تائید کے لئے حدیثیں بنائیں.

یہاں بھی اس نے حق کو بالکل فراموش کر دیا ہے. کیوں کہ جن علماء نے سنت نبویہ کی خدمت کی اور اس کی تنقیح و تحقیق کر کے کتابوں میں جمع کیا. ان کے اور اموی حکمرانوں کے مابین کسی طرح کی کوئی عداوت نہیں تھی. کیونکہ اموی حکمرانوں کے لئے یہ کسی طرح بھی سودمند نہیں تھا کہ وہ علماء کو اپنا مخالف بنالیں اور نہ ہی خدمت سنت میں مشغول علمائے کرام کو کبھی اس طرح کی صورت حال سے دوچار ہونا پڑا جو ان کے اور اموی حکمرانوں کے درمیان اختلاف کی وجہ بن سکتی تھی. اگر کبھی اس طرح کی صورت پیش آئی بھی جیسا کہ تاریخ کی کتابوں میں عبدالملک بن مروان کے خلاف سعید بن مسیّب کے سخت رویّے کا اور بنوامیہ کے مخالفین پر حجاج بن یوسف کی طرف سے کی جانے والی زیادتی کے خلاف بعض علماء کرام کی طرف سے اظہار ناراضگی کے واقعات ملتے ہیں تو جیسا کہ ظاہر ہے کہ یہ واقعات اتنی اہمیت کے حامل نہ تھے جن کی وجہ سے ان کو حدیثیں بنانے کی ضرورت محسوس ہوتی.

ہاں! امویوں اور معتقدین امامت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور ان کے اور خوارج کے درمیان عداوت پائی جاتی تھی. جس کے اسباب تاریخ کی کتابوں میں درج ہیں. لیکن کیا کوئی مستشرق یہ ثابت کر سکتا ہے کہ جن لوگوں نے احادیث نبویہ کو جمع کیا، اور کتابوں میں محفوظ کیا، اور صحیح و ضعیف کو علیحدہ علیحدہ بیان کیا ان کا خوارج اور علویوں سے ادنیٰ تعلق بھی رہا ہو؟

اس زمانے میں ایشیائی ملکوں کے تمام مشہور ائمہ و علماء دین کی زندگی، ان کے افکار و نظریات اور عقائد و اتجاہات تفصیل کے ساتھ اسماء رجال سے متعلق کتابوں میں درج ہیں، زہری، عطاء بن ابی رباح، مجاہد، عبید بن عمرو، عبداللہ بن ابی ملیکہ، حسن بصری، ابن سیرین، علقمہ، نخعی، خولانی، یزید بن ابی حبیب، لیث بن سعد اور ان کے علاوہ بصرہ، کوفہ، شام، مصر، یمن اور بغداد کے دوسرے بہت سے علماء کرام کے ذکر سے اسماء الرجال کی کون سی کتاب خالی ہے. لیکن کسی مستشرق میں اتنا دم خم ہے جو یہ ثابت کر سکے کہ یہ علماء امویوں سے دشمنی رکھتے تھے. اور ان کی جماعت جھوٹوں اور افتراء پردازوں کی ایک ٹولی تھی. اور ان کی زندگی کا مقصد ہی لوگوں کو دھوکہ دینا، جھوٹ بولنا، اور اسی جھوٹ و فریب پر اسلامی محل تعمیر کرنا اور امویوں کی مخالفت میں حدیثیں وضع کر کے اپنے نبی کی طرف منسوب کرنا تھا.

چلو کچھ دیر کے لئے ہم یہ مان لیتے ہیں کہ امویوں اور علماء کرام میں دشمنی پائی جاتی تھی، جیسا کہ اس یہودی

مستشرق کا دعویٰ ہے لیکن سوال یہ ہے کہ کیا اظہار عداوت کے لئے حدیثیں وضع کرنے کے سوا علماء کرام کے پاس کوئی دوسرا متبادل راستہ نہیں رہ گیا تھا؟

حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک سفید جھوٹ اور بے بنیاد الزام ہے، اور ایک ایسے شخص سے جس کے طعن وتشنیع اور وضع حدیث کے الزام سے وہ صحابۂ رسول بھی محفوظ نہیں رہ سکے جن کی عدالت پر پوری امت اسلامیہ متفق ہے. اس طرح کے الزامات واتہامات کا سننا ہمارے لئے کوئی تعجب کی بات نہیں ہے، صحابہ کے بارے میں اس کے خیالات اور ہماری طرف سے ان کا ردوانکار اوپر گزر ہی چکا ہے.

اس کی دیگر بے ہودہ باتوں کی طرح یہ بات بھی صحت سے بالکل عاری اور سراسر بکواس ہے. اس میں کوئی شک نہیں کہ ان سطور کو لکھتے وقت اس کو اپنی غلط بیانی کا پورا احساس رہا ہوگا مگر جب کسی کا دل مردہ ہو جاتا ہے اور انسان جب خود کو حقیر سمجھنے لگتا ہے تو وہ جھوٹ بولتے ہوئے شرم محسوس نہیں کرتا اور نہ ہی بہتان تراشی وافتراء پردازی سے اسے کوئی چیز روک پاتی ہے، کیوں کہ اس وقت وہ صرف اپنا مقصد حاصل کرنا چاہتا ہے خواہ اس تک پہنچنے کے لئے جس طرح کے بھی وسائل استعمال کرنا پڑے.

علوم اسلامیہ اور ائمہ اسلام کے بارے میں اس کو جس قدر معلومات حاصل ہیں، ان کی بنا پر وہ ان نفوس قدسیہ کا جنہیں ہم "محدثین" کے نام سے جانتے ہیں اپنی معمولات زندگی میں کذب وزور سے دور رہنے اور رسول اللہ ﷺ کی طرف جھوٹ منسوب کرنے جیسے جرم کے خلاف آواز بلند کرنے کے عمل سے غافل نہیں ہوگا. یقیناً وہ اس بات سے اچھی طرح باخبر ہوگا کہ احادیث رسول کو اکاذیب واباطیل سے چھانٹ کر الگ کرنے کے لئے محدثین کی طرف سے دنیا کے تمام ممکنہ وسائل استعمال میں لائے گئے تھے حتیٰ کہ بعض محدثین نے وضع حدیث کے مجرمین کے خلاف کفر، قتل اور ان کے توبہ کی عدم قبولیت کا فتویٰ بھی دیا تھا.

اگر یہ سب کچھ جاننے کے باوجود اس طرح کی بے تکی باتیں کرتا ہے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ اپنے قلب وضمیر سے معذور ہے کیوں کہ اس کا دل محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا منکر ہے. آخر اس کی امید کیسے کی جاسکتی ہے کہ ایک کٹر یہودی اپنی نظر سے احادیث نبویہ کی صورت میں اس عظیم علمی سرمایہ کو دیکھے جو قرآن کے ساتھ مل کر شریعت اسلامیہ کے لئے ایک دائمی محل تعمیر کرتا ہے اور اس کا دل مطمئن اور اس کا قلب پُرسکون رہے؟.

۶- اس کا ایک دعویٰ یہ ہے کہ مسلم حکمرانوں نے بھی اپنے سیاسی افکار ونظریات کی تائید کے لئے اور بزرگان دین کو خاموش کرنے کے لئے وضع حدیث کا ہتھکنڈہ استعمال کیا ہے.

اس کا یہ دعویٰ بھی محض دعویٰ ہی ہے جس کو ثابت کرنے کے لئے اس کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے. کیونکہ جب ہم دفاتر سنت کی طرف رجوع کرتے ہیں تو ہمیں ایک بھی ایسی حدیث نہیں ملتی جو عبد الملک یا یزید یا ولید بن عبد الملک یا ان کے علاوہ دیگر امراء بنی امیہ کے طریق سے مروی، بلکہ راویان حدیث دوسرے ہیں. اور میں بارہا ذکر کر چکا ہوں کہ ان راویوں کی زندگی سے متعلق تفصیلی معلومات اسماء الرجال کی کتابوں میں موجود ہیں اور یہ کہ محدثین کبھی کسی ایسے شخص کی روایت کو قبول نہیں فرماتے تھے جس میں کسی قسم کے تعصب کا ادنیٰ شائبہ بھی موجود ہو یا اس کی عدالت میں (ایسا) نقص پایا جاتا ہو جو موجب قدح ہو.

اس نے اپنی کتاب ''مطالعۂ اسلام''(۱) میں ایک مقام پر درج ذیل امور کے ذریعہ اپنے کھوکھلے دعویٰ میں جان ڈالنے کی لاحاصل کوشش کی ہے. اس کا کہنا ہے:

۱- اموی خلیفہ جمعہ کا خطبہ بیٹھ کر دیا کرتا تھا. اور اپنے اس فعل کی تائید میں رجاء بن حیوۃ کی وہ روایت پیش کرتا تھا جس میں آیا ہے کہ عثمان وعلی (رضی اللہ عنہما) بیٹھ کر خطبہ دیا کرتے تھے.

۲- امویوں نے نماز عید سے قبل ہی خطبہ دینا شروع کر دیا تھا.

۳- معاویہ بن ابی سفیان نے منبر کی سیڑھیوں میں اضافہ کر دیا تھا.

۴- معاویہ نے اپنے لئے ایک حویلی تعمیر کرایا تھا.

جہاں تک اس کے اس قول کا سوال ہے کہ اموی خلفاء جمعہ کا خطبہ بیٹھ کر دیا کرتے تھے تو اس بارے میں ہمارے علماء کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے. امام شوکانی کہتے ہیں: امام ابوحنیفہ سے منقول ہے کہ کھڑے ہو کر خطبہ دینا سنت ہے واجب نہیں(۲) میں کہتا ہوں: اگر ہم جمہور کے مذہب کو لیں تو قیام کو واجب کہیں گے. جہاں تک خلفاء بنی امیہ کا بیٹھ کر خطبہ دینے کا سوال ہے تو اس بارے میں تفصیل یہ ہے.

شعبی سے روایت ہے کہ جب معاویہ کے بطن وبدن میں چربی بہت زیادہ بڑھ گئی تو انہوں نے بیٹھ کر خطبہ دیا(۳)، ابوالملیح میمون سے روایت کرتے ہیں کہ سب سے پہلے معاویہ منبر پر بیٹھے اور لوگوں کی اجازت کے بعد بیٹھے(۴)، گویا ان کا بیٹھ کر خطبہ دینا عذر کی وجہ سے تھا پھر انہوں نے مسلمانوں کی طرف سے اجازت ملنے کے بعد

(۱) مطالعہ اسلام (انگریزی): ۵۱/۲.

(۲) نیل الأوطار: ۳۰۴/۳.

(۳) مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الصلوات، باب من کان یخطب قائمًا: ۱۱۳/۲، البدایۃ والنہایۃ: ۱۵۰/۸.

(۴) البدایۃ والنہایۃ: ۱۵۰/۸.

بیٹھ کر خطبہ دیا، اپنے اس فعل کی تائید کے لئے انہوں نے یا ان کے ساتھیوں نے کوئی حدیث وضع نہیں کی اور نہ ہی اس نوع کی حدیث سے استدلال کیا.

نیز سنت نبویہ کے دفاع کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے بعض بندوں کو تیار کیا جنہوں نے بیٹھ کر خطبہ دینے کی پرزور تردید کی. امام مسلم، نسائی اور ابن ابی شیبہ نے کعب بن عجرہ سے روایت کیا ہے کہ ایک دن وہ مسجد میں داخل ہوئے اور عبدالرحمٰن بن ام الحکم بیٹھ کر خطبہ دے رہے تھے، یہ دیکھ کر انہوں نے لوگوں سے کہا: اس خبیث کو دیکھو بیٹھے ہوئے خطبہ دے رہا ہے. جب کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انْفَضُّوا إِلَيْهَا وَتَرَكُوكَ قَائِمًا﴾ (اور اے میرے نبی! لوگ جب کوئی تجارت یا تماشا دیکھ لیتے ہیں تو اس کی طرف دوڑ پڑتے ہیں اور آپ کو (منبر پر) کھڑا چھوڑ دیتے ہیں)(۱).

امام مسلم نے جابر بن سمرہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کھڑے ہو کر خطبہ دیتے، پھر بیٹھ جاتے، پھر کھڑے ہوتے اور خطبہ دیتے. جو رسول اللہ ﷺ کے بارے میں یہ کہے کہ وہ بیٹھ کر خطبہ دیا کرتے تھے وہ اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہے. اللہ کی قسم میں نے آپ کے ساتھ دو ہزار سے زیادہ نمازیں ادا کی ہے(۲).

جب میں نے گولڈ زیہر کی کتاب کے انگریزی نسخے (Islamic Studies) کی طرف رجوع کیا تو پتہ چلا کہ اس نے اپنی اس کتاب میں رجاء بن حیوہ کے حوالے سے یہ روایت کہیں بھی ذکر نہیں کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور خلفاء راشدین بیٹھ کر خطبہ دیا کرتے تھے. اس سلسلے میں شیخ مصطفیٰ سباعی نے ڈاکٹر علی حسن عبدالقادر کے درس کے حوالے سے ان کی املاء کرائی ہوئی جو روایت نقل کیا ہے وہ اس مستشرق کی کتاب میں موجود قول سے مختلف ہے(۳).

اس کی کتاب میں صرف اتنا ہے کہ رجاء نے تاکیداً یہ بات کہی تھی کہ عثمان رضی اللہ عنہ دوسرا خطبہ بیٹھ کر دیا کرتے تھے. نیز اس نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ اس جماعت (بنو امیہ کی حامی جماعت) کا کہنا ہے: علی بیٹھ کر خطبہ دیا کرتے تھے.

حاشیہ نمبر ۵ کے تحت کلام مذکور پر تبصرہ کرتے ہوئے اس نے ابو المحاسن کی کتاب جلد اول، ص/ ۲۴۹ کے حوالے سے لکھا ہے کہ رجاء بن حیوہ نے حدیث وضع نہیں کیا بلکہ انہوں نے ہی اس امر کی وضاحت کی کہ لوگوں نے امویوں کے فعل کی تائید میں اس حدیث کو گڑھا ہے(۴).

---

(۱) مسلم: کتاب الجمعۃ، حدیث/ ۳۹، نسائی: الجمعۃ: ۳/ ۱۰۲، المصنف، الصلوات: ۲/ ۱۱۳.

(۲) مسلم: کتاب الجمعۃ، حدیث/ ۳۵.

(۳) مستشرق مذکور نے اپنی کتاب (Islamic Studies): ۲/ ۵۱ میں جو لکھا ہے اور شیخ سباعی نے علی حسن کے حوالے سے اپنی کتاب ص/ ۱۹۳ میں جو نقل کیا ہے اس کے درمیان آپ مقارنہ کر لیں.

(۴) ملاحظہ ہو: تعلیق، نمبر: ۵/ ۲/ ۵۱.

یا تو ڈاکٹر علی حسن نے اپنی طرف سے یہ بات کہی ہے تا کہ بزعم خود دلیل کو بڑھا چڑھا کر پیش کر سکیں یا پھر ان سے ترجمہ کرنے میں غلطی ہوئی ہے. خواہ وجہ جو بھی ہو مگر گولڈزیہر کی کتاب میں رجاء بن حیوہ کی یہ روایت موجود نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور خلفاء بیٹھے ہوئے خطبہ دیتے تھے.

اس میں جو روایت ملتی ہے وہ یہ ہے کہ رجاء بن حیوۃ نے زور دے کر کہا کہ عثمان دوسرا خطبہ بیٹھ کر دیتے تھے، لیکن عدالت اور علمی امانت کے اعلیٰ مقام پر فائز رجاء بن حیوۃ کی طرف اس کی نسبت کرنا کسی بھی طرح صحیح نہیں ہے (۱).

آخر یہ کیسے باور کر لیا جائے کہ انہوں نے اس طرح کی روایت وضع کی ہے، حالانکہ وہ اس بات سے خوب واقف تھے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ ہی سے لوگ خطیب کو کھڑے ہو کر خطبہ دیتے دیکھتے آئے ہیں. پھر انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ صحیح حدیثیں اس کی مخالفت کرتی ہیں. تو کیا وہ (اللہ نخواستہ) غفلت وحماقت میں اس حد تک جا چکے تھے کہ انہوں نے نقد وجرح کے لئے خود کو ناقدین حدیث کے سامنے پیش کر کے علمی حلقوں میں اپنی اہمیت گنوا دیں؟

جہاں تک اس کا یہ کہنا ہے کہ امویوں نے خطبہ کو نماز عید سے پہلے کر دیا تھا تو اس سلسلے میں ابن ابی شیبہ کی ایک روایت ہے کہ سب سے پہلے عمر نے نماز عید سے قبل خطبہ دیا تھا. اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے زمانہ میں لوگوں کی کثرت تھی جب آپ خطبہ کے لئے کھڑے ہوتے تو کچھ گنوار لوگ اٹھ کر جانے لگتے. یہ دیکھ کر آپ پہلے خطبہ دینے لگے (۲).

حافظ ابن حجر فتح الباری میں کہتے ہیں: ابن منذر نے صحیح سند کے ذریعہ حسن بصری سے روایت کیا کہ انہوں نے کہا: ''نماز سے قبل خطبہ دینے والے سب سے پہلے شخص عثمان ہیں. اس کا جواب دیتے ہوئے ابن حجر کہتے ہیں: ہوسکتا ہے عثمان نے کبھی کبھار ایسا کیا ہو' اس کے بعد عمر سے متعلق روایت کو بیان کرنے کے بعد اسے عبدالرزاق وابن ابی شیبہ کی طرف منسوب کیا ہے اور اس کی سند کو صحیح قرار دیتے ہوئے اس کا جواب یہی دیا ہے کہ یہ فعل آپ سے شاذ ونادر واقع ہوا ہے (۳). ابن ابی شیبہ کی ایک روایت یہ بھی ہے کہ عبداللہ بن زبیر نے قبل از نمازِ عید خطبہ دیا تھا (۴).

پتہ چلا کہ قبل از نمازِ عید خطبہ دینا عمر، عثمان اور ابن زبیر رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے. اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی مسلمان تاویل کر کے اس طرح کا کوئی عمل اختیار کرتا ہے تو وہ مخطی تو ہوسکتا ہے، لیکن اسے خارج دین یا دین

---

(۱) تہذیب التہذیب: ۳/ ۲۶۵ اور تذکرۃ الحفاظ: ۱/ ۱۱۸.

(۲) المصنف لابن ابی شیبہ: ۲/ ۱۷۱.

(۳) ملاحظہ ہو: فتح الباری: ۲/ ۴۹.

(۴) المصنف: ۲/ ۱۷۰.

میں تحریف کرنے والانہیں کہاجاسکتا مروان نے تو اس سلسلے میں یہ عذر بھی بیان کر دیا تھا کہ اس نے بصورت مجبوری یہ قدم اٹھایا ہے، کیونکہ نماز ختم ہوتے ہی خطبہ سنے بغیر لوگ جانے لگتے تھے. اور اس نے اپنے اس طرز عمل کی تائید کے لئے کسی صحیح یا موضوع حدیث کا سہارا نہیں لیا.

منبر کی سیڑھیوں میں اضافہ اور حویلی کی تعمیر کو معاویہ بن ابی سفیان کی طرف سے حدیث وضع کئے جانے کی دلیل بنانا اس مستشرق کا ایسا جھوٹا دعویٰ ہے، جس کا مقصد اپنے دلائل کی تعداد کو بڑھانا ہے. اس لئے کہ کہیں بھی اور کسی بھی کتاب میں یہ چیز دیکھنے کو نہیں ملتی کہ معاویہ نے اپنے ان اعمال کے لئے کسی حدیث کا سہارا لیا ہے. بلکہ حالات وظروف نے ان کو ایسا کرنے پر آمادہ کیا تھا.

جس طرح رسول اللہ ﷺ ابتدا میں کھجور کے تنا سے خطبہ دیا کرتے تھے لیکن مسجد میں لوگوں کی کثرت کو دیکھتے ہوئے تین سیڑھیوں والا منبر استعمال کرنے لگے. اسی طرح معاویہ نے بھی جب درجات منبر میں اضافے کی ضرورت محسوس کی تو اسے چار درجات والا منبر بنادیا.

مقصورہ (کوٹھی) کی تعمیر کے بارے میں ابن خلدون نے لکھا ہے کہ جب معاویہ، علی بن ابی طالب اور عمرو بن عاص کے خلاف خوارج کی ریشہ دوانیاں حد سے تجاوز کر گئیں تو معاویہ نے اس مقصورہ کی تعمیر کرائی تھی (۱).

۷- گولڈزیہر کا ایک الزام یہ بھی ہے کہ معاویہ بن ابی سفیان نے مغیرہ بن شعبہ کو علی اور ان کے حامیوں کی مؤید احادیث کو دبانے اور حکومت کے افکار ونظریات کی تائید کرنے والی حدیثیں بنانے کا حکم دیا تھا. اور اس کے لئے اس نے تاریخ طبری کا حوالہ دیا ہے، لیکن جب میں نے اس کتاب کی طرف رجوع کیا تو مجھے اس میں یہ عبارت ملی:

"علی اور اس کی ذریت کو گالیاں دینے سے باز نہ آؤ، عثمان کے لئے رحمت ومغفرت کی دعا کرو، علی اور اس کے ساتھیوں کی عیب جوئی کرو، ان کے ساتھ سختی سے پیش آؤ اور ان کی کوئی بات نہ سنو، عثمان اور ان کے حامیوں کی تعریف کرو اور ان کی باتوں کو بغور سنو" (۲).

اگر معاویہ کی طرف اس قول کی نسبت کو صحیح مانیں تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ معاویہ وعلی کے درمیان سیاسی اختلاف پایا جاتا تھا اور یہ کہ معاویہ نے مغیرہ کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ ان کے حامیوں کو قریب رکھیں اور ان کے ساتھ محبت سے پیش آئیں. اور حامیان علی واہل بیت کو اپنے سے دور رکھیں اور ان کی باتوں کو نہ سنیں، لیکن اس سے یہ ہرگز معلوم

(۱) مقدمہ ابن خلدون: ص ۲۹۹.

(۲) تاریخ الطبری: ۱۴۱/۶.

نہیں ہوتا ہے کہ معاویہ نے حدیثیں بنا کر ان کو نشر کرنے کا حکم دیا تھا.

اس مستشرق نے طبری کی عبارت کو نقل کرتے ہوئے بین القوسین اس عبارت کا اضافہ کر کے (أن لا تسمع لهم: أي لما يقولونه وينشرونه كالأحاديث) یعنی ''جس کو وہ حدیث کی صورت میں کہتے یا پھیلاتے ہیں اسے تم نہ سنو''.اس اضافہ کے ذریعہ اس نے اپنے مذموم مقصد کو حاصل کرنا چاہا ہے.

اس نے اس کلام کے ابتدا میں کہا ہے: حدیثیں بنا کر رواج دینے اور ان کے ذریعہ مخالفین کو شکشت دینے کے سلسلے میں سرکاری ہاتھ پہلے ہی سے سرگرم تھا.اسی وجہ سے معاویہ نے مغیرہ بن شعبہ کو حکم دیا تھا......الخ لیکن طبری کی عبارت میں اس مستشرق کے مذکورہ دعوی کی طرف ہلکا سا اشارہ بھی نہیں پایا جاتا ہے اور یہ اس کے جھوٹا ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہے.اور اس بات کی بھی کہ وہ صرف اپنے مقصد تک پہنچنا چاہتا ہے.خواہ اس کے لئے کذب وافتراء کا سہارا لینا پڑے یا بڑی سے بڑی علمی خیانت کرنا پڑے.

۸-اس کا ایک الزام یہ بھی ہے کہ عبدالملک نے لوگوں کو قبہ صخرہ کے طواف کا حکم دیا تھا(۱).

اس فکر کو اس نے ایک شیعی مورخ یعقوبی (ت ۲۹۲ھ) سے مستعار لیا ہے، کیونکہ اس سے قبل یعقوبی نے لکھا ہے: ''عبدالملک نے اہل شام کو حج سے روک دیا،اس لئے کہ ابن زبیر مکہ میں بیعت کے لئے ان پر دباؤ ڈالتے تھے،لیکن لوگوں نے اس کے خلاف ہنگامہ کھڑا کر دیا اور کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر حج کو فرض قرار دیا ہے اور تم ہمیں اس سے منع کرتے ہو.عبدالملک نے لوگوں سے کہا: زہری آپ کے درمیان موجود ہیں وہ آپ لوگوں کو بتائیں گے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:'' دنیا کی تین ہی مسجدوں کے لئے رخت سفر باندھا جاسکتا ہے.مسجد حرام،میری مسجد اور بیت المقدس کی مسجد''،اب بیت المقدس آپ لوگوں کے لئے مسجد حرام کا قائم مقام ہے اور یہ صخرۃ جس کے بارے میں مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے آسمان پر چڑھتے ہوئے اس پر اپنا پائے مبارک رکھا تھا یہ آپ کے لئے کعبہ کا مقام رکھتا ہے.اس کے بعد عبدالملک نے صخرۃ پر قبہ تعمیر کرایا.اس پر ریشم کے پردے لگوائے. اس کی دیکھ ریکھ کے لئے عمال متعین کئے اور طواف کعبہ کی طرح اس کے طواف پر لوگوں کو مجبور کیا.اور یہ سلسلہ پورے عہد بنی امیہ میں جاری رہا''(۲).

اس الزام کے جواب میں ہم کہیں گے کہ یعقوبی ایک بڑا شیعی مؤرخ ہے(۳).اور امویوں وشیعوں

(۱) ملاحظہ ہو: مستشرق مذکور کی انگریزی کتاب (Islamic Studies) کا صفحہ: ۴۴.

(۲) تاریخ یعقوبی: ۳/۷-۸.

(۳) ملاحظہ ہو: معجم المؤلفین: ۱/۱۶۱.

کے درمیان جو سیاسی رسہ کشی تھی اس سے کون واقف نہیں ہے. شیعوں نے علی کے فضائل ومناقب میں حدیثیں وضع کیں اور امویوں اور ان کے مؤیدین کے معائب ومثالب تلاش کئے بلکہ اپنی طرف سے پیدا کئے. لہذا یہ بعید نہیں ہے کہ یعقوبی کی یہ روایت ان شیعی روایات میں سے ایک ہو جنہیں امویوں کو بدنام کرنے کے لئے بنایا گیا تھا. خاص کر اس صورت میں جب کہ دوسرے مورخین نے یہ کہیں ذکر نہیں کیا ہے کہ عبدالملک نے لوگوں کو قبہ صخرہ کے طواف کا حکم دیا تھا. بلکہ قبہ صخرہ کی تعمیر کرانے والے شخص کے بارے میں ہی تاریخ کی کتابوں کے اندر خاصا اختلاف پایا جاتا ہے. ابن اثیر اور ابن کثیر کے قول کے مطابق اس کو ولید بن عبدالملک نے تعمیر کروایا ہے. اس طرح یہ قصہ سرے سے موضوع ہی معلوم ہوتا ہے''(۱).

شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا قول اشارہ کرتا ہے کہ عبدالملک ہی نے قبہ صخرہ کی تعمیر کرایا تھا. وہ لوگوں کو عبداللہ بن زبیر سے دور رکھنا چاہتے تھے. اس لئے انہوں نے صخرہ پر قبہ تعمیر کروایا تاکہ لوگ بیت المقدس کی زیارت میں دلچسپی لینے لگیں اور عبداللہ بن زبیر کے ساتھ اجتماع کا انہیں موقع نہ ملے. پھر آگے کہتے ہیں: اس کے باوجود صحابہ وتابعین وائمہ دین اس صخرہ کی تعظیم کے قائل نہیں تھے بلکہ اس کو قبلۂ منسوخہ سمجھتے تھے (۲).

درحقیقت اس کا یہ بیان ائمہ تاریخ کے بیان سے مختلف ہے. اگر بالفرض اسے تسلیم بھی کر لیں تو بھی اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حج وطواف کی غرض سے اس کی تعمیر کرائی گئی تھی بلکہ اس سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں میں بیت المقدس کی زیارت کا شوق پیدا کرنے کے لئے ایسا کیا گیا تھا. اور یہ بالکل بعید از عقل ہے کہ عبدالملک نے اسے کعبہ مشرفہ کے بدل کے طور پر حج وطواف کے لئے تعمیر کروایا تھا. کیونکہ یہ بالکل صریح کفر ہے جو عبدالملک جیسے آدمی سے صادر نہیں ہوسکتا، اس نے تو ۷۴ھ میں عبداللہ بن زبیر پر غلبہ پالینے کے بعد کعبہ کو اسی طرز پر دوبارہ تعمیر کرنے کا فرمان جاری کیا تھا جس طرز پر رسول اللہ ﷺ کے عہد میں تھا. اگر ایسا ہی ہوتا تو کبار تابعین اور وہ علماء جو اللہ کے لئے کسی ملامت کی پرواہ نہیں کرتے تھے اس کفر کو سن کر کیسے خاموش رہ جاتے؟ اور پھر عبدالملک اور دیگر اموی حکمرانوں کے خلاف ان کے مخالفین نے جو الزامات لگائے ہیں ان میں اس کا ذکر کیوں نہیں کیا ہے؟

۹- اس کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ عبدالملک نے زہری کو حدیثیں بنانے کی ذمہ داری دے رکھی تھی اور ان کی وضع کردہ حدیثوں میں سے ایک «لاتشد الرحال» والی حدیث بھی ہے.

---

(۱) ملاحظہ ہو: الکامل لابن اثیر: ۴/ ۱۳۷ اور البدایۃ والنہایۃ: ۹/ ۱۶۵.

(۲) ملاحظہ ہو: مجموع فتاویٰ: ۲/ ۱۲.

اس الزام کا جواب ایک مستشرق پروفیسر ہورواتش (۱) نے مجلۃ الثقافۃ الاسلامیہ جلد ۲، ص ۷ر ۳-۸ ۳ میں چھپے اپنے ایک مقالہ میں دیا ہے اس نے عبدالملک، زہری اور حدیث «لَاتشد الرحال» کے متعلق گولڈزیہر کی رائے کو اپنی تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ اس نے لکھا ہے: ''امام زہری کی شخصیت وضع وافتراء سے کہیں زیادہ اعلیٰ وارفع ہے، اور حقیقت تو یہ ہے کہ وہ ہمیشہ عبدالملک کو آڑے ہاتھوں لیتے تھے اور اکثر دونوں ایک دوسرے کے خلاف ضرورت سے زیادہ سخت الفاظ استعمال کرتے تھے۔ جہاں تک «لَاتشد الرحال» والی حدیث کا تعلق ہے تو یہ زہری کی پیداوار نہیں ہے بلکہ فی الواقع وہ اس کو اس لئے روایت کرتے تھے کیوں کہ انہیں اس کے رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہونے پر پورا ایمان وایقان تھا (۲)۔

اس کلام کو ذکر کرنے کا مطلب یہ تھا کہ ایک مستشرق کے کلام کو اس کے ہم مشرب دوسرے مستشرق کے کلام سے رد کیا جائے۔ ورنہ ہم مسلمان ہیں اس حدیث کی صحت پر ہمارا ایمان ہے اور اس یہودی مستشرق کے پیدا ہونے کے قبل ہی سے ہمیں امام زہری کی پاکدامنی کا پورا یقین ہے۔ کیوں کہ یہ حدیث کئی سندوں سے مروی ہے، اور کئی اجلاء صحابہ نے اسے روایت کیا ہے۔ اس کے رواۃ میں زہری کے علاوہ ثقہ راویوں کی ایک کثیر تعداد ہے۔ اس کو روایت کرنے والے اجلاء صحابہ کے نام یہ ہیں:

۱- **ابوسعید خدری:** ان سے قزعہ، ابوالوداک، شہر بن حوشب، عکرمہ مولیٰ زیاد اور عطیہ نے روایت کیا ہے (۳)۔

۲- **ابوبصرۃ الغفاری:** ان سے عمر بن عبدالرحمان اور مرثد بن عبیداللہ نے روایت کیا ہے (۴)۔

۳- **ابوہریرہ:** ان سے ابوسلمہ، سلمان الاغر اور سعید نے، ان سے زہری نے روایت کیا ہے (۵)۔

۴- **ابن عمران:** سے نافع روایت کرتے ہیں (۶)۔

۵- **علی:** اور ان سے جحیہ بن علی نے روایت کیا ہے (۷)۔

(۱) اسماء رجال سے دلچسپی رکھتا تھا۔ اسی کی نگرانی میں طبقات ابن سعد چھپی تھی۔ یورپی حلقوں میں اس کی شخصیت جانی پہچانی ہے۔

(۲) تاریخ تدوین حدیث، ص: ۱۰۲-۱۰۳۔

(۳) مسند احمد: ۳ر ۷، ۳۴، ۴۵، ۵۱، ۵۳، ۶۴، ۷۱، ۷۷، ۹۴، بخاری: الصوم، ۶۷، مسلم: کتاب الحج، ۱۵، ۴۱۵، اور مجمع الزوائد: ۴ر ۴۔

(۴) مسند احمد: ۶ر ۷، اور ۳ر ۳۹۷، اور مسند طیالسی: ص ر ۳۴۸۔

(۵) مسند احمد: ۶ر ۷، اور ۲ر ۵۰۱، ۲۳۴، ۲۳۸، ۲۷۸، بخاری، فضل الصلاۃ ر ۱، مسلم: کتاب الحج: ۵۱۱، ۵۱۳، نسائی: مساجد، ۱۰، داری: الصلاۃ، ۱۳۲۔

(۶) مجمع الزوائد: ۴ر ۴۔

(۷) المعجم الصغیر: ص ر ۹۷، ۹۸۔

۹-عبداللہ بن عمرو: اوران سے روایت کرنے والے قزعہ ہیں [۱].

ہم نے مشاہدہ کیا کہ زہری ان راویوں میں سے ایک ہیں جنہوں نے صحابہ سے اس کو روایت کیا ہے اور وہ تنہا اس کے روایت کرنے والے نہیں ہیں. اسی لئے شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں: ''یہ حدیث مستفیض ومشہور ہے. امت سے سند قبول حاصل کر چکی ہے. اہل علم اس کی صحت پر اور اس کی تصدیق وقبولیت پر متفق ہیں'' [۲].

۱۰- جہاں تک اس کے اس دعوے کا تعلق ہے کہ زہری امویوں کی خواہش کے مطابق حدیثیں وضع کیا کرتے تھے. تو یہ ایک سفید جھوٹ اور گھناؤنا الزام ہے. جو شخص امام زہری کی سیرت اور حق کے اظہار میں ان جرأت اور اموی حکمرانوں کی خواہشات کے سامنے نہ جھکنے کے بارے میں جانتا ہے وہ اس طرح کے الزامات کا مطلب خوب سمجھتا ہوگا.

اور قبل اس کے کہ ہم اس افترا پردازی کے سلسلے میں اس کے دلائل کا پوسٹ مارٹم کریں ہم چاہتے ہیں کہ امام زہری کی جلالت وعظمت اور باطل کے سامنے سینہ سپر ہونے کے متعلق ناقدین حدیث کے بیانات سے کچھ اقتباسات پیش کریں تا کہ لوگوں پر یہ حقیقت عیاں ہو جائے کہ زہری ان لوگوں میں سے نہیں تھے جو امراء کی چاپلوسی اور ضمیر فروشی کے ذریعہ حق کا قتل عام کرتے ہیں، بلکہ وہ ان نادر روزگار لوگوں میں سے تھے جنہوں نے اسلام کے لئے بالعموم اور سنت رسول ﷺ کے لئے بالخصوص جان ومال کی قربانیاں دی ہیں.

وہ ابو بکر محمد بن مسلم بن عبید بن شہاب بن عبداللہ بن حارث بن زہرہ القرشی الزہری المدنی ہیں، ۵۶ھ میں پیدا ہوئے، بالکل نوجوانی ہی میں آپ کے سر سے والد محترم کا سایہ اٹھ گیا. آپ نے صرف اسی دنوں میں قرآن کریم حفظ کیا. عہد صحابہ کے آخری ایام میں طلب حدیث کیا اور سہل بن سعد، انس بن مالک، سنین ابو جمیلہ اور ابو الطفیل سے سماعت کیا. اور سب سے زیادہ سعید بن مسیب کی صحبت میں رہے. لگا تار آٹھ سال تک ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا. ان کا قول ہے: آٹھ سال تک سعید بن مسیب کے گھٹنے سے میرا گھٹنا چپکا رہا.

ابن سفیان کہتے ہیں: ابن شہاب مدینہ کے سب سے بڑے عالم تھے.

عمر بن عبدالعزیز کا بیان ہے: میں نے زہری سے زیادہ بہتر انداز میں حدیث پڑھنے والا کسی کو نہیں دیکھا.

امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں: زہری حدیث میں سب سے زیادہ بہتر اور سند میں سب سے عمدہ

---

(۱) ابن ماجہ: الإقامۃ/۱۹۶.

(۲) ملاحظہ ہو: الفتاویٰ/۷/۲/۵،۶.

خیال کیے جاتے ہیں.

لیث بن سعد کہتے ہیں: ابن شہاب سے زیادہ جامع شخصیت و جامع عالم میں نے نہیں دیکھا.

ابراہیم بن سعد کہتے ہیں: میرے والد نے مجھ سے ایک مرتبہ کہا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد جس نے سب سے زیادہ علم کو جمع کیا وہ ابن شہاب ہے. اور وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اسانید کے التزام پر لوگوں کو ابھارا.

ولید بن مسلم کی روایت ہے کہ ایک دن زہری نے اہل شام کو مخاطب کر کے کہا تھا: تم لوگوں کی حدیثیں بے لگام و بے مہار کیوں ہوتی ہیں؟

آپ نے مروان کے عہد خلافت میں پہلی بار شام کا سفر کیا، پھر عبداللہ بن زبیر کے قتل کے بعد عبدالملک سے آپ کا رابطہ قائم ہوا. اور انہی کے عہد خلافت میں آپ نے عمر بن عبدالعزیز کی درخواست پر پہلے پہل سنت کو دفاتر میں جمع کرنے کا کارنامہ انجام دیا. آپ کچھ ایسی سنتوں کی روایت میں منفرد ہیں جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اگر آپ نہیں ہوتے تو وہ ضائع ہو جاتیں.

امام مسلم نے اپنی صحیح میں آپ کی کتاب "الایمان والنذور" سے تقریباً نوے ایسی حدیثیں جیّد اسانید کے ذریعہ روایت کی ہے جن میں آپ کا کوئی شریک نہیں ہے.

تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ زہری ان لوگوں میں سے نہیں تھے جو بادشاہوں کے سامنے سر تسلیم خم کر دیتے ہیں.

ابن عساکر تاریخ دمشق میں اور امام ذہبی سیر اعلام النبلاء اور تاریخ اسلام میں اوزاعی سے روایت کرتے ہیں کہ ابن شہاب نے کبھی بھی کسی حاکم کی چاپلوسی نہیں کی.

امام شافعی اپنے چچا کے حوالے سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ سلیمان بن یسار ہشام کے دربار میں حاضر ہوئے، ہشام نے ان سے دریافت کیا کہ ان لوگوں میں سے کس نے سازش تیار کی تھی؟ انہوں نے کہا کہ عبداللہ بن ابی بن سلول نے. ہشام نے کہا جھوٹ بولتے ہیں آپ، علی بن ابی طالب کا ہاتھ تھا. سلیمان نے کہا: امیر المومنین اس کو زیادہ جانتے ہیں کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں.

ان کے بعد ابن شہاب داخل ہوئے آپ سے بھی یہی سوال کیا گیا، آپ نے بھی عبداللہ بن ابی کا ہی نام لیا. ہشام نے آپ سے بھی یہی کہا کہ آپ جھوٹ بول رہے ہیں. اس کے پیچھے علی بن ابی طالب کا ہاتھ تھا. آپ نے ہشام سے کہا: میں جھوٹ بول رہا ہوں! میرے نزدیک تمہاری کوئی اہمیت نہیں. اللہ کی قسم اگر آسمان سے بھی یہ ندا آئے کہ اللہ تعالیٰ نے جھوٹ حلال کر دیا ہے. تو بھی میں جھوٹ نہیں بول سکتا. ہم سے عروہ بن زبیر، سعید بن مسیّب، عبیداللہ بن

عبداللہ اور علقمہ بن وقاص نے بیان کیا ہے اور ان لوگوں نے عائشہ کے حوالے سے روایت کیا ہے کہ منافقین میں سے جس نے یہ سازش گھڑی وہ عبداللہ بن ابی تھا. آج تک لوگ اس بارے میں دھوکہ کھاتے آئے ہیں. ہشام نے ان سے کہا: یہاں سے چلے جایئے. اللہ کی قسم آپ جیسوں کو ایک منٹ کے لئے بھی برداشت نہیں کیا جاسکتا.

آپ نے ملاحظہ کرلیا ہوگا کہ زہری حق بات کہنے سے چکنے والے نہیں تھے. اوران کی دیانت وامانت کے سامنے ہشام اوران کے تعلقات کچھ اہمیت نہیں رکھتے تھے [1].

اس مستشرق نے امویوں کی خواہشات کے سامنے زہری کے جھکنے کے اپنے دعوے کے ثبوت میں اس روایت کو ذکر کیا ہے کہ ابراہیم بن ولید بن عبدالملک نے زہری سے ایک ایسے صحیفہ کی روایت کے لئے اجازت مانگی تھی جس کو اس نے ان کے سامنے وضع کیا تھا اور آپ نے بلا پس وپیش اس کی اجازت بھی دے دی تھی. اور بعد میں یہ باور کرانے لگے کہ ابراہیم ان کے شاگردوں میں سے نہیں ہے. اور یہ کہ اس صحیفہ کو ان سے نہیں سنا ہے.

اس کا یہ دعویٰ واقعہ کے خلاف ہے. ابراہیم آپ کے شاگرد تھے، انہوں نے آپ کی مرویات کو سنا بھی تھا، ذہبی نے اس واقعہ کو معمر کے حوالے سے بیان کیا ہے کہتے ہیں: میں نے زہری کے پاس ابراہیم بن ولید نامی بنوامیہ کے ایک شخص کو دیکھا، آپ کے سامنے ایک کتاب پیش کرتے ہوئے اس نے کہا: میں اسے آپ کے حوالے سے بیان کروں گا. زہری نے کہا. ہاں ٹھیک ہے آپ لوگوں سے میرے علاوہ اس کو کون روایت کرسکتا ہے؟ [2].

آپ نے دیکھ لیا کہ لفظ «عرضه علیه» اور زہری کا یہ قول: «فمن یحدثکموه غیری» پوری وضاحت سے دلالت کرتا ہے کہ ابراہیم نے وہ احادیث زہری سے سنی ہوئی تھیں اور ابراہیم محدثین کے طریقے کے مطابق زہری سے ان کو روایت کرنے کی اجازت طلب کرنے آئے تھے اور آپ نے انہیں ایک نظر دیکھنے کے بعد روایت کی اجازت دے دی تھی. اور یہ بات ثابت ہے کہ زہری کے تمام شاگردان سے سنی ہوئی احادیث ان کے سامنے پیش کیا کرتے تھے اور وہ انہیں اچھی طرح دیکھ لینے کے بعد روایت کی اجازت دیتے تھے.

پھر مزے کی بات یہ ہے کہ مجھے ابراہیم کا ترجمہ نہ تو تہذیب الکمال میں ملا اور نہ ابن حبان کی ''کتاب الثقات'' میں اور نہ بخاری کی تاریخ کبیر اور ابن ابی حاتم کی جرح وتعدیل میں، حتی کہ حافظ مزی نے تہذیب الکمال میں امام

(۱) ملاحظہ ہو: تاریخ دمشق، قسم الزہری، تحقیق، شکر اللہ بن نعمۃ اللہ، اور تذکرۃ الحفاظ للذہبی: ۱/ ۱۰۸ - ۱۱۳، تہذیب الکمال مخطوطہ سے تصویر شدہ نسخہ، تیسری جلد، امام بخاری کی تاریخ کبیر: ۱/ ۲۲۰-۲۲۱، تاریخ ابن خلکان: ۴/ ۱۷۷، سیر اعلام النبلاء: ۵/ ۳۲۶-۳۵۰، البدایۃ والنہایۃ: ۹/ ۳۴۸، اور تاریخ الفسوی: ۱/ ۶۲۱-۶۳۷.

(۲) سیر أعلام النبلاء: ۵/ ۳۷۶.

زہری کے ان تلامذہ کا ذکر کرتے ہوئے جنہوں نے آپ سے حدیثیں روایت کی ہیں ابراہیم کا نام تک نہیں لیا ہے. اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص راویان حدیث میں سے نہیں ہے اور نہ ہی سنت کی معتبر کتابوں میں اس کی کوئی حدیث ہے.

وہ دوسری چیز جس کو بنیاد بنا کر اس مستشرق نے امویوں کے لئے حدیثیں گھڑھنے کا الزام زہری پر عائد کیا ہے امام زہری کا یہ قول ہے: «کنا نکره الکتاب حتی أکرهنا علیه الأمراء فرأینا أن لا نمنعه الناس» ''ہم کتابت حدیث کو اچھا نہیں سمجھتے تھے مگر جب امراء نے ہمیں اس کے لئے مجبور کیا تو دوسروں کو اس سے منع کرنا مناسب نہیں سمجھا''(۱).

امام زہری کا یہ قول متعدد کتب تاریخ میں پایا جاتا ہے. حافظ ابن عساکر مرزوق ابن ابی ہذیل سے روایت کرتے ہیں کہ زہری اپنے سامنے کسی کو لکھنے نہیں دیتے تھے. اس کے بعد کہتے ہیں: مگر ہشام بن عبدالملک کے مجبور کرنے پر آپ نے اس کے بیٹوں کو حدیثیں لکھوائی. جب وہاں سے نکلے تو مسجد میں داخل ہوئے اور اس کے ایک ستون کا سہارا لیکر بیٹھ گئے اور طالب علموں کو پکارا جب سب آپ کے گرد جمع ہو گئے تو آپ نے کہا: میں تم لوگوں کو ایک کام سے روکتا رہا ہوں جس کو ابھی ابھی امیر المومنین کے لئے کر آیا ہوں تم لوگ میرے قریب آؤ اور حدیثیں لکھو. اس کے بعد سے لوگ آپ کی مرویات لکھنے لگے (۲).

ابوالملیح کہتے ہیں: پہلے ہشام بن عبدالملک ہی نے حدیثیں لکھوانے کے لئے زہری کو مجبور کیا پھر اس کے بعد سب لوگ لکھنے لگے (۳).

ابراہیم بن منذر، ابن شہاب کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ ہم لوگ لکھنے کا نام تک نہیں لیتے تھے مگر امراء نے اس پر ہمیں مجبور کر دیا اس کے بعد سبھوں کو اس کی اجازت دے دیا.

معمر کہتے ہیں کہ میں نے زہری کو یہ کہتے سنا: ہم کتابت حدیث کو اس وقت تک ناپسند کرتے رہے جب تک کہ حکمرانوں نے اس پر ہمیں مجبور نہ کر دیا. اس کے بعد تو میں نے فیصلہ کر لیا کہ اب کسی مسلمان کو اس سے منع نہیں کروں گا (۴).

(۱) تقیید العلم: ص ر ۱۰۷ اور مصنف عبدالرزاق کچھ متقارب الفاظ کے ساتھ ۱۱ / ۲۵۸.

(۲) تاریخ مدینہ دمشق قسم الزہری: ص ر ۹۱.

(۳) البدایہ والنہایہ: ۹ / ۳۸۸.

(۴) تاریخ الفسوی: ۱ ر ۶۳۳ - ۶۳۷.

لیکن ان بیانات سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ امیروں نے حدیثیں وضع کرنے کے لئے علماء کرام کو مجبور کیا تھا. ہاں یہ بات ضرور ثابت ہوتی ہے کہ علماء کتابت حدیث کو اچھا نہیں سمجھتے تھے بلکہ اپنے حافظہ پر ہی اعتماد کیا کرتے تھے. اپنے شاگردوں کو حفظ کی تلقین کرتے اور اس میں رغبت دلاتے تھے. ان علماء میں سے ایک امام زہری بھی تھے، مگر جب ہشام بن عبدالملک نے اپنے بیٹوں کے لئے حدیثیں املاء کرانے کا ان سے مطالبہ کیا تو آپ نے انہیں املاء کرادیا لیکن اس کے بعد مسجد میں تشریف لائے اور ایک ستون کے پاس کھڑے ہوکر طالبان حدیث کو آواز دیا تاکہ انہیں بھی حدیثیں لکھوادیں جس سے وہ اب تک منع کرتے آرہے تھے. اس پورے واقعہ سے بس اتنی سی بات نکلتی ہے مگر ذہنی خباثت نے اس مستشرق کو یہ بھی سوچنے نہیں دیا کہ اس کا اپنے جھوٹے دعوے کے لئے اس واقعہ سے استدلال کرنا صحیح ہے بھی یا نہیں. اس نے یہ بھی نہیں سوچا کہ اگر زہری امویوں کی خواہش کے مطابق حدیثیں گڑھتے تو پھر لوگوں میں آکر اس کا اعلان کیوں کرتے اور حدیثیں لکھنے کے لئے کیوں بلاتے، اور پھر یہ سب کچھ جان لینے کے بعد بھی لوگ خاموش کیوں رہے جب کہ قوم میں ایسے لوگ بھی تھے جو میدان علم میں زہری کے مقابل سمجھے جاتے تھے؟ یا پھر وہ یہ کہنا چاہتا ہوگا کہ امویوں کے لئے حدیثیں وضع کرنے اور انہیں املاء کرانے کا کام اکیلے زہری ہی نے انجام نہیں دیا، بلکہ اس وقت کے تمام علماء وعوام زہری کے شریک کار تھے. سچ تو یہ ہے کہ اس کی اسلام دشمنی نے اس سے بصیرت چھین لی ہے، اب اس کو یہ شعور ہی نہیں کہ وہ کیا کہہ اور کیا کررہا ہے.

تیسری فصل

چودھویں صدی ہجری میں

نام نہاد مسلمانوں کی سنت سے عداوت

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو اپنے اوامر ونواہی کی تبلیغ اور اسی کی طرف سے نازل کردہ قواعد واصول کی بنیاد پر انفرادی واجتماعی زندگی کے لئے مکمل نظام ترتیب دینے کے لئے مبعوث فرمایا تھا اور اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ کی اطاعت کو فرض قرار دیا اور اس کو اپنی اطاعت سے تعبیر کیا. رسول اللہ ﷺ نے احکام خداوندی کی تبلیغ کے ساتھ ساتھ زندگی کے تمام شعبوں پر مشتمل ایک مکمل ضابطۂ حیات امت اسلامیہ کے لئے پیش کیا جس کے اندر مستقبل میں پیش آنے والے تمام مشاکل کا حل موجود تھا.

اس سے قبل ہم یہ جان چکے ہیں کہ رافضیوں، غالی شیعوں، معتزلہ، خوارج وملحدین غرضیکہ اسلام کے ان تمام دشمنوں نے ماضی میں بظاہر قرآن کریم کی بالادستی کو قبول تو کرلیا تھا، مگر ان کا دل آخیر تک کفر وضلالت میں ڈوبا رہا. اور وہ مختلف حیلوں اور وسیلوں کے ذریعہ اسلام اور اس کے اصولوں کو نیست ونابود کردینے میں لگے رہے.

یہی چیز اس دور میں بھی دیکھنے کو مل رہی ہے کہ کچھ لوگ سنت رسول کو ہدف طعن بنا کر اسلام اور اس کی شریعت کے خلاف ایک خطرناک جنگ چھیڑ رکھا ہے. یہ لوگ اپنے اسلاف کے مقصد کو حاصل کرنے کے لئے صرف قرآن کریم پر اکتفاو انحصار کرنے کی دعوت دیتے ہیں. گویا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو فقط اپنا کلام اور اپنی کتاب دے کر بھیج دیا ہے. اور ان پر اس کے بیان کی ذمہ داری عائد نہیں کی ہے. حالانکہ وہ اپنے اس موقف سے خود قرآن کریم کو جھٹلا رہے ہیں. کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ﴾ (اور آپ پر ہم نے قرآن نازل کیا ہے، تاکہ لوگوں کے لئے جو کچھ نازل کیا گیا ہے، اسے آپ ان کے لئے کھول کھول کر بیان کردیجئے).

اس جماعت کا اثر ورسوخ تقریباً تمام اسلامی ممالک تک پھیل چکا ہے. اس جماعت کے لوگ بھلے ہی علل واسباب اور اسالیب وعبارات میں مختلف ہوں مگر سنت نبویہ کے خلاف شبہات پھیلانے میں سب متفق ہیں. اس جماعت میں عام طور سے دو قسم کے لوگ پائے جاتے ہیں.

۱- ایک بہت بڑی تعداد ان لوگوں کی ہے جو اسلام سے مرتد اور رسول عربی کی رسالت کے منکر ہیں. یہ

ایمان کے زبانی دعویدار تو ہیں مگر اپنے دلوں میں کفر وضلالت کو بیٹھائے ہوئے ہیں. اگر ان کے لئے اعلان کفر آسان ہوتا تو جھٹ اپنے کفر کا اعلان کر دیتے بگر وہ معاشرتی حقوق ومراعات جن سے وہ مستفید ہو رہے ہیں. اور وہ عہدے جن پر وہ فائز ہیں ان کی راہ کے پتھر بنے ہوئے ہیں. وہ چاہتے ہوئے بھی اعلان کفر نہیں کر پاتے. انہیں یہ بھی معلوم ہے کہ معاشرۂ اسلامی جس کے بیشتر افراد خیر وہدایت پر قائم ودائم ہیں اپنے نبی سے بے انتہا محبت کرتے ہیں، ان کی سنت کو قرآن کے بعد شریعت اسلامی کے لئے دوسرا اصل تصور کرتے ہیں. اگر وہ ان کے بیچ اپنے کفر کا اعلان کرتے ہیں تو وہ اسے برداشت نہیں کریں گے، بلکہ انہیں پیس کر رکھ دیں گے اور ان کا قصہ تمام کر دیں گے. اسی خوف سے وہ لوگ اپنی اسلام دشمنی کو چھپاتے ہیں اور اسلام کے اصول ومبادی میں شکوک وشبہات پیدا کر کے اپنے مقصد کو حاصل کرنا چاہتے ہیں.

۲- دوسری قسم میں وہ لوگ ہیں جو اسلامی سرمایہ علم کے بارے میں کچھ نہیں جانتے اور نہ ہی انہیں اس کے شفاف چشموں اور سوتوں کے متعلق کچھ خبر ہے اور اس بے خبری کے ذمہ دار وہ خود ہیں یا وہ معاشرہ ہے جس میں وہ پرورش پائی ہے. پل بڑھ کر جوان تو ہو گئے مگر دل اسلامی تعلیمات سے محروم ہی رہا قرآن کے متعلق اس کے نام سے زیادہ کچھ نہیں جانتے. رسول عربی ﷺ کے متعلق جن کے بعد اب دوسرا کوئی نبی آنے والا نہیں ہے، صرف اتنا جان سکے کہ وہ عام دنیاوی رہنماؤں کی طرح قوم ووطن کی خدمت کرنے والے ایک رہنما تھے، حتی کہ انہیں اسلام کے ان اصول ومبادی کے بارے میں بھی کچھ پتہ نہیں ہے جن پر اسلام کی عظیم ترین عمارت قائم ہے اور جنہیں انفرادی واجتماعی زندگی میں نافذ کئے بغیر انسانیت سعادت کا تصور بھی نہیں کر سکتی.

شروع ہی سے انہیں خالص مغربی رنگ سے رنگنے کی کوشش کی گئی. یورپی افکار ونظریات کی پرستش کا درس دیا گیا، مغربی تہذیب وتمدن کے اصول کی تعظیم وتوقیر کی انہیں گولی دی گئی، اس طرح ان کے علمی نشأۃ کے درمیان ہی یہ بات ان کے دلوں میں بیٹھ گئی کہ اہل مغرب کے پیش کردہ افکار ونظریات، تہذیب وتمدن اور نظام زندگی کے لئے درآمد مغربی ماڈل عقلی ومنطقی ہونے کے ساتھ لائق اتباع واعتناء ہے. اب ان افکار ونظریات کے درمیان حق وباطل کی شناخت کرنے کے لئے اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ان کا تنقیدی جائزہ لینا جہالت وحماقت کے سوا کچھ نہیں ہے. بلکہ ترقی یافتہ قوموں کی صف میں شامل ہونے کے لئے انہی مغربی افکار کے ذریعہ اسلام وشریعت اسلامی کی تفسیر کی جانی چاہئے لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ سنتِ نبویہ کے رہتے ہوئے ان کے خواہشات کی تکمیل نہیں ہو سکتی اس لئے کہ وہی قرآن کی تشریح وتفسیر کرتی ہے اور وہی مسلمانوں کے لئے مکمل ضابطہ حیات پیش کرتی ہے اور وہی سیدھے

راستے کی طرف رہنمائی کرنے والی اور مسائل زندگی کی گتھیوں کو سلجھانے والی ہے، تو انہوں نے اس اصل کو منہدم کر دینے کا تہیہ کر لیا، اور یہ ٹھان لیا کہ جس طرح سے بھی ہو حجیت سنت کا انکار کیا جائے. تا کہ حسب خواہش قرآن کی تاویل کر کے اسلام کو مغربی افکار ونظریات کے مطابق اور ان کا تابع بنا دیا جائے.

۳- ایک جماعت ان لوگوں کی ہے جو اسلام کے مغربی دشمنوں (مستشرقین) کے نام نہاد علمی اسلوب سے دھوکا کھائے ہوئے ہیں، اس میں وہ لوگ بھی آتے ہیں جو سستی شہرت کے خواہش مند ہیں اور بزعم خویش تقلید کی بندش سے فکری آزادی حاصل کرنا چاہتے ہیں.

اور جس طرح وہ اسباب میں مختلف ہیں اسی طرح ملکوں اور ان کے داخلی حالات کے لحاظ سے انکار سنت کے ان کے اسالیب میں بھی تنوع پایا جاتا ہے. مثال کے طور پر عرب ممالک کے منکرین سنت یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم حجیت سنت کے قائل تو ہیں مگر ہمارا یہ بھی ماننا ہے کہ جس طرح وہ رسول اللہ ﷺ سے صادر ہوئی تھی اس صورت میں ہم تک نہیں پہنچی ہے، اور کبھی وہ صحابہ کی عدالت کو چیلنج کرتے ہیں، جو کہ سلسلہ سند کی پہلی کڑی ہیں تو کبھی اس قسم کے اعذار پیش کرتے ہیں جو ایک لحہ کے لئے بھی حقیقت کا سامنا نہیں کر سکتے اور کچھ لوگ قولی وفعلی میں فرق کر کے فعلی کو حجت مانتے ہیں اور قولی کا انکار کر دیتے ہیں.

جہاں تک غیر عرب ممالک کا سوال ہے تو جزیرہ نما ہند میں تقریبا ربع صدی یا اس سے کچھ زیادہ ہی مدت سے ایک گمراہ فرقہ دیکھنے میں آرہا ہے جو رسول اللہ ﷺ کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ وہ صرف مبلغ قرآن کی حیثیت سے آئے تھے اور نزول قرآن کے بعد ان کی ذمہ داری ختم ہو گئی.

یہ فرقہ علوم شرعیہ سے تہی داماں اور محروم ہے. اور اس نے مسلمانوں میں اس فتنے کو رواج دینے کے لئے ان امور کا سہارا لیا ہے:

أ- سنت کے خلاف مستشرقین کے پھیلائے ہوئے شبہات میں کچھ اضافہ کر کے انہیں اردو کے قالب میں ڈھالا اور امت کو یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ حجیت سنت کو تسلیم کر لینے کے بعد بھی یہ حقیقت اپنی جگہ قائم رہتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قرآن کے علاوہ کوئی ایسی چیز نہیں چھوڑی جس پر اعتماد کیا جا سکے.

ب- انکار سنت کے پس منظر میں مختلف گمراہ فرقوں کی طرف سے پھیلائے جانے والے اکاذیب واباطیل میں سے اپنے مطلب کے قصے کہانیوں کو چھانٹا. اس کے بعد کتب حدیث کی طرف متوجہ ہوئے یہاں بھی انہوں نے اپنے مطلب کی باتیں لے لیں اور ان تمام چیزوں کو چھوڑ دیا جن سے ابہام واشکال کا صفایا ہوتا تھا. اس طرح وہ بے

شمار علمی خیانتوں کے ارتکاب کے بعد مسلمانوں کو آواز دینا شروع کیا کہ وہ آگے آ کر اسلام کو ان خرافات سے بچائیں یعنی احادیث سے بچائیں.

ج- وہ لوگ اپنے اعلانیہ میں یہ بھی کہتے ہیں کہ تبلیغ قرآن کے ساتھ ہی رسول اللہ ﷺ کی تمام ذمہ داریاں ختم ہو جاتی ہیں.

د- قرآن کے علاوہ شریعت اسلامیہ کا کوئی دوسرا مصدر نہیں ہے.

ھ- فقہاء محدثین، مفسرین اور ائمہ مجتہدین کے خلاف شبہات پھیلا کر کہتے ہیں کہ فہم قرآن کے لئے ان لوگوں کی طرف رجوع کرنا کسی بھی طرح مناسب نہیں ہے.

و- ان لوگوں نے ایک خاص قسم کا قاموس ترتیب دیا ہے، جس میں کلمات کی ہیرا پھیری اور قرآنی اصطلاحات کے معانی میں خرد برد کر کے قرآنی آیات کی ایسی تفسیر کی ہے جو قرون ماضیہ میں کہیں نظر نہیں آتی. واقعہ کا دلچسپ پیرا گراف تو یہ ہے کہ اس خدمت کو انجام دینے والے لوگ وہ ہیں جن کے متعلق مشہور ہے کہ وہ بے حرکت قرآن کی ایک آدھ آیت بھی ڈھنگ سے نہیں پڑھ سکتے. پھر بھی ان کا دعوی ہے کہ عرب اپنی زبان کو بھول بیٹھے ہیں اس لئے فہم قرآن میں اگر وہ ہماری مخالفت کریں تو وہی قصوروار ہیں.

مسلم حلقوں میں یہ بات مشہور ہے کہ یہ لوگ امت اسلامیہ کے لئے ایک نئے ماڈل کا اسلام لانے کی کوشش میں ہیں جن کے اصول وضوابط یہ ہوں گے:

ا- کسی کو بھی ''شخصی ملکیت'' حاصل نہیں ہوگی. بلکہ تمام چیزوں میں مرکزی حکومت تصرف کرے گی. عوام کو کھلانے پلانے کی ذمہ داری بھی مرکزی حکومت کی ہوگی. اس اصل کو یہ لوگ ''نظام الٰہی'' کے نام سے تعبیر کرتے ہیں. ان کے دعوے کے مطابق نزول قرآن کا مقصد اسی نظام کو قائم کرنا تھا مگر امت اسلامیہ قرآن کے اس عظیم مقصد کو تیرہ سو سال میں بھی سمجھنے سے قاصر رہی. ان کے کہنے کے مطابق مارکس اور اس کا ہم مشرب انجلز ہی نے قرآن اور اس کی صحیح دعوت کو سمجھا تھا.

۲- تمام جماعتوں اور تنظیموں کو ختم کر دیا جائے اور کسی بھی جمعیت یا تنظیم کے قیام پر ہمیشہ کے لئے پابندی لگا دی جائے تا کہ وہ کبھی بھی مرکزی حکومت کی مزاحمت نہ کر سکیں اور تمام املاک کو لوگوں سے سلب کر لیا جائے.

۳- قرآن کریم میں جہاں کہیں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانے اور ہر چھوٹے بڑے معاملے میں ان کی اطاعت کرنے کو کہا گیا ہے ان سے مراد ''مرکز ملت'' ہے جس کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ جس طرح چاہے قرآن کی

تفسیر کرے اور کسی کو بھی اس کا اختیار نہیں کہ وہ مرکز کے نظام وقانون کو مخالف قرآن بتا کر اس کی مخالفت کرے۔

مستشرقین کی خوشہ چینی:

سنت اور اس کی حجیت کے خلاف ملحدین اور زنادقۂ عصر جن شبہات کو ہوا دیتے ہیں وہ دراصل قدیم اور موروثی شبہات ہیں جو انہیں ان کے اسلاف شیعہ، خوارج، معتزلہ اور ملحدین سے ترکہ میں ملے ہیں جنہوں نے صحابہ کرام کی عدالت کو طعن وتشنیع کا نشانہ بنایا، ائمہ کرام ومحدثین عظام کو حماقت وغباوت اور کذب وخیانت سے متہم کیا جبکہ وہ خوب جانتے تھے کہ اس سلسلے میں وہ بالکل جھوٹے ہیں مگر اس کے علاوہ ان کے لئے کوئی دوسرا راستہ بھی نہیں تھا۔

شیعہ حضرات جنہوں نے صحابہ کرام پر خیانت کا الزام عائد کیا اور اپنی زبانوں کو گندی اور بے ہودہ باتوں سے گندہ کیا. یہود وملحدین جو تشیع کے لبادہ میں اسلام پر حملہ آور ہوئے. خوارج جنہوں نے صحابہ کرام کو کافر ٹھہرایا معتزلہ جو اصل میں فاسقوں اور ملحدوں کی ٹولی تھی ان تمام لوگوں کو مل کر اس بنیاد کو مسمار کر ہی دینا چاہیئے تھا جو مسلم معاشرہ میں ایمانی واخلاقی فساد پیدا کرنے اور معاشرہ کو سبوتاژ کر کے لوگوں کو غیر اہم معاملات میں الجھائے رکھنے کی ان کی ناپاک کوششوں کے سامنے دیوار بن گئی تھی، چنانچہ ان کے لئے ضروری تھا کہ وہی کرتے اور کہتے جو انہوں نے کیا اور کہا۔

ان لوگوں کے بعد جب مستشرقین کا دور آیا اور انہوں نے مسلمانوں کو اپنا فکری غلام بنانے کے لئے میدان میں قدم رکھا تو شیعہ ومعتزلہ کی کتابوں میں بکھرے پڑے شبہات واوہام کے درمیان ان کو اپنے مقصد کی بہت سی باتیں نظر آئیں، چنانچہ انہوں نے ان شبہات کو نئی شکل دی اور ان کو اپنی دیدہ زیب عبارتوں اور دلکش وجاذب نظر ترتیب میں ڈھالا. جن کا ان نومولود ملحدین کی طرف سے جن کی جانب میں نے اشارہ کیا ہے بھرپور استقبال کیا گیا اور اس کار خیر کے لئے مستشرقین کی بڑی ستائش کی گئی پھر تو ان لوگوں نے اپنے اساتذہ کی جگہیں سنبھال لیں اور ان کے بیان کردہ شبہات میں یہ کبھی کچھ اضافہ کر دیتے تو کبھی کوئی چیز حذف کر دیتے اور کبھی طریقہ احتجاج کو بدل دیتے۔

ان کے بارے میں شیخ محمد غزالی نے اپنی کتاب ''ظلام من الغرب'' کے مقدمہ بڑی میں اچھی بات کہی ہے وہ لکھتے ہیں: ''ہمارے یہاں کچھ مصری مستشرقین ہیں جو ہمارے ملک میں پیدا ہوئے مگر ان کے دل ودماغ مغرب کے پروردہ ہیں. شروع ہی سے ان کا دل مغرب کا طرفدار رہا ہے. وہ ہمیشہ اہل مغرب کے نشان راہ کو دیکھ کر ہی چلتے ہیں. اگرچہ وہ ہمارے وطن کے ہیں اور ہماری زبان بولتے ہیں مگر وہ ہمارے وجود کے لئے سنگین خطرہ ہیں کیونکہ وہ اسلام اور عربیت کے منکر ہیں اور برضا ورغبت یا بربنائے مصلحت اس سرد جنگ میں استعمار کے معاون ومددگار ہیں جو اس بھیانک جنگ کے بعد ظاہر ہوئی جس نے ماضی میں ہماری عظیم امت اسلامیہ کا شیرازہ بکھیر دیا تھا۔

دراصل یہ لوگ غیر رسمی طور پر انگلینڈ، فرانس اور امریکہ کے لئے درپردہ سفیر کا کام انجام دیتے ہیں جن کی آپسی ملی بھگت نے اسرائیل کو جنم دیا اور اس کی بھرپور حمایت کی، ان میں اور سرکاری سفیروں میں فرق یہ ہے کہ رسمی سفیروں کے کچھ الگ طور طریقے ہوتے ہیں. وہ خاموشی سے اپنا کام کرتے ہیں. ان کے حرکات وسکنات پر ادب کی چھاپ نمایاں ہوتی ہے. مگر مستشرقین سفراء کی پہلی علامت یہ ہے کہ وہ مجلات اور مجالس میں چھائے ہوئے ہوتے ہیں اور ہر روز ایک نیا شوشہ چھوڑتے ہیں تاکہ اسلام کی عمارت سے ہر روز ایک اینٹ کھینچ سکیں اور دلوں سے اس کی عظمت وہیبت کو کم کرسکیں. اور اس طرح وہ اس مقصد عظیم کو حاصل کرلیں جس کو موجودہ زمانے میں صہیونیت اور صلیبیت مل کر حاصل کرنا چاہتی ہے.

زہر آلود قلم کی مالک یہ جماعت ہمارے مستقبل کے لئے ان دشمنوں سے کہیں زیادہ خطرناک ہیں جو ہم سے کھل کر دشمنی کرتے ہیں. یہ لوگ منافقت کے ذریعہ جس میں انہیں مہارت حاصل ہے لوگوں کو اپنا ہم خیال بناتے ہیں، کبھی کبھی سچی باتیں بھی کہہ جاتے ہیں جو ان کے بعد آنے والی ہزارہا جھوٹی باتوں کے لئے تمہید ہوا کرتی ہیں (۱).

ان کے شبہات کا جواب:

اس ضلالت وگمراہی کی حمایت وآبیاری کرنے والوں میں سے ایک ابوریہ نامی شخص ہے جس نے ''أضواء علی السنۃ المحمدیۃ'' نام کی ایک کتاب لکھی ہے. جس میں اس نے فقط شیعہ، متکلمین ومستشرقین کی کتابوں میں بکھرے پڑے شبہات کو جمع کردیا ہے. جب میں نے حدیث نبوی سے اپنی دیرینہ محبت سے خالی ہو کر اس کتاب کا مطالعہ کیا تو مجھے اس میں کوئی ایسی چیز نہیں ملی جو اس سے قبل اس کے اساتذہ کی زبان سے ادا نہ ہو چکی ہو. بلکہ وہ خباثت ودنائت اور صحابہ کرام ومحدثین عظام کے استہزاء واستخفاف میں اپنے اسلاف پر بھی سبقت لے گیا ہے. اور کذب بیانی، بہتان تراشی اور علمی خیانت کے تمام سابقہ رکارڈ کو توڑ دیا ہے.

ان میں سے ایک ڈاکٹر احمد امین بھی ہیں جنہوں نے اپنی کتاب ''فجر الاسلام'' میں حدیث پر گفتگو کرتے ہوئے مستشرقین کے شبہات کو نقل کیا ہے. لیکن وہ اپنے دوستوں کے مقابلے میں زیادہ چالاک اور محتاط نظر آتا ہے. چنانچہ اس نے اپنے مسموم افکار کو پھیلانے کے لئے نہایت سنجیدہ اسلوب اختیار کیا ہے اور اس بات کی بھرپور کوشش کی ہے کہ امت اسلامیہ کی مخالفت کا سامنا کئے بغیر حصول مقصد میں کامیاب ہو جائے.

مجلّہ ''المنار'' کے شمارہ نمبر ۷، ۱۲ میں «الإسلام هو القرآن وحده» کے نام سے ڈاکٹر توفیق صدقی کا ایک

(۱) ظلام من الغرب.

مقالہ شائع ہوا تھا جس میں اس نے مسلمانوں کو سنت سے کنارہ کش رہنے کا مشورہ دیا تھا.

بعض اصحابِ قلم نے دین کے تئیں اس کے اخلاص کی تعریف کی ہے. مگر مجھے اس اخلاص کی حقیقت سمجھ میں نہیں آئی، کیوں کہ وہ تو دین کو برباد کرنے کی دعوت دے رہا ہے. آخر دین تو وہی ہے جس کو اللہ اور اس کے رسول نے فرمایا ہے.

ان کے علاوہ کچھ اور لوگ بھی ہیں جنہوں نے اللہ کے دین کے خلاف زبان درازی کی ہے اور اس کے متعلق ایسی باتیں کہی ہیں جن کو پہلے کسی نے نہیں کہا ہے.

اب رہی بات ان کے شبہات کی تو ان میں سے بیشتر شبہات کا تعلق صحابہ کی عدالت، کتابتِ حدیث، روایت بالمعنیٰ اور محدثین کے دائرہ نقد کا متن حدیث تک محدود ہونے سے اور ان تمام شبہات سے جو گمراہ فرقوں کی طرف سے ہمیشہ پھیلائے جاتے رہے ہیں.

ان شبہات کے جوابات اس کتاب کے مختلف مقامات پر ذکر کئے گئے ہیں، اس لئے میں دوبارہ ان کا اعادہ کرنا نہیں چاہتا، قارئین کرام فہرست عنادین کی مدد سے ان جوابات کو معلوم کر سکتے ہیں. البتہ ہم یہ ضرور کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ اپنے دین کی نصرت کے لئے ہمیشہ ایسے لوگوں کو تیار کرتا رہا جو اپنی تصانیف کے ذریعہ ان شبہات کا دندانِ شکن جواب دیتے رہے ہیں. جیسے کہ علامہ عبدالرحمٰن یحییٰ معلمی کی کتاب «**الأنوار الكاشفة لما في كتاب أبي ريّة من الأكاذيب والأباطيل والمجازفة**» اور شیخ کبیر عبدالرزاق حمزہ کی «**ظلمات أبي ريّه**» ہے، یہ دونوں کتابیں ابوریّہ کی کتاب کے جواب میں لکھی گئی ہیں. اسی طرح ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی کی کتاب «**السنة ومكانتها في التشريع الإسلامي**» ہے جس نے استشراق کے اس بُت کو پاش پاش کر دیا ہے جس کی ممالکِ عربیہ میں پرستش کی جارہی تھی. ڈاکٹر موصوف اس دور میں سنت کے سب سے بڑے حامی و ناصر تھے. انہوں نے ابوریّہ اور اس کی کتاب کے بارے میں جو چند صفحات لکھے ہیں وہ کسی ضخیم کتاب سے کہیں زیادہ وزن رکھتے ہیں، مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ انہوں نے آج سے بیس سال قبل «**سنطاردك يا أبا ريّة إلى جهنم**» کے عنوان سے ایک مقالہ لکھا تھا جو انہی کے مجلّہ ”حضارۃ الاسلام“ میں شائع ہوا تھا. اور اس نے علمی حلقوں میں گہرا اثر چھوڑا تھا.

میں مذکورہ بالا کتابوں اور اس نوع کی دوسری بہت سی کتابوں جیسے شیخ محمد ابو زھو کی «**الحديث والمُحدثون**» استاذ محمد عجاج خطیب کی «**السنة قبل التدوين**»، «**أبوهريره**» اور «**أصول الحديث**»، ڈاکٹر صبحی صالح کی «**علوم الحديث ومصطلحه**» اور ان کے علاوہ ان تمام کتابوں پر جن کا شمار میرے لئے مشکل ہے.

اکتفا کرتے ہوئے چاہتا ہوں کہ ان شبہات کی طرف آؤں جن کا مکمل جواب ہمارے درمیان موجود کتابوں میں نہیں ہے. ممکن ہے کہ میں ان شبہات کی تردید کر کے سنت کی خدمت و مدافعت کرنے والے علماء کی جماعت میں شامل ہو جاؤں وباللہ التوفیق.

منکرین سنت کہتے ہیں: ہم سنت کو مصدر شریعت کی حیثیت سے نہیں جانتے ہم صرف اتنا جانتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اتباع قرآن کے لئے مامور تھے. اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ مِنْ رَّبِّيْ﴾ (آپ کہئے کہ میں تو اسی کی پیروی کرتا ہوں جو میرے رب کی طرف سے بطور وحی مجھ پر نازل ہوتا ہے)[1] ٹھیک اسی طرح جس طرح اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کا حکم دیا ہے. ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ (مسلمانو!) تمہارے رب کی جانب سے جو کچھ تم پر اُتارا گیا ہے اس کی پیروی کرو)[2].

اور حجیت سنت کا قول اس بات کو مستلزم ہے کہ قرآن کے ذریعہ شریعت کی تکمیل نہیں ہو سکی، جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ ہم نے اس میں ہر چیز کو الگ الگ بیان کر دیا ہے، ارشاد باری ہے: ﴿اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا﴾ (اے ہمارے رسول! آپ ان سے کہئے) کیا میں اللہ کے علاوہ کوئی اور ہمارے درمیان فیصلہ کرنے والا تلاش کر لوں، حالانکہ اسی نے تمہارے لئے وہ کتاب اُتاری ہے جس میں ہر بات تفصیل سے بیان کر دی گئی ہے)[3].

بلکہ مؤمن وکافر کے درمیان فرق کرنے والی چیز یہی قرآن ہے اور جو اس کو فیصل مانتا ہے وہ مؤمن ہے. اور جو اس کا منکر ہے وہ کافر ہے، ارشاد باری ہے: ﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ﴾ (اور جو لوگ اللہ کی طرف سے نازل شدہ حکم کے مطابق فیصلہ نہیں کریں گے، وہی لوگ کافر ہیں)[4].

اور جب کفار نے قرآن کے علاوہ کوئی اور چیز طلب کیا تو ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی: ﴿اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ﴾ (کیا ان کے لئے یہ نشانی کافی نہیں ہے کہ ہم نے آپ پر قرآن نازل کیا ہے، جس کی ان کے سامنے تلاوت کی جاتی ہے)[5].

---

(۱) سورۃ الأعراف: آیت/ ۲۰۳.

(۲) سورۃ الأعراف: آیت/ ۳.

(۳) سورۃ الأنعام: آیت/ ۱۱۴.

(۴) سورۃ المائدۃ: آیت/ ۴۴.

(۵) سورۃ العنکبوت: آیت/ ۵۱.

اور قرآن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہ بھی کہا ہے: ﴿وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا﴾ (اور آپ کے رب کا کلام سچائی اور انصاف کے اعتبار سے کامل اور تام ہے)[1].

وہ کہتے ہیں: مذکورہ آیات سے ہم نے یہ جان لیا کہ قرآن کے ذریعہ شریعت اسلامیہ کی تکمیل ہو چکی ہے.

اور جہاں تک اللہ تعالیٰ کے قول: ﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ﴾ (جس نے رسول کی اطاعت کی اُس نے اللہ کی اطاعت کی)[2] میں مذکور اطاعت رسول کے حکم کا سوال ہے تو اس سے مراد حکومت اور اس کے ذمہ داران ہیں جو قرآنی خطوط پر ایک ایسا اسلامی معاشرہ قائم کرنے کے پابند ہیں جس طرح رسول نے قرآن کی رہنمائی میں یہ کام انجام دیا تھا.

قرآن کریم نے اس حقیقت کو بالکل واضح الفاظ کے ذریعہ بیان کر دیا ہے، ارشاد باری ہے: ﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ اَفَا۟ىِٕنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ۭ﴾ (اور محمد صرف ایک رسول ہیں، ان سے پہلے بہت انبیاء گزر چکے ہیں، تو کیا وہ مر جائیں گے یا قتل کر دیئے جائیں گے، تو تم لوگ الٹے پاؤں (دین سے) پھر جاؤ گے)[3].

اس بات کے لئے بین دلیل ہے کہ تبلیغ قرآن کے ساتھ ہی رسول کی تمام ذمہ داریاں ختم ہو گئی تھیں اور یہ کہ آپ اپنے جملہ اعمال میں عام انسانوں سے مختلف نہیں تھے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ﴾ (اے میرے نبی! آپ کہہ دیجئے کہ میں تمہارے ہی جیسا ایک انسان ہوں)[4].

اور آپ اسی انسانیت کی وجہ سے اپنے اجتہادات میں غلطیاں کرتے تھے، ارشاد باری ہے: ﴿قُلْ اِنْ ضَلَلْتُ فَاِنَّمَآ اَضِلُّ عَلٰي نَفْسِيْ ۚ وَاِنِ اهْتَدَيْتُ فَبِمَا يُوْحِيْٓ اِلَيَّ رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ قَرِيْبٌ﴾ (آپ کہہ دیجئے کہ اگر میں گمراہ ہوں تو اس کا خمیازہ میں بھگتوں گا، اور اگر میں راہِ راست پر گامزن ہوں تو یہ اس قرآن کی بدولت ہے، جسے میرا رب بذریعہ وحی مجھ تک بھیجتا ہے، وہ بے شک خوب سننے والا، بڑا قریب ہے)[5].

نیز دینی امور میں اجتہادی غلطیوں کی وجہ سے آپ کی سرزنش بھی ہوتی تھی، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿عَفَا

(۱) سورۃ الأنعام: آیت/ ۱۱۵.
(۲) سورۃ النساء: آیت/ ۸۰.
(۳) سورۃ آل عمران: آیت/ ۱۴۴.
(۴) سورۃ فصلت: آیت/ ٦.
(۵) سورۃ السبا: آیت/ ۵۰.

اللّٰہُ عَنْکَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَھُمْ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَکَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَ تَعْلَمَ الْکٰذِبِیْنَ﴾ (اللہ آپ کو معاف کرے، آپ نے انہیں (گھروں میں رہ جانے کی) اجازت کیوں دے دی، تا کہ سچے لوگ آپ کے سامنے ظاہر ہو جاتے، اور جھوٹوں کو بھی آپ جان جاتے)[۱].

نیز ارشاد باری ہے: ﴿یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰہُ لَکَ ۚ﴾ (اے نبی! آپ اس چیز کو کیوں حرام بناتے ہیں جسے اللہ نے آپ کے لئے حلال کیا ہے)[۲].

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿عَبَسَ وَ تَوَلّٰٓی ۙ اَنْ جَآءَہُ الْاَعْمٰی ؕ وَ مَا یُدْرِیْکَ لَعَلَّہٗ یَزَّکّٰٓی ۙ اَوْ یَذَّکَّرُ فَتَنْفَعَہُ الذِّکْرٰی ؕ اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰی ۙ فَاَنْتَ لَہٗ تَصَدّٰی ؕ وَ مَا عَلَیْکَ اَلَّا یَزَّکّٰی ؕ وَ اَمَّا مَنْ جَآءَکَ یَسْعٰی ۙ وَ ھُوَ یَخْشٰی ۙ فَاَنْتَ عَنْہُ تَلَھّٰی﴾ (نبی ترش رو ہو گئے اور انہوں نے منہ پھیر لیا کہ ان کے پاس اندھا (ابن ام مکتوم) آ گیا، اور آپ کو کیا معلوم کہ شاید اس کی اصلاح ہو جاتی یا نصیحت کی بات سنتا تو وہ نصیحت اس کے کام آتی، لیکن جو شخص بے پرواہ ہوتا ہے اس پر آپ توجہ دیتے ہیں، حالانکہ آپ پر کوئی الزام نہیں اگر وہ اصلاح پذیر نہیں ہوتا، اور جو آدمی آپ کے پاس دوڑتا ہوا آتا ہے، اور اپنے رب سے ڈرتا ہے تو آپ اس کی طرف سے بے رخی برتتے ہیں)[۳].

ان کا کہنا ہے: یہ آیات اس امر پر قطعی الدلالۃ ہیں کہ ابلاغ قرآن کے بعد رسول اللہ ﷺ ایک عام انسان تھے، لیکن یہ باور کرانا کہ آپ کے تمام اعمال وحی کے مطابق ہوا کرتے تھے اس بات کے لئے گنجائش پیدا کر دے گا کہ رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ جس معاشرے کا قیام عمل میں آیا تھا وہ کام کسی عام آدمی کے بس کا روگ نہیں ہے اور جس طرح کا معاشرہ نبی کریم ﷺ نے قائم فرمایا اس طرح کا معاشرہ دوبارہ قائم کرنے کے لئے پھر سے انبیاء کو دنیا میں آنا پڑے گا.

اس شبہ کے جواب میں ہم یہی کہیں گے کہ حجیت سنت کا انکار چودھویں صدی تک کے تمام مشہور ائمہ دین کے عمل کے خلاف ہے. سنت کو مصدر شریعت کی حیثیت سے قبول کئے جانے میں مسلمانوں کے درمیان کبھی کوئی اختلاف نہیں ہوا. اب اس کی حجیت کے انکار کا مطلب تو یہی ہے کہ اس سے قبل سنت کو مصدر شریعت کے طور پر قبول کر کے پوری امتِ اسلامیہ نے غلطی کی. اور جاہلوں کی اس مختصر ٹولی نے جس کا علوم شرعیہ سے کبھی کوئی واسطہ نہیں رہا

(۱) سورۃ التوبہ: آیت/۴۳.
(۲) سورۃ التحریم: آیت/۱.
(۳) سورۃ عبس: آیت/۱-۱۰.

حقیقت دین کو سمجھنے میں کامیابی حاصل کی. حالانکہ یہ جس قرآن کو اپنے دعویٰ باطل کو ثابت کرنے کے لئے استعمال کرر ہے ہیں اس کو ہر دور میں لاکھوں مسلمانوں نے پڑھا ہے اور ہزار ہا لوگوں نے اس کے دقائق ومخفیات کو سمجھنے میں اپنی عمریں صرف کی ہیں. مگر اس کے باوجود کسی نے بھی یہ نہیں کہا کہ رسول اللہ ﷺ کا وظیفہ حیات بس ابلاغ قرآن تھا. اس کے بعد آپ ہر طرح کی ذمہ داری سے فارغ تھے.

جہاں تک ان کے اس دعویٰ کا سوال ہے کہ رسول اللہ ﷺ قاضی، حاکم اور شارع تو تھے، مگر یہ سب کام اپنے اجتہاد سے انجام دیتے تھے اللہ تعالیٰ کے حکم سے نہیں، تو ان سے یہ پوچھا جائے کہ کیا ان ذمہ داریوں کو ادا کرنے کے لئے مسلمانوں نے ان کو اپنا لیڈر منتخب کیا تھا اور کیا لوگوں کے لئے آپ سے یہ سب کچھ چھین لینا ممکن تھا؟ کیا ہجرت کے بعد مہاجرین وانصار نے کوئی ایسی میٹنگ بلوائی تھی جس میں تمام لوگوں نے بالاتفاق آپ کو اپنا قائد ولیڈر بنانے کے لئے قرارداد پاس کیا تھا. اور کیا ان ذمہ داریوں کی ادائیگی کے لئے آپ کے رہتے ہوئے کسی دوسرے مسلمان کی خدمات حاصل کئے جاسکتے تھے؟ اور کیا آپ کی زندگی میں مدینہ منورہ کے اندر کوئی قانون ساز کمیٹی پائی جاتی تھی جو قرآن کی روشنی میں قوانین مرتب کرتی تھی؟

ظاہر ہے کہ ان تمام سوالات کے جواب نفی ہی میں دیئے جائیں گیں، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہی ان ذمہ داریوں کو قبول کیا تھا اور آپ نے وحی کی تائید کے بغیر کبھی کوئی کام انجام نہیں دیا. جو لوگ قرآن کو اس کے اصل معنی سے دوسرے معانی کی طرف گھسیٹتے ہیں وہ اپنے دلوں کے بند کھول کر ان آیات کو بغور سنیں جو شرعی امور سے متعلق رسول اللہ ﷺ کے مقام ومرتبہ کی طرف اشارہ کرتی ہیں. ارشاد باری ہے: ﴿وَ اِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰھٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَ اِسْمٰعِیْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۱۲۷﴾ رَبَّنَا وَ اجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَكَ وَ مِنْ ذُرِّیَّتِنَاۤ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۪ وَ اَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَ تُبْ عَلَیْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ﴿۱۲۸﴾ رَبَّنَا وَ ابْعَثْ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِكَ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ یُزَكِّیْهِمْ ؕ﴾ (اور (یاد کرو) جب ابراہیم (علیہ السلام) بیت اللہ کی بنیاد اُٹھا رہے تھے، اور اسماعیل بھی، اور دعا کرتے تھے کہ اے ہمارے رب! اس عمل کو ہماری طرف سے قبول فرمالے، بے شک تو بڑا سننے والا اور جاننے والا ہے، اے ہمارے رب! ہمیں اپنا اطاعت گزار بندہ بنا، اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک جماعت کو اپنا اطاعت گزار بنا، اور ہمیں ہماری عبادت کے طریقے سکھادے، اور ہمیں بخش دے، بے شک تو ہی بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے، اور اے ہمارے رب! انہی میں سے ایک رسول اُن کی ہدایت کے لئے مبعوث فرما، جو تیری آیتیں انہیں پڑھ کر سنائے، اور انہیں قرآن وسنت کی تعلیم

دے، اور انہیں پاک کرے)[۱].

نیز ارشاد باری ہے: ﴿كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ﴾ (جیسا کہ ہم نے تمہاری رہنمائی کے لئے تم ہی میں سے ایک رسول بھیجا جو ہماری آیتیں تمہیں پڑھ کر سناتا ہے، اور تمہیں پاک کرتا ہے، اور قرآن وسنت کی تعلیم دیتا ہے، اور تمہیں وہ کچھ سکھاتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے)[۲].

نیز فرماتا ہے: ﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ﴾ (اللہ کا مومنوں پر یقیناً احسان ہے کہ اس نے ان کے لئے انہی میں سے ایک رسول بھیجا، جو اس کی آیتوں کی ان لوگوں پر تلاوت کرتے ہیں، اور انہیں پاک کرتے ہیں، اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتے ہیں)[۳].

دوسری جگہ ارشاد فرماتا ہے: ﴿هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ﴾ (اُسی نے اَن پڑھ لوگوں میں اُنہی میں سے ایک رسول بھیجا ہے، جو انہیں اس کی آیتیں پڑھ کر سناتے ہیں، اور انہیں (کفر وشرک کی آلائشوں سے) پاک کرتے ہیں، اور انہیں قرآن وسنت کی تعلیم دیتے ہیں)[۴].

ان آیات میں غور کرنے سے جو بات سامنے آتی ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو تین بنیادی مقاصد کے لئے مبعوث فرمایا تھا. ایک یہ کہ لوگوں کو کتاب اللہ کی تعلیم دیں، دوسرا حکمت کی باتیں بتائیں اور تیسرا انفرادی واجتماعی طور پر لوگوں کا تزکیہ کریں. یعنی اس خوش اسلوبی سے ان کی تربیت کریں کہ اخلاق حسنہ کے پیکر ہو جائیں اور مفاسد ومنکرات سے گریز کرنے لگیں.

پس یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ قرآن کی تعلیم کے ساتھ فرد ومعاشرہ کی تربیت کے لئے رسول اللہ ﷺ نے جو احکام وتدابیر اختیار کئے وہ مجرد تلاوت قرآن سے زائد چیز تھی. ورنہ اس کو الگ بیان کرنے کا کوئی فائدہ ہی نہیں ہے.

---

(۱) سورۃ البقرۃ: آیت/ ۱۲۷-۱۲۹.

(۲) سورۃ البقرۃ: آیت/ ۱۵۱.

(۳) سورۃ آل عمران: آیت/ ۱۶۴.

(۴) سورۃ الجمعہ: آیت/ ۲.

معلوم ہوا کہ ان لوگوں کا یہ کہنا کہ تعلیم قرآن اور تزکیہ امت کا کام رسول اللہ ﷺ نے خود سے انجام دیا تھا وحی الٰہی کی بنیاد پر نہیں، درحقیقت یہ آپ کی رسالت کا انکار ہے جس کے تحت مذکورہ تینوں مقاصد آتے ہیں.

رسول اللہ ﷺ بحیثیت شارح کتاب اللہ:

رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے حکم سے قرآن کریم کے شارح و مفسر تھے. ارشاد باری ہے: ﴿وَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ﴾ (اور آپ پر ہم نے قرآن نازل کیا ہے، تاکہ لوگوں کے لئے جو کچھ نازل کیا گیا ہے، اسے آپ ان کے لئے کھول کر بیان کر دیجئے)[۱].

آپ قرآن کے شارح ہیں اور یہ بداہۃً معلوم ہے کہ قرآن کی تفسیر و توضیح، اس کی مجرد تلاوت سے زائد چیز ہے، بلکہ تفسیر و تشریح کے لئے کبھی کبھی افعال و حرکات کا بھی سہارا لینا پڑتا ہے اور آیت کریمہ پوری صراحت سے اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہی مفسرِ قرآن ہیں، یعنی کبھی اس کی تفسیر آپ اپنے قول سے کرتے ہیں کبھی فعل سے اور کبھی تقریر سے.

رسول اللہ ﷺ امت اسلامیہ کے لئے نمونہ ہیں:

ارشاد باری ہے: ﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ﴾ (آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا، اور تمہارے گناہ معاف کر دے گا، اور اللہ بڑا معاف کرنے والا، رحم کرنے والا ہے، آپ کہہ دیجئے کہ اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کرو، اگر وہ منہ پھیر لیں تو اللہ کافروں سے محبت نہیں رکھتا)[۲].

اور ارشاد باری ہے: ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَ الْيَوْمَ الْاٰخِرَ﴾ (فی الحقیقت تم مسلمانوں کے لئے رسول اللہ کا قول و عمل ایک بہترین نمونہ ہے، ان کے لئے جو اللہ اور یوم آخرت کا یقین رکھتے ہیں)[۳].

یہ دونوں آیتیں اتباع رسول کو واجب بتاتی ہیں اور اللہ کی محبت کو رسول کی محبت سے مشروط قرار دیتی ہیں، بلکہ

---

(۱) سورۃ النحل: آیت/ ۴۴.

(۲) سورۃ آل عمران: ۳۱، ۳۲.

(۳) سورۃ الأحزاب: آیت/ ۲۱.

رسول کی عدم اتباع کو کفر سے تعبیر کرتی ہیں. اور یہ کہنا جہالت وحماقت ہی ہے کہ ان دونوں آیتوں کا مفہوم ''اتباع قرآن'' ہے، اگر فی الواقع ایسا ہی ہوتا تو «فاتبعونی» کی جگہ «فاتبعوا القرآن» کہا جاتا. اور اس کا کوئی مطلب ہی نہیں رہ جاتا کہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی مؤمنین کے لئے اسوۂ حسنہ ہے.

رسول اللہ ﷺ منجانب اللہ قانون ساز ہیں:

رسول اللہ ﷺ من جانب اللہ مشروع (قانون ساز) کے مقام پر فائز ہیں. ارشاد باری ہے: ﴿يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ﴾ (جو لوگوں کو بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں، اور ان کے لئے پاکیزہ چیزوں کو حلال کرتے ہیں اور خبیث اور گندی چیزوں کو حرام کرتے ہیں، اور اُن بارہائے گراں اور بندشوں کو ان سے ہٹاتے ہیں جن میں وہ پہلے سے جکڑے ہوئے تھے) (۱).

یہ آیت اس امر کی طرف واضح نشاندہی کرتی ہے کہ امر و نہی اور تحلیل وتحریم صرف قرآن کا خاصہ نہیں ہے، بلکہ رسول اللہ ﷺ نے بھی اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ اختیارات کے ذریعہ کسی چیز کا حکم دیا ہے اور کسی سے منع کیا ہے، کسی کو حلال کیا ہے اور کسی کو حرام ٹھہرایا ہے. یہ بات اللہ تعالیٰ کی اس آیت میں کچھ زیادہ ہی نمایاں نظر آتی ہے. ارشاد باری ہے: ﴿وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾ (اور رسول تمہیں جو دیں اسے لے لو، اور جس چیز سے وہ تم کو روک دیں اُس سے رک جاؤ، اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ سخت عذاب دیتا ہے) (۲).

مذکورہ دونوں آیتوں کو فقط قرآن کے امر و نہی اور تحلیل وتحریم پر محمول کرنا کسی بھی طرح صحیح نہیں ہے. اگر کوئی اس طرح کا دعویٰ کرتا ہے تو گویا وہ کلام الٰہی کو بدلنا چاہتا ہے. اور اللہ تعالیٰ کو یہ بتانا چاہتا ہے کہ اس نے قرآن کی جگہ پر رسول کا ذکر کر کے غلطی کی ہے. (ونعوذ باللہ).

رسول اللہ ﷺ قاضی وجج کے مقام پر فائز تھے:

قرآن کریم میں بہت سی ایسی آیتیں ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے واشگاف الفاظ میں فرمایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس کی طرف سے بحیثیت قاضی مامور ہیں. ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ

(۱) سورۃ الأعراف: آیت ر ۱۵۷.

(۲) سورۃ الحشر: آیت ر ۷.

بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ﴾ (بے شک ہم نے قرآن آپ کی طرف حق کے ساتھ نازل کیا ہے، تاکہ آپ لوگوں کے درمیان اللہ کی دی ہوئی بصیرت کے مطابق فیصلہ کریں)(۱).

نیز ارشاد ہے: ﴿وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ۚ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ﴾ (اور آپ کہہ دیجئے کہ میں تو اُن تمام کتابوں پر ایمان رکھتا ہوں جو اللہ نے نازل کی ہیں، اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان انصاف کے مطابق فیصلہ کروں)(۲).

دوسری جگہ ارشاد ہے: ﴿اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا﴾ (اور مومنوں کو جب اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ ان کے درمیان فیصلہ کرو ے، تو کہتے ہیں کہ ہم نے یہ بات سن لی اور اسے مان لیا)(۳).

دوسری جگہ ارشاد فرماتا ہے: ﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾ (پس آپ کے رب کی قسم، وہ لوگ مومن نہیں ہو سکتے جب تک آپ کو اپنے اختلافی امور میں اپنا فیصل نہ مان لیں، پھر آپ کے فیصلہ کے بارے میں اپنے دلوں میں کوئی تکلیف محسوس نہ کریں، اور پورے طور سے اسے تسلیم کرلیں)(۴).

یہ آیات قرآنیہ اس بات پر شاہد عدل ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کی جانب سے مقرر کردہ قاضی تھے اور یہ کہ آپ کو قاضی تسلیم کئے بغیر ایمان بالرسالت کا تصور ممکن نہیں ہے. نیز یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ قضا و افتاء کے دو مصادر ہیں. ان میں سے ایک قرآن ہے اور دوسرا رسول اللہ ﷺ کی ذات مبارکہ ہے. ان دونوں مصادر کا انکار منافقین کا شیوہ ہے. آخری آیت میں تو اس کی بھی صراحت ہے کہ جو رسول کی حاکمیت کا اعتراف نہیں کرتا بلکہ آپ کے فیصلوں سے اپنے دل میں تنگی محسوس کرتا ہے اس کا دامن ایمان کی نعمت سے خالی ہے اور وہ مومنین کی صف سے خارج ہے.

کیا اب بھی کوئی شخص یہ کہے گا کہ رسول اللہ ﷺ منجانب اللہ قاضی نہیں تھے اور آپ کے فیصلے شریعت کے لئے مصدر کی حیثیت نہیں رکھتے؟

---

(۱) سورۃ النساء: آیت/ ۱۰۵.

(۲) سورۃ الشوریٰ: آیت/ ۱۵.

(۳) سورۃ النور: آیت/ ۵۱.

(۴) سورۃ النساء: آیت/ ۶۵.

رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ حاکم تھے:

اسی طرح قرآن کریم نے بہت سی آیات میں رسول اللہ ﷺ کے حاکم ہونے اور اس کے لئے اللہ تعالیٰ کی جانب سے مامور کئے جانے کی صراحت کی ہے. اور یہ بھی بتایا ہے کہ آپ کا یہ منصب منصب رسالت ہی کا ایک حصہ تھا. ارشاد باری ہے: ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ (اور ہم نے ہر رسول کو صرف اس لئے بھیجا کہ اللہ کی اجازت سے اس کی اطاعت کی جائے)(۱).

دوسری جگہ ارشاد ہے: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ (اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو، اور رسول کی اطاعت کرو، اور تم میں سے اقتدار والوں کی، پھر اگر کسی معاملہ میں تمہارا اختلاف ہو جائے، تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹا دو، اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو)(۲).

نیز ارشاد باری ہے: ﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ۭ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا﴾ (اور جب اللہ اور اس کے رسول کسی معاملے میں فیصلہ کردیں، تو کسی مسلمان مرد اور عورت کے لئے اس بات میں کوئی اور فیصلہ قبول کرنے کا اختیار باقی نہیں رہتا، اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا وہ کھلی گمراہی میں مبتلا ہو جائے گا)(۳).

اس قسم کی بے شمار آیتیں ہیں. جن سے یہ بات بصراحت معلوم ہو جاتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اللہ کے مقرر کردہ حاکم تھے. اور یہ آپ کی ایک اہم ذمہ داری تھی اور آپ کی رسالت کا ایک اہم جزء بھی. دوسری آیت میں تین طرح کی اطاعت کا ذکر آیا ہے. اللہ کی اطاعت، رسول کی اطاعت اور اولی الأمر کی اطاعت اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول جماعت اولی الأمر کے صف میں داخل نہیں ہیں، بلکہ اولی الأمر کے ساتھ نزاع ممکن ہے مگر رسول کے ساتھ کسی بھی طرح نزاع جائز نہیں. اور یہ کہ معاملات وقضایا کے تصفیہ کے لئے اللہ اور رسول مرجع ہیں کیونکہ اگر اس سلسلے میں صرف ذات باری تعالیٰ ہی کو مرجع مانا جاتا تو پھر استقلالاً رسول کے ذکر کا کوئی فائدہ نہیں تھا، اس آیت سے یہ حقیقت بھی سامنے آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کا مطلب کتاب اللہ کی طرف رجوع کرنا ہے، اسی طرح

---

(۱) سورۃ النساء: آیت/ ۶۴.

(۲) سورۃ النساء: آیت/ ۵۹.

(۳) سورۃ الأحزاب: آیت/ ۳۶.

رسول کی طرف رجوع کا مطلب آپ کی زندگی میں آپ کی ذات کی طرف اور بعد از وفات آپ کی سنت کی طرف رجوع کرنا ہے. حقیقت تو یہ ہے کہ عہد نبوی کے آخری سالوں میں آپ کی سنت ہی مرجع خلائق بن گئی تھی، کیونکہ اس وقت تک حکومتِ اسلامیہ پورے جزیرۂ عربیہ پر مشتمل ہو چکی تھی، اس لئے ہر معاملے میں رسول اللہ ﷺ کی طرف رجوع کرنا نہایت مشکل امر تھا، چنانچہ حکام وقضاۃ کے لئے ضروری ہو گیا تھا کہ اگر انہیں قرآن کریم میں حکم نہ ملے تو سنتِ رسول اللہ کی طرف رخ کریں.

جہاں تک منکرین سنت کے اس دعویٰ کا تعلق ہے کہ حجیت سنت کے اقرار سے اس بات کی تصدیق لازم آتی ہے کہ قرآن کے ذریعہ دین کی تکمیل نہیں ہو سکی تو یہ بین الاقوامی نظام قانون سے بے خبری کا نتیجہ ہے، کیونکہ دنیا میں ہوتا یہ ہے کہ کوئی اعلیٰ قانون ساز کمیٹی کچھ رہنما خطوط اور بنیادی قواعد واصول متعین کر دیتی ہے، اس کے بعد کوئی خاص فرد یا ادارہ ان اصول وقواعد کی تشریح اور فرعی امور کی تفصیل کا کام انجام دیتا ہے اور اس خاص فرد یا ادارہ کی جانب سے صادر فرعی تفصیلات اگر قانون سازی کے اہداف کو پورا کرتی ہیں تو انہیں دنیا کے قانون داں قانونی حیثیت سے قبول کر لیتے ہیں. اور یہ کوئی نہیں کہتا کہ اس سلسلے میں اعلیٰ کمیٹی کی کارکردگی ناقص رہی ہے.

ہم قانونِ اسلامی کے قرآنی اصول اور نبوی تشریح کو اس بین الاقوامی نظام قانون پر قیاس کر سکتے ہیں. ہم کہہ سکتے ہیں کہ قرآن نے عام اصول کو یا کسی فعل سے متعلق اللہ تعالیٰ کی رضامندی یا عدم رضامندی کو ذکر کر دیا ہے. اور رسول اللہ ﷺ نے ان اصول کی تشریح اور اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ اور ناپسندیدہ افعال کی تفصیل سے لوگوں کو آگاہ کیا ہے. اور اسی کی وضاحت اللہ تعالیٰ نے اپنے اس قول میں کیا ہے: ﴿وَ اَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ﴾ (اور آپ پر ہم نے قرآن نازل کیا ہے، تاکہ لوگوں کے لئے جو کچھ نازل کیا گیا ہے، اسے آپ ان کے لئے کھول کر بیان کر دیجئے).

پس یہ کہنا کہ رسول اللہ ﷺ کے اقوال وافعال قانون اسلامی کا حصہ نہیں ہیں قرآن کریم کے انکار کے مترادف ہے.

اس بحث کی مزید وضاحت کے لئے چند ایسی مثالیں پیش کرنا چاہتا ہوں، جو قرآن اور نبوی بیان کے درمیان پائے جانے والے مضبوط تعلق کو بیان کرتے ہیں.

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ﴾ (اور اللہ پاک رہنے والوں کو پسند کرتا ہے)(۱).

---

(۱) سورۃ التوبہ: آیت/ ۱۰۸.

نیز اپنے رسول کو مخاطب کرتے ہوئے کہتا ہے: ﴿وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ﴾ (اور اپنے کپڑے پاک رکھئے) (۱).

اور رسول اللہ ﷺ ہی نے اپنے قول وفعل کے ذریعہ لوگوں کو نجاست سے پاک ہونے کے طریقے بتائے ہیں.

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا﴾ (اگر تم ناپاک ہو تو پاکی حاصل کرلو) (۲).

دوسری جگہ ارشاد فرماتا ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَىٰ حَتَّىٰ تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ وَلَا جُنُبًا إِلَّا عَابِرِي سَبِيلٍ حَتَّىٰ تَغْتَسِلُوا﴾ (اے ایمان والو! جب تم نشہ کی حالت میں ہو تو نماز کے قریب نہ جاؤ، یہاں تک کہ تم (نماز میں) جو کہتے ہو اسے سمجھنے لگو، اور نہ حالتِ جنابت میں (نماز پڑھو) یہاں تک کہ غسل کرلو، سوائے ان کے جو (مسجد سے) گزرنا چاہتے ہوں) (۳).

رسول اللہ ﷺ نے ہی ہمیں بتایا ہے کہ جنابت کیا چیز ہے اور اس سے پاکی کے کیا طریقے ہیں. ارشاد باری ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ﴾ (اے ایمان والو! جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو، تو اپنے چہرے کو، اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں تک دھولو، اور اپنے سروں کا مسح کرلو، اور اپنے پاؤں دونوں ٹخنوں تک دھولو) (۴).

اور یہ بات ہمیں رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ ہی معلوم ہوئی کہ کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا ''غسل وجہ'' کے حکم میں ہے. اور دونوں کانوں کا مسح سر کے مسح کے حکم میں ہے. انہی کے توسط سے ہمیں یہ بھی معلوم ہوا کہ جب پاؤں میں خف ہو تو اس پر مسح جائز ہے اور اگر نہیں ہے تو اسے دھونا واجب ہے. اور نواقضِ وضو کا علم بھی انہی کے ذریعہ ہوا ہے.

ارشاد باری ہے: ﴿وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ﴾ (اور کھاؤ اور پیو، یہاں تک کہ صبح کی سفید دھاری کالی دھاری سے جدا ہو جائے) (۵).

یہاں بھی ہمیں رسول ﷺ کے ذریعہ ہی معلوم ہوا کہ آیت میں ''خیط ابیض'' سے مراد صبح صادق کا طلوع ہونا ہے.

---

(۱) سورۃ المدثر: آیت ۴.

(۲) سورۃ المائدہ: آیت ۶.

(۳) سورۃ النساء: آیت ۴۳.

(۴) سورۃ المائدۃ: آیت ۶.

(۵) سورۃ البقرۃ: آیت ۱۸۷.

یہ اور اس قسم کی دوسری بے شمار آیتیں ہیں جو اس بات کی توثیق کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ قرآن کریم اور اس میں وارد اصول ومبادی کے شارح تھے. آپ کے قولی وفعلی تشریحات دستور قرآنی کی تکمیل وتفصیل ہیں.

اللہ تعالیٰ کے قول: ﴿إِنَّمَآ أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ﴾ (اے میرے نبی! آپ کہہ دیجئے کہ میں تمہارے ہی جیسا ایک انسان ہوں) سے منکرین سنت کا استدلال کرنا صحیح نہیں ہے، کیونکہ یہ لوگ اس بنیادی صفت کو بیان ہی نہیں کرتے جو رسول کو عام لوگوں سے ممتاز ومنفرد بناتی ہے.

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿قُلْ سُبْحَانَ رَبِّي هَلْ كُنتُ إِلَّا بَشَرًا رَّسُولًا﴾ (آپ کہہ دیجئے کہ میرا رب تمام عیوب ونقائص سے پاک ہے، میں تو صرف ایک انسان ہوں جسے اللہ نے اپنا پیغامبر بنا کر بھیجا ہے)(۱).

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے: ﴿قُلْ إِنَّمَآ أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰٓ إِلَيَّ﴾ (اے میرے نبی! آپ کہہ دیجئے کہ میں تمہارے ہی جیسا ایک انسان ہوں لیکن میری طرف وحی کی جاتی ہے)(۲).

جہاں تک منکرینِ سنت کے اس دعویٰ کا تعلق ہے کہ امت فقط اتباع قرآن کے لئے مامور ہے جیسا کہ خود رسول اللہ ﷺ بھی اتباع قرآن کے لئے مامور تھے، تو ان کا یہ دعویٰ واقعہ کے خلاف تو ہے ہی قرآن سے ثابت شدہ حقیقت کے خلاف بھی ہے. ارشاد باری ہے: ﴿قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ﴾ (آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا)(۳).

نیز ارشاد باری ہے: ﴿وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ۚ فَسَأَكْتُبُهَا لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَالَّذِينَ هُم بِآيَاتِنَا يُؤْمِنُونَ ﴿١٥٦﴾ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِندَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنجِيلِ﴾ (اور میری رحمت ہر چیز کو شامل ہے، پس میں اُسے ان لوگوں کے لئے لکھ دوں گا جو تقویٰ کی راہ اختیار کرتے ہیں اور زکاۃ دیتے ہیں، اور ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں، ان کے لئے جو ہمارے رسول نبی اُمّی کی اتباع کرتے ہیں جن کا ذکر وہ اپنے تورات وانجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں)(۴).

دوسری جگہ ارشاد فرمایا ہے: ﴿وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنتَ عَلَيْهَآ إِلَّا لِنَعْلَمَ مَن يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّن يَنقَلِبُ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ ۚ﴾ (اور وہ قبلہ جس کی طرف آپ پہلے سے متوجہ ہوتے تھے، ہم نے اس لئے بنایا تھا تا کہ

(۱) سورۃ الإسراء: آیت/۹۳.

(۲) سورۃ الکہف: آیت/۱۱۰.

(۳) سورۃ آل عمران: آیت/۳۱.

(۴) سورۃ الأعراف: آیت/۱۵۶-۱۵۷.

دیکھیں کہ کون ہمارے رسول کی اتباع کرتا ہے، اور کون اُلٹے پاؤں پھر جاتا ہے)(۱).

مذکورہ بالا تینوں آیتوں میں اس بات کی صراحت موجود ہے کہ امت اسلامیہ کے لئے رسول اللہ ﷺ کی اتباع کئے بغیر کوئی چارۂ کار نہیں ہے. خصوصاً تیسری آیت میں تو اس کی بھرپور تاکید ہے. اور اس سے ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کعبہ مشرفہ کو مسلمانوں کے لئے قبلہ بنائے جانے سے قبل آپ دوسرے قبلہ کی طرف نماز ادا کرتے رہے ہیں. اور قرآن نے اس کی بھی صراحت کردی ہے کہ قبلہ اولیٰ جس کی طرف آپ تقریباً چودہ ماہ تک نماز ادا کرتے رہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کے حکم سے متعین تھا. لیکن ہمیں قرآن میں اس الٰہی حکم کے سلسلے میں کوئی آیت نہیں ملتی، جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قرآن کے علاوہ آپ کے پاس ضرور کوئی دوسری وحی آتی تھی اور اسی کے ذریعہ آپ کو یہ بتایا گیا تھا کہ بیت المقدس قبلۂ اول ہے.

ان لوگوں کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اجتہاد کرتے تھے اور اس میں غلطیاں بھی کرتے تھے اور اپنے اس قول کی تائید کے لئے درج ذیل آیات سے استدلال کرتے ہیں. اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿قُلْ اِنْ ضَلَلْتُ فَاِنَّمَآ اَضِلُّ عَلٰی نَفْسِیْ ۚ وَاِنِ اهْتَدَیْتُ فَبِمَا یُوْحِیْٓ اِلَیَّ رَبِّیْ ۭ اِنَّهٗ سَمِیْعٌ قَرِیْبٌ﴾ (آپ کہہ دیجئے کہ اگر میں گمراہ ہوں تو اس کا خمیازہ میں بھگتوں گا، اور اگر میں راہِ راست پر گامزن ہوں تو یہ اس قرآن کی بدولت ہے، جسے میرا رب بذریعہ وحی مجھ تک بھیجتا ہے، وہ بے شک خوب سننے والا، بڑا قریب ہے)(۲).

نیز ارشاد فرماتا ہے: ﴿عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَكَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِیْنَ﴾ (اللہ آپ کو معاف کرے، آپ نے انہیں (گھروں میں رہنے کی) اجازت کیوں دے دی، تاکہ سچے لوگ آپ کے سامنے ظاہر ہو جاتے، اور جھوٹوں کو بھی آپ جان جاتے)(۳).

اسی طرح آپ کا ارشاد ہے: ﴿یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ﴾ (اے نبی! آپ اس چیز کو کیوں حرام بناتے ہیں جسے اللہ نے آپ کے لئے حلال کیا ہے)(۴).

نیز ارشاد ہے: ﴿عَبَسَ وَتَوَلّٰٓی﴾ (نبی ترش رو ہو گئے اور انہوں نے منہ پھیر لیا)(۵).

---

(۱) سورۃ البقرۃ: آیت/ ۱۴۳.

(۲) سورۃ سبا: آیت/ ۵۰.

(۳) سورۃ التوبہ: آیت/ ۴۳.

(۴) سورۃ التحریم: آیت/ ۱.

(۵) سورۃ عبس: آیت/ ۱.

لیکن ان کا اپنے دعویٰ کے لئے مذکورہ بالا آیات سے استدلال کرنا قرآن کریم کے ناقص مطالعہ کا نتیجہ ہے یا ہوائے نفس پر مبنی زبردستی کا استدلال ہے، جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو مبعوث کیا پھر اس کے بعد انہیں گمراہ کر دیا تاکہ دینی امور میں لوگ ان پر اعتماد کرنا چھوڑ دیں.

جہاں تک پہلی آیت کا تعلق ہے تو اس سے اوپر والی آیات میں اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کا ذکر کیا ہے جن سے رسول اللہ ﷺ کو اہل مکہ متہم کیا کرتے تھے، چنانچہ اہل مکہ کے ایک الزام کو اللہ تعالیٰ نے یوں بیان کیا ہے:

﴿اَفْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا اَمْ بِہٖ جِنَّۃٌ﴾ (کیا وہ اللہ پر افترا پردازی کرتا ہے، یا اسے جنون لاحق ہو گیا ہے) (۱).

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کو جنون سے متہم کرنے پر مشرکین کی تردید کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿قُلْ اِنَّمَآ اَعِظُکُمْ بِوَاحِدَۃٍ ۚ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰہِ مَثْنٰی وَفُرَادٰی ثُمَّ تَتَفَکَّرُوْا ۚ مَا بِصَاحِبِکُمْ مِّنْ جِنَّۃٍ ۭ اِنْ ھُوَ اِلَّا نَذِیْرٌ لَّکُمْ بَیْنَ یَدَیْ عَذَابٍ شَدِیْدٍ ۝ قُلْ مَا سَاَلْتُکُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَھُوَ لَکُمْ ۭ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ ۚ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَھِیْدٌ﴾ (اے میرے نبی! آپ کہہ دیجئے کہ میں تمہیں صرف ایک نصیحت کرتا ہوں کہ تم لوگ اللہ کی خاطر دو دو اور اکیلے اکیلے کھڑے ہو، پھر غور کرو، (تو اسی نتیجہ پر پہنچو گے کہ) تمہارے ساتھ رہنے والے پیغمبر کو جنون لاحق نہیں ہے، وہ تو ایک شدید عذاب آنے سے پہلے تمہیں ڈرانے والا ہے، اے میرے نبی! آپ کہہ دیجئے کہ میں نے اگر تم سے کوئی معاوضہ مانگا ہے تو وہ تم کو ہی دیتا ہوں، میرا اجر تو مجھے صرف اللہ سے چاہئے، اور وہ ہر چیز سے باخبر ہے) (۲).

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ کا الزام لگائے جانے کی ان الفاظ میں تردید کی ہے:

﴿قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَقْذِفُ بِالْحَقِّ ۚ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ ۝ قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَمَا یُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا یُعِیْدُ ۝ قُلْ اِنْ ضَلَلْتُ فَاِنَّمَآ اَضِلُّ عَلٰی نَفْسِیْ ۚ وَاِنِ اھْتَدَیْتُ فَبِمَا یُوْحِیْٓ اِلَیَّ رَبِّیْ ۭ اِنَّہٗ سَمِیْعٌ قَرِیْبٌ﴾ (آپ کہہ دیجئے کہ میرا رب جو تمام غیبی امور کا جاننے والا ہے، حق کو باطل پر دے مارتا ہے، آپ کہہ دیجئے کہ حق آ گیا، اور باطل اب نہیں آئے گا اور نہ اپنے آپ کو دُہرائے گا، آپ کہہ دیجئے کہ اگر میں گمراہ ہوں تو اس کا خمیازہ میں بھگتوں گا، اور اگر میں راہِ راست پر گامزن ہوں تو یہ اس قرآن کی بدولت ہے، جسے میرا رب بذریعہ وحی مجھ تک بھیجتا ہے، وہ بے شک خوب سننے والا، بڑا قریب ہے) (۳).

یعنی اس سے یہ بات مخفی نہیں ہے کہ میں گمراہ ہوں یا ہدایت یافتہ.

---

(۱) سورۃ سبا: آیت/۸.

(۲) سورۃ سبا: آیت/۴۶، ۴۷.

(۳) سورۃ سبا: آیات/۴۸-۵۰.

دوسری آیت سے یہ استدلال کرنا کہ رسول اللہ ﷺ سے بکثرت غلطیاں سرزد ہوتی رہتی تھیں جن میں سے بعض غلطیوں سے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو آگاہ بھی کر دیا ہے تو یہ بالکل برعکس استدلال ہے، کیونکہ اس آیت سے جو بات سمجھ میں آتی ہے یہ یہی ہے کہ رسول اللہ صلی ﷺ سے کچھ ہی غلطیوں کا صدور ہوا ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ذکر کر دیا ہے اور ان سے آپ کو آگاہ کر دیا ہے، تاکہ ہمیں اس بات کا یقین واطمینان ہو جائے کہ آپ کی جو بھی سنتیں ہم تک پہنچی ہیں وہ صحیح ہیں اور انہیں وحی الٰہی کی تائید حاصل ہے۔ اور اگر قرآن میں مذکور غلطیوں کے علاوہ بھی دوسری غلطیوں کا صدور رہوا ہوتا تو اللہ تعالیٰ اپنے دین کی حفاظت کے پیش نظر انہیں بھی ضرور بیان کر دیتا۔

نیز یہ بھی قابل غور بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن غلطیوں پر آپ کو متنبہ کیا ہے ان کا تعلق اساسیات دین سے نہیں ہے اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان غلطیوں کی تصحیح کی گئی۔ حالانکہ دنیا میں ایسی بے شمار عظیم شخصیات ہیں۔ جو انتہائی خطرناک قسم کی غلطیوں کے مرتکب ہوتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کبھی ان کی غلطیوں پر انہیں متنبہ نہیں کرتا، چنانچہ معمولی غلطیوں پر بھی رسول کو متنبہ کیا جانا سلیم العقل حضرات کے لئے روشن دلیل ہے کہ رسول اللہ ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور آپ کے تمام فرمودات قانون الٰہی کی حیثیت رکھتے ہیں، جب کہ دوسرے لوگوں کے اقوال وافعال کا شریعت الٰہیہ سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ اس لئے ان کی غلطیوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے متنبہ کیا جانا ضروری نہیں ہے۔

جہاں تک ان کے اس شبہ کا تعلق ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے تمام اعمال کو وحی الٰہی کے منشاء کے مطابق بتانا اس بات کے لئے دروازہ کھول دے گا کہ آپ نے جو مثالی معاشرہ قائم کیا تھا وہ کسی عام آدمی کے بس کا روگ نہیں ہے، بلکہ اس طرح کے معاشرہ کو قائم کرنے کے لئے آپ کے بعد بھی انبیاء کرام کی بعثت درکار ہوگی۔

تو میں اس کے جواب میں کہوں گا کہ آپ کا یہ شبہہ قرآن میں بھی داخل ہو سکتا ہے، کیونکہ وہ تھوڑا تھوڑا کر کے تیئس (۲۳) سالوں میں نازل ہوا تاکہ اس کے ذریعہ اس شخصیت عالیہ کی رہنمائی کی جائے جس کو اللہ تعالیٰ نے ایک جماعت کی تشکیل اور اسلامی حکومت کے قیام کے لئے اس جماعت کی قیادت کی خاطر چن لیا تھا۔ چنانچہ ہر مسئلہ کا حکم اللہ تعالیٰ کے پاس سے آتا اور ہر پریشانی کا حل اللہ تعالیٰ نازل فرماتا اور جب یہ جماعت اسلامی حکومت کے قیام کی پوزیشن میں آ گئی تو قرآن ہی نے آپ کی رہنمائی کی، اور جب منافقوں، یہودیوں اور کافروں کے ساتھ مسلمانوں کے تعلقات کا معاملہ درپیش ہوا تو قرآن ہی نے آپ کو بتایا کہ اس سلسلے میں آپ کو کیا کرنا چاہئے۔ قصہ کوتاہ یہ کہ معاملہ اہم ہو یا غیر اہم چھوٹا ہو یا بڑا قرآن کریم ہمیشہ آپ کی رہنمائی کرتا رہا ہے۔

پس سنت کے بارے میں ان کا جو قول ہے وہ لازی طور سے قرآن پر بھی چسپاں ہوتا ہے، بلکہ سچ تو یہ

ہے کہ اقامت دین کا تصور اس وقت تک ممکن نہیں جب تک اس کے لئے کوشاں افراد کی وحی الٰہی کے ذریعہ توجیہہ ورہنمائی نہ ہو۔

پھر ان کے اس دعوے سے کہ ابلاغ قرآن کے بعد رسول اللہ ﷺ کی تمام ذمہ داریاں ختم ہوگئی تھیں (نعوذ باللہ) یہ کہنا لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے بہتر یہ ہوتا کہ وہ نبوت کے پہلے ہی دن شریعت کے جملہ احکام پر مشتمل ایک مرتب ومدون کتاب آپ کو دے دیتا پھر آپ کی نبوت کے ختم ہو جانے کا اعلان کر دیتا۔اس کے بعد محمد بن عبداللہ (ﷺ) کی ذمہ داری ہوتی کہ وہ ایک عام انسان کی حیثیت سے اس نازل کردہ کتاب میں وارد احکام کی روشنی میں کسی حکومت کی تشکیل یا معاشرے کے قیام کے لئے کوشش کرتے۔

لیکن بات ایسی نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو رسول بنا کر مبعوث فرمایا تھا، تاکہ آپ ایک اسلامی جماعت کی تشکیل کریں، حکومت الٰہیہ کی تاسیس کریں، اسلامی معاشرہ قائم فرمائیں، اور ایک مکمل ضابطۂ حیات، مثالی تہذیب وتمدن اور دینی سیاست کی طرح ڈالیں اور انصاف ودیانتداری پر مبنی ایک ایسے اقتصادی نظام کی ترویج کریں جو امت کے لئے تاقیامت چراغ راہ ثابت ہو۔اور یہ ضروری تھا کہ اس عظیم وابدی قلعہ کی تعمیر ارشاد الٰہی کے مطابق ہو، خواہ وہ وحی جلی کی صورت میں ہو یا وحی خفی کی صورت میں۔اور اگر کسی اینٹ کے رکھنے میں آپ سے غلطی ہو تو فوراً آپ کو متنبہ کر دیا جائے تاکہ اس کی تعمیر میں کوئی خامی نہ رہے اور وہ پختہ وپائیدار ہونے کے ساتھ بالکل سیدھی اور بلند ہو اور درحقیقت ایسا ہی ہوا بھی جس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ اعلان کر دیا: ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾ (آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا، اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی، اور اسلام کو بحیثیت دین تمہارے لئے پسند کر لیا)[1]۔

اور اسلامی تاریخ کے سنہرے اوراق اس بات کے شاہد ہیں کہ خلفاء راشدین نے وحی الٰہی کے انقطاع کے باوجود دین الٰہی اور حکومتِ اسلامیہ کی حفاظت کی، نیز رسول اللہ ﷺ کے انتقال کے بعد ہر زمانے میں ایسے نیکوکار امراء وحکام پائے گئے جنہوں نے نبوی طریقہ پر اسلامی سلطنت کے قیام کے لئے کوششیں کیں، لیکن ان حضرات میں سے کسی کے ذہن میں کبھی یہ خیال نہیں آیا کہ وحی جدید کے بغیر اس کام کو انجام دینا محال ہے۔

اور خلفاء راشدین کے متعلق یہ کہنا کہ وہ صرف قرآنی تعلیمات کی روشنی میں فیصلہ لیتے تھے بہتان تراشی اور دروغ گوئی ہے۔اس کے برخلاف تمام علماء متفق ہیں کہ صحابہ کرام کو جب کوئی قرآنی آیت یا نبوی سنت مل جایا کرتی

---

(۱) سورۃ المائدہ: آیت ر ۳۔

تھی تو وہ دوسری طرف دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتے تھے. حسین بن علی حلوانی کہتے ہیں کہ ہم سے عارم نے حماد بن زید سے اور انہوں نے سعید بن ابی صدقہ سے اور انہوں نے ابن سیرین سے بیان کیا ہے وہ فرماتے ہیں جس چیز کا علم نہ ہو اس کے متعلق کلام کرنے میں ابوبکر سے زیادہ محتاط کوئی نہیں ان کے بعد عمر نظر آتے ہیں. ایک مرتبہ ابوبکر کے سامنے ایک مسئلہ آیا اور ان کو اس سلسلے میں کوئی قرآنی آیت یا سنت نہیں ملی لہذا انہوں نے اجتہاد سے کام لیا اور یہ بھی کہہ دیا کہ یہ میری ذاتی رائے ہے اگر صحیح ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہے اور اگر غلط ہے تو اس کا ذمہ دار میں ہوں. اس کے لئے میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت چاہتا ہوں (۱).

ابوعبیدہ نے کتاب القضاء میں ذکر کیا ہے کہ ہم سے کثیر بن ہشام نے جعفر بن برقان سے اور انہوں نے میمون بن مہران کے حوالے بیان کیا ہے کہ ابوبکر کے پاس جب بھی کوئی قضیہ آتا تو پہلے آپ کتاب اللہ میں اس کا حکم تلاش کرتے اگر وہ مل جاتا تو اسی کے مطابق فیصلہ دیتے ورنہ سنت کی طرف رجوع فرماتے اگر اس میں بھی نہیں ملتا تو لوگوں سے دریافت کرتے کہ کیا اس مسئلہ میں تم میں سے کسی کے پاس رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ موجود ہے؟ (۲).

یہ کون نہیں جانتا کہ بار خلافت قبول کرنے کے بعد سب سے پہلے ابوبکر نے جو کہا تھا وہ یہ کہ انہی امور میں میری اطاعت کرو جن میں میں نے اللہ و رسول کی اطاعت کی ہے. اگر میں اللہ و رسول کی نافرمانی کروں تو پھر تم پر میری اطاعت نہیں.

اس بات سے کون واقف نہیں کہ ابوبکر نے اسامہ بن زید کی سرکردگی میں فوج بھیجنے پر صرف اس وجہ سے اصرار کیا تھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے فیصلے میں تبدیلی کرنے کا خود کو مجاز نہیں سمجھتے تھے. اور جب صحابہ کرام نے ان متوقع خطرات کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہا جن سے امت مسلمہ دوچار ہو سکتی تھی تو آپ نے یہ فیصلہ کن جواب دیا تھا اگر کتے اور بھیڑیئے میری بوٹی بوٹی بھی کر دیں پھر بھی میں رسول اللہ ﷺ کے فیصلے کو تبدیل نہیں کر سکتا''

اور جب عمر نے اسامہ بن زید کی جگہ کسی دوسرے کو قائد جیش مقرر کرنے کا مشورہ دیا تو انہوں نے ان کی داڑھی پکڑ لیا اور فرمایا: اے ابن الخطاب! کاش تمہاری ماں تمہیں نہیں جنتی یا تمہارا گلا گھونٹ دیتی، رسول اللہ ﷺ نے جس کو مقرر فرمایا ہے اس کو بدل دینے کا تم مجھے مشورہ دے رہے ہو.

اور جیش اسامہ کو الوداع کہتے وقت انہوں نے جو خطبہ دیا تھا اس میں کہا تھا: میں رسول اللہ ﷺ کا متبع ہوں

(۱) اعلام الموقعین: ۱/ ۵۴.
(۲) اعلام الموقعین: ۱/ ۶۲.

مبتدع نہیں ہوں.

انہوں نے ہی کہا ہے: واللہ! اگر لوگ ایک رسّی بھی دینے سے انکار کریں گے جس کو وہ عہد رسول میں دیتے آئے ہیں تو میں اس انکار کی بنا پر ان سے قتال کروں گا.

عمر کا بھی اپنے عہد خلافت میں یہی طرز عمل رہا ہے، قاضی شریح کے نام (۱) تحریر آپ کے خط سے اس طرز عمل کی عکاسی ہوتی ہے. آپ نے لکھا تھا: ''کتاب اللہ میں جب کوئی حکم پالو تو اسی کے مطابق فیصلہ کرو دوسری طرف مت دیکھو، اگر کوئی ایسا مسئلہ درپیش ہو جس کے متعلق کتاب اللہ میں کوئی حکم نہ ہو تو سنت رسول کے مطابق فیصلہ دو......الخ''.

حدیث رسول کے تئیں خلیفہ ثالث عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا طرز عمل بھی یہی تھا (۲). اور علی رضی اللہ عنہ بھی اسی راستے کے مسافر تھے (۳).

جہاں تک منکرینِ سنت کے اس زعم کا سوال ہے کہ قرآن کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی دوسری وحی نازل نہیں ہوتی تھی تو یہ نص قرآن کی زبردست مخالفت ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ﴾ (اور کسی انسان کے لئے یہ ممکن نہیں کہ اس سے اللہ بات کرے، سوائے اس کے کہ اس پر وحی نازل کرے، یا کسی اوٹ کے پیچھے سے، یا کسی رسول کو بھیجے جو اس کی اجازت سے، وہ جو چاہے، اس کی وحی پہنچادے، وہ بے شک سب سے اونچا، بڑی حکمتوں والا ہے) (۴).

اس آیت کریمہ سے پتہ چلتا ہے کہ وحی کی تین قسمیں ہیں ایک وہ وحی جو القا والہام کے معنی میں ہوتی ہے دوسری حجاب کے پیچھے سے اور تیسری وحی جو فرشتوں کے ذریعہ آتی ہے. اور قرآن کریم اسی تیسری قسم کے قبیل سے ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر اس کی صراحت کردی ہے. ارشاد باری ہے: ﴿قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (آپ کہہ دیجئے کہ اگر کوئی جبریل کا دشمن ہے (تو اسے کچھ نقصان نہیں) اس لئے کہ اس نے قرآن آپ کے دل پر اللہ کے حکم سے اُتارا ہے، جو

(۱) اعلام الموقعین: ۱/۶۱، ۶۲.
(۲) ملاحظہ ہو: تاریخ طبری: ۳/۴۴۶.
(۳) سابق مصدر: ۳/۵۵۰.
(۴) سورۃ الشوری: آیت/۵۱.

گزشتہ آسمانی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے، اور مومنین کے لئے ہدایت اور خوشخبری ہے)[1].

دوسری جگہ ارشاد فرماتا ہے: ﴿وَ اِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ۝ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ﴾ (یہ قرآن رب العالمین کی جانب سے نازل کردہ ہے، اسے روح الامین (جبریل) نے اُتارا ہے، آپ کے دل پر، تاکہ آپ لوگوں کو اللہ سے ڈرانے والوں میں سے ہو جائیں)[2].

قرآن کریم وحی کی تین قسموں میں سے ایک قسم ہے اور سورۃ الشوریٰ میں مذکور دیگر دو قسمیں قرآن کریم کے علاوہ ہیں. اس طرح یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ان دونوں قسموں کے ذریعہ احکام دین حاصل کیا کرتے تھے.

اس سے قبل ''سنت وحی الٰہی ہے'' کی بحث میں رسول اللہ ﷺ پر قرآن کے علاوہ وحی نازل ہونے کے تعلق سے کافی مقدار میں قرآنی دلائل جمع کر دیئے گئے ہیں، نیز بحث ''قرآن میں وارد لفظ حکمت سے مراد سنت رسول ہے'' کے اندر اس بات پر علماء محققین کا اتفاق نقل کر آئے ہیں کہ حکمت قرآن کے علاوہ دوسری چیز ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح رسول اللہ ﷺ پر قرآن نازل کیا ہے اسی طرح حکمت بھی نازل کیا ہے. اور اگر حکمت سے مراد سنت رسول نہیں ہے تو آخر وہ ہے کیا؟

منکرین سنت کا ایک شبہ وہ بھی ہے جس کو وہ اپنی ان مؤلفات ومقالات میں ذکر کرتے رہتے ہیں جنہیں وہ اپنے فاسد نظریئے کی ترویج واشاعت کے مقصد کے تحت چھاپتے ہیں. ان کا کہنا ہے: اگر قرآن کی طرح سنت بھی حجت ہوتی تو قرآن ہی کی طرح ایک جامع کتاب میں مدوّن ہوتی اور اس کے متن پر بھی تمام لوگوں کا اتفاق ہوتا.

اس شبہ کی تردید کے لئے پہلے دو باتوں کا جاننا ضروری ہے؛ ایک تو یہ کہ رسول اللہ ﷺ کی تعلیم وتربیت کے تحت جو معاشرہ وجود میں آیا تھا وہ ایک پل کے لئے بھی منقطع یا معدوم نہیں ہوا، اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ مسلمان عہد رسول سے لے کر آج تک عقائد وافکار، اخلاق وعادات اور معاملات میں متحد ومتفق ہیں. اور یہ بلاشک اس بات کی دلیل ہے کہ اس عظیم اور موحّد معاشرہ کی بنیاد روزِ اول سے ہی ایک ہی سنت پر رکھی گئی تھی جو ہمیشہ اسلامی معاشرے میں موجود اور جاری وساری رہی ہے. یعنی یہ کوئی گمشدہ چیز نہیں ہے جس کی تلاش وجستجو کی جائے.

دوسری بات یہ ہے کہ سنن ثابتہ کی پہچان کرنے اور اکاذیب واباطیل سے سننِ رسول کی حفاظت کرنے کے

(۱) سورۃ البقرۃ: آیت ۹۷.
(۲) سورۃ الشعراء: آیت ۱۹۲-۱۹۴.

لئے امت کے علماء واکابرین نے ہر ممکن کوشش کی ہے. اور یہ مبارک کوششیں خلیفہ اول سے لے کر آج تک تسلسل کے ساتھ جاری وساری ہیں، جن کا ذکر ہماری مستند کتابوں میں مدوّن ومحفوظ ہیں.

دوسرے لفظوں میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ صرف واعظ ومرشد ہی نہیں تھے بلکہ آپ مسلمانوں کے قائد، ان کے قاضی، شارع اور معلم بھی تھے، چنانچہ مسلمانوں میں جس طرح آپ کی نماز کو رواج ملا اور مساجد میں اس کا اہتمام کیا جانے لگا، اسی طرح آپ کے فیصلے کو اور جنگ میں دشمنوں اور شہر مفتوح کے لوگوں کے ساتھ آپ کے معاملات کو بھی رواج ملا، یہ تمام چیزیں یکجا ہو کر نظامِ حکومت کی شکل اختیار کر گئیں. اور انہی کو پیش نظر رکھ کر جنگ وامن کے اصول وضوابط متعین کئے گئے جو عہد نبوی ہی میں مسلمانوں کی زندگی میں داخل ہو گئے. اور ان اصول ومبادی اور کلیات وجزئیات پر اسلامی معاشرہ قائم ودائم رہا، صحیح روایات اور امت اسلامیہ کے عمل متواصل کے درمیان ہمیشہ کلی موافقت پائی جاتی رہی. اگر ان کے نزدیک یہ تمام حقائق ثبوت سنت کے لئے دلیل نہیں بن سکتے تو پھر ان کے متکبر ومغرور ہونے میں کوئی شک باقی نہیں رہتا.

جہاں تک ان بعض سنتوں کا تعلق ہے جو کسی ایک شخص یا چند مخصوص اشخاص سے منقول ہونے کی بنا پر ابتداء ہی سے عام مسلمانوں میں شہرت حاصل نہیں کر سکیں. ان کے متعلق گزشتہ اوراق میں دلائل قطعیہ کے ذریعہ یہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد امت اسلامیہ اس قسم کی احادیث کے جمع وحفظ سے کبھی غافل نہیں رہی، اور وہ ایسا کر بھی نہیں سکتے تھے، کیوں کہ ان احادیث کے دین ہونے پر ایمان کامل رکھتے تھے. اور اس بات کو بھی بخوبی جانتے تھے کہ جب تک کسی کے پاس کوئی حدیث موجود ہے تب تک اجتہاد جائز نہیں ہے. چنانچہ ان کے لئے ضروری تھا کہ وہ ہر صاحبِ سنت کا پتہ لگائیں اور ان سے اس سنت کو حاصل کریں. اور جس کے پاس سنت موجود ہو وہ اس کو دوسروں تک پہنچائے.

اور روایت حدیث جس کا چرچا ۱۱ھ میں ہوا، اس کا نقطۂ آغاز یہی ہے. اس کے بعد باضابطہ طور پر احادیث رسول کو کذب وتدلیس سے پاک وصاف کر کے صحاح، مسانید کی شکل میں اکٹھا کیا گیا.

اسی سے ہمیں یہ بات بھی سمجھ میں آجاتی ہے کہ جو لوگ سنت رسول کو آسمانی شریعت سمجھتے تھے وہ ہر کس وناکس کی بات کو محض اس بنا پر کہ وہ قال رسول اللہ کہہ رہا ہے، حدیث کے طور پر کیوں کر قبول کر سکتے تھے.

اور منکرین سنت کا یہ قول کہ سنت کو قرآن کی طرح کسی جامع کتاب میں مدون نہیں کیا گیا بالکل ہی لائق التفات نہیں ہے. حکومتیں کسی مخصوص کتاب میں مقید خطوط پر انحصار نہیں کرتیں اور نہ ہی کوئی معاشرہ چند کتابی اصولوں

پر قائم ہوتا ہے. اس لئے کہ کتاب مدون کی روشنی میں چلتے ہوئے معاشرہ کے اندر کچھ عادات واعراف رواج پا جاتے ہیں. کچھ نظائر اور کچھ فیصلے سامنے آتے ہیں، بعض ادارتی ضابطے اور مختلف فیہ مسائل ظاہر ہوتے ہیں جن کی طرف سے یکدم آنکھیں موڑ لینا مشکل ہو جاتا ہے. بلکہ ان کو پس پشت ڈال دینے کے بعد وہ کتابِ مدّون نہ تو حکومت کے مکمل نظام کی نشاندہی کر پاتی ہے اور نہ قوم کی حقیقی صورت پیش کر پاتی ہے.

اسی بات کو دوسرے انداز میں اس طرح بھی کہا جاسکتا ہے کہ اگر ہم امریکہ یا برطانیہ سے کہیں کہ تمہارے ملک میں رائج طور طریقے، تمہارے اصول وضوابط اور تمہارے عادات واعراف سب بے کار اور لغو ہیں، تم کو صرف کتاب مدوّن پر انحصار کرنا چاہئے تو وہاں کے لوگ ہم پر ہنسے اور ہمارا مذاق اڑائے بغیر نہیں رہیں گے.

اس کی مزید وضاحت کے لئے میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ دور حاضر میں جب کہ لکھنے اور محفوظ کرنے کے وسائل کی ترقی انتہاء کو پہنچ چکی ہے اس قائد کا تصور کریں جو کسی حکومت کے قیام اور معاشرے کی تشکیل میں دن رات سرگرداں رہتا ہے اور اس مقصد کے تحت وہ تیئس سال کی طویل مدت کے ہر ہر لمحے کو وقف کر دیتا ہے. وہ اپنی خصوصی تربیت سے لاکھوں افراد کی زندگی سنوارتا ہے اور زندگی کے تمام شعبوں میں انقلاب برپا کر دیتا ہے. وہ معاشرہ کے تمام افراد کے لئے ایک مثالی انسان ہے. لوگ اپنے معمولاتِ زندگی میں اس کے کردار کو تلاش کرتے ہیں، وہ قاضی وحاکم ہے، قانون ساز ہے اور لوگوں کا قائد بھی ہے، وہ ایک مثالی حکومت قائم کرنے کا ارادہ رکھتا ہے. ہم موجودہ دور میں اس طرح کے قائد کا تصور کریں اور خود سے یہ سوال کریں کہ کیا اس الیکٹرانک دور میں بھی اس کے تمام اعمال وکردار کو ایک کتاب میں جمع کر دینا کسی کے لئے ممکن ہے؟ کیا ہمیں اس کی گردن میں ٹیپ رکارڈر باندھ دینا چاہئے جو اس کے شب وروز کے تمام حرکات وسکنات کو محفوظ کر لے؟

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمیں اس کا جواب نفی ہی میں ملے گا. اور جب بات ایسی ہے تو یہ کہنا کہاں تک صحیح ہے کہ آپ نے جسم امت پر جو نقوش ثبت کئے ہیں اور افراد کی زندگی میں جو اثرات قائم کئے ہیں ان کا اب کوئی اعتبار نہیں ہے، اس بات کی آپ کہاں تک تصدیق کریں گے کہ جو لوگ آپ کے ساتھ رہے، بذات خود آپ کے خطبوں کو سنا، آپ کو قریب سے دیکھا ہمیشہ اور ہر جگہ آپ کی مصاحبت میں رہے ان لوگوں کے ذریعہ منقولہ آپ کی باتوں کا کوئی اعتبار محض اس لئے نہیں ہیکہ انہیں آپ کی زندگی میں نہیں لکھا گیا تھا اور نہ ہی آپ نے اپنے ہاتھوں سے ان پر مہر تصدیق ثبت کیا تھا، آخر اس بات کو آپ کتنی اہمیت دیں گے کہ آپ کی تعلیمات، آپ کے فیصلے، احکام ونواہی، جنگ وامن میں دشمنوں کے ساتھ آپ کے معاملات یہ سب کے سب صرف اس وجہ سے کوئی اہمیت نہیں رکھتے کہ انہیں

آپ کے رہتے ہوئے کسی مخصوص کتاب میں مدون نہیں کیا گیا تھا؟

درحقیقت سنت کو جامع کتاب میں مدون نہ کئے جانے کا مسئلہ کھڑا کرنے کا اصل مقصد ان لوگوں کے دلوں میں شکوک وشبہات پیدا کرنا ہے جو سنت رسول ﷺ کی تاریخی حیثیت سے ناواقف ہیں. نیز یہ ایک سطحی بات ہے جو حماقت وغباوت سے پُر ہے.

خاتمہ

۱- قارئین کرام کو گزشتہ بیانات سے یہ معلوم ہوگیا ہوگا کہ اسلام میں سنت کو قانونی حیثیت حاصل ہے، اور اس کے بغیر تکمیلِ دین کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہوسکتا. قرآن کریم نے ان آیات کے ذریعے جن میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کو واجب قرار دیا ہے ہمیں اسی بات کی طرف توجہ دلایا ہے، نیز اس حقیقت کی طرف بھی اشارہ کیا ہے کہ اتباعِ سنت، عمل بالحدیث اور تمام معاملات میں قرآن کے ساتھ حدیث کو حکم مانے بغیر آپ کی اطاعت کا تصور نہیں کیا جاسکتا.

۲- قارئین یہ بھی جان چکے ہوں گے کہ سنت ترجمانِ قرآن ہے. اس کے اجمال کے تفصیل اور ابہام کی توضیح سنت کا فرض منصبی ہے. اور یہ کہ قرآن وسنت لازم وملزوم ہیں ان میں سے ایک کو دوسرے سے الگ نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ قرآن شریعت محمدیہ کے کلیات پر مشتمل ہے اور سنت اس کے جزئیات کی وضاحت کرنے والی ہے.

۳- اور رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب کو احادیثِ قطعیہ کے ذریعے سنت کو سیکھنے اور یاد کرنے کا حکم دیا ہے، اس لئے کہ وہ دین ہے، بلکہ صرف قرآن کو دین سمجھنے اور سنت رسول سے روگردانی کرنے والوں کی مذمت بیان کیا ہے. اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کتاب کے ساتھ سنت بھی دیا تھا لہذا سنت سے دین حاصل کرنا قرآن سے حاصل کرنے کے برابر ہے.

۴- اور یہ کہ سنت پر چلنے اور اسے سرچشمہ رشد وہدایت سمجھ کر زندگی میں نافذ کرنے اور سنت رسول کے ہوتے ہوئے کسی حکم میں اجتہاد کو روانہ جاننے پر پوری امت اسلامیہ متفق ہے. اور خلفاء راشدین کا عمل بھی اسی پر تھا.

۵- صحابہ کرام نے سنت نبویہ کا غایت درجہ اہتمام کیا، اسے اپنے سینوں اور دفتروں میں محفوظ رکھا. پھر پوری ایمانداری کے ساتھ تابعین کے حوالے کردیا، جنہوں نے اسلاف کی طرح اس وقت تک اپنے سینوں میں بند اور دفاتر میں محفوظ رکھا جب تک اسے صحاح ومسانید کی شکل نہ دے دی گئی.

۶- ذخیرۂ احادیث نبویہ میں جعلی حدیثوں اور جھوٹی روایات کو داخل کرکے اسلام کے خلاف جو سازش رچی گئی تھی اکابرین امت نے اس کا پردہ فاش کردیا ہے. اور کھرے وکھوٹے کی نشان دہی کردی ہے. ہمارے اکابرین نے اپنی انتھک کوششوں اور عظیم قربانیوں کے ذریعہ سے گوبر وخون سے خالص دودھ نکالنے میں کامیابی حاصل کی ہے.

۷- ابتدائے عہد سے لے کر آج تک ہر زمانے میں اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کو بھیجا جو گلشنِ سنت کو سجانے وسنوارنے کے ساتھ حجیتِ سنت کے متعلق دشمنانِ اسلام کے تمام شبہات کا دندان شکن جواب دیا ہے.

۸-علم وہدایت کا یہ مینار روشن و بلند رہ کر ہمیشہ جگمگا تا رہے گا اور انسانیت کو ہدایت و کامرانی اور امن وسلامتی کا سبق دیتا رہے گا. لوگوں کی اجتماعی وانفرادی زندگی میں انوار محمدیہ کا یہ دیپ ہمیشہ فروزاں رہے گا. اور اس کے بغیر انسانیت نہ تو فلاح یاب ہو سکے گی اور نہ ہی کفر وشرک اور ظلم وجبر کی تاریکی سے آزاد ہو سکے گی، اور اسے اپنائے بغیر سماجی انصاف کا خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہو پائے گا. امتِ اسلامیہ جب تک عقائد واخلاق کے دشمن اور فحاشی و بے راہ روی کے حامی اقوام وامم سے ملحدانہ نظریات کی درآمد بند کر کے کتاب وسنت کو اپنا دستور نہیں بناتی اس وقت تک نہ تو اسے اس کی کھوئی ہوئی عزت واپس مل سکتی ہے اور نہ ہی وہ ذلت وپستی سے پیچھا چھڑا سکتی ہے.

اے کفر وشرک، ظلم وجبر کی چکی میں پس رہی بلکتی سسکتی انسانیت، میں تمہیں قرآن وسنت کو قبول کرنے کی دعوت دیتا ہوں، تاکہ تم غلاموں کی غلامی سے آزاد ہو کر اللہ واحد کی عبادت میں لگ جاؤ اور عزت کے ساتھ باوقار پُر امن زندگی جینے لگو.

اے امت مسلمہ تمہیں میں کتاب وسنت کو گلے لگانے کی دعوت دیتا ہوں، تاکہ پھر سے تم قیادتِ انسانیت کا زمام تھام سکو.

واصلي واسلم على رسولنا محمد وعلى آله وصحبه أجمعين، وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين.

فہرست عناوین

عناوین	صفحہ

حدیث - حجیت و دفاع

مکانۃ السنۃ فی التشریع الاسلامی / محمد لقمان سلفی

اسلام میں
سنت کا مقام

